

سیرت نبی میں سیاست

ڈاکٹر علی ہادی جلال چوہدری



ناشر: ادارہ فہمہ اللہ جلال پور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَسْتَعِيزُكَ يَا رَبِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)

عَنْهُ رَجَاءٌ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ يَا رَبِّ

سیرت نبی ﷺ

میں سیاست

میں سے ان سے ہوا اللہ اللہ

زاہد علی ہندی (جلال پوری)

نشریات : ادارہ بقیۃ اللہ جلال پور فیض آباد یوپی ہند

سیرت نبی میں سیاست

کتاب

زاهد علی ہندی (جلال پوری)

مؤلف

علی ابراہیم شباب

کمپوزنگ

ادارہ بقیۃ اللہ جلال پور فیض آباد یوپی ہند

ناشر

ایک ہزار جلد

اشاعت

۱۴۲۷ھ - مطابق ۲۰۰۷ء

تاریخ

ملنے کا پتہ:

حوزه علمیه بقیۃ اللہ، نیو بازار، جلال پور، فیض آباد یوپی ہند۔

کوڈ نمبر ۲۲۴۱۳۹۔۔۔ مہائل نمبر: ۰۰۹۱-۹۷۹۵۱۲۹۲۲۷

جمہوریہ اسلامی ایران، قم، خیابان امام موسیٰ صدر، ش نمبر ۵۱، شہید محسن

حیدری یلاک ۵۵، ٹیلی فون نمبر- ۲۶۳۵۷۴۲ ۲۵۱ ۰۰۹۸

mail: zahidali786110@yahoo.com

فہرست مضامین

سیرت نبی میں سیاست

۱	فہرست مضامین	۴
۲	فکر آفریں سخن	۷
۳	کلمات تشکر	۱۱
۴	سیاست کیا ہے؟	۱۴
۵	موضوع پر بحث کی وجہ	۱۵
۶	سیرت رسول ﷺ بہترین سیاست	۳۱
۷	پیغمبر اسلام ﷺ کی تبلیغ	۳۹
۸	جزیرۃ العرب کی سیاست	۴۳
۹	سیاست کا مختلف زاویہ	۴۵
۱۰	کلام انبیاء میں سیاسی جھلکیاں	۵۰
۱۱	اہل غرب کی سیاسی نظر	۵۴
۱۲	سیاست کا تجزیاتی موازنہ	۵۹
۱۳	ڈموکراسی کیا ہے؟	۶۴
۱۴	سازش اور موقعیت سے استفادہ	۶۹
۱۵	اسلام کا سیاسی نظریہ	۷۲
۱۶	اسلامی دانشوروں کی رائے	۷۶



۷۸	اسلام میں سیاست	۱۷
۸۱	نفاذ ولایت بہترین سیاست	۱۸
۸۴	سیاست کا حلقہ	۱۹
۸۶	سیاست عدالت کا نفاذ	۲۰
۹۱	سیاسی نظریہ	۲۱
۹۳	سیاست ایک فریضہ ہے	۲۲
۹۶	خوش بخت سیاست	۲۳
۹۹	الہی سیاست کا مقصد	۲۴
۱۰۲	رسول کی بے مثال شخصیت	۲۵
۱۰۴	اماموں کی رسالت	۲۶
۱۰۸	حکومت اسلامی کا راہ قیام	۲۷
۱۱۴	حکومت کی برکتیں	۲۸
۱۱۵	پیغمبر اسلام اور سماج کی ادارت	۲۹
۱۱۹	رسول اللہ کا سیاسی عہد	۳۰
۱۲۳	خدائی نمائندگی کا سزاوار	۳۱
۱۲۹	قیادت بادشاہت نہیں	۳۲
۱۳۱	رسول اللہ کے بعد غلط سیاست	۳۳
۱۳۹	رسول کے بعد کی سیاسی سرگرمیاں	۳۴
۱۵۰	حکومت کی تقسیم و تحفظ	۳۵
۱۵۴	حکومت اسلامی کے قوانین	۳۶
۱۵۷	اسلامی قوانین کی جامعیت	۳۷

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

۳۸	اسلامی تحریکیں	۱۶۴
۳۹	شیعہ تحریک اور کارنامے	۱۶۸
۴۰	مشرق وسطیٰ اور عالمی اقتصاد	۱۷۰
۴۱	اسلام خوشی یا غم، خوف یا امن	۱۷۸
۴۲	دینی افکار سے جنگ	۱۸۰
۴۳	جہاد مقدس یا دادخواہی	۱۸۲
۴۴	دہشت گردی یا جہاد مقدس	۱۸۶
۴۵	پیغمبر اکرم کو منافقین کا سامنا	۱۸۹
۴۶	مرسل اعظم کے قتل کا فتنہ	۱۹۳
۴۷	اسلام کے خلاف منصوبہ	۱۹۹
۴۸	سامراجی طلسم توڑنا ہوگا	۲۰۳
۴۹	تبشیر اور تفکیر	۲۱۰
۵۰	دین کی ضرورت	۲۱۲
۵۱	آزادی کے دور ہے پر	۲۱۴
۵۲	آزادی اور آشتی	۲۱۶
۵۳	جمہوریت اور حریت	۲۱۸
۵۴	یہودی سیاست سے حفاظت	۲۲۲
۵۵	تمام ادیان پر غلبہ	۲۲۵
۵۶	دانشوروں کا نظریہ	۲۲۸
۵۷	منابع کتب	۲۳۶

فکر آفریں سخن

دانشمند معاصر علامہ محمد رضا رجب نژاد

(نمائندہ ولی فقیہ دہلی ہندوستان)

اس عدیم المثال انسان کے بارے میں کیا کہوں جس نے اپنی انسانی شکل میں ایک دنیا سمیٹ رکھی ہے۔ دنیا کی ہر فکر و فضیلت اس کے جاوید عقائد و فضائل کے سامنے ہیچ ہے۔

دنیا والوں میں سے کسی کی زندگی پیغمبر اسلام کی زندگی کی طرح موثر و پر پیچ اور نشیب و فراز کی حامل نہیں رہی ہے۔ وہ حیرت انگیز زندگی جسمیں حیرت آمیز، پراسرار اور ولولہ انگیز مناظر کی کثرت دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کے پسماندہ عوام کے درمیان سے اٹھنے والے اس عزیز بے مثل کی طرح دنیا کے کسی دوسرے انسان کے دین نے ایسی با عظمت تہذیب و تمدن اور شان و شوکت کی تخلیق نہیں کی ہے۔

پیغمبر عظیم الشان کی طرح دنیا کا کوئی دوسرا انسان تاریخ، مفکرین اور انسانی معاشروں کی توجہ کا مرکز نہیں رہا ہے اور آنحضرت کی طرح دنیا کے کسی دوسرے انسان کے بارے میں اتنی کتابیں نہیں لکھی گئی ہیں یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف مغرب و مشرق کے مورخین کر چکے ہیں۔

جس زمانے میں عربستان کے علاقے میں انسانی عقل و فطرت کے خلاف خرافات آداب و روایات اور ثقافتی سرگرمیوں کا دور دورہ تھا اور غیر انسانی و وحشیانہ مظالم کی وجہ سے انسانیت کا دم گھٹ رہا تھا خداوند عالم کے قوی ارادہ کے نتیجے میں ۱۵۰۰ء میں سعادت و خوش نصیبی کی صبح کا ایک چمکدار ستارہ رونما ہوا اور نور مولود نے اس

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

دنیا میں آنکھ کھولی جس کا نام ”محمد“ رکھا گیا جبکہ اس نو مولود کے والد ”حضرت عبداللہ“ بچے کی ولادت سے پہلے ہی اس دار فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

۶۱۰ء میں ۴۰ سال کی عمر میں خداوند عالم کی جانب سے اس عبد خدا پر وحی کا نزول ہوا، خدا اس کے کامل ترین دین کے اور آخری رسول کی حیثیت سے انھیں عہدہ رسالت پر فائز کر دیا گیا۔ قرآن ان کا معجزہ جاوید اور ان کی نبوت کی دلیل ہے جو کسی معمولی تحریف کے بغیر گزشتہ ۱۴۰۰ سال سے باقی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس سے قبل حضرت ابراہیم خلیل خداوند عالم کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے توحید و وحدانیت کا پرچم لہرا چکے تھے لیکن خود ان کی زندگی میں اور بعد کی صدیوں کے دوران لوگوں نے خود ساختہ مذہب کی پیروی شروع کر دی اور اسی میں سرگرم تھے جو ان لوگوں کے ذہن کی تخلیق تھی۔ ایک جماعت کے لوگوں نے خداوند عالم کو اس کی مخلوقات کا مشابہ قرار دیا اور خداوند عالم کے لئے مختلف اعضاء کے معتقد ہو گئے۔

بعض افراد نے خداوند عالم کے نام میں تصرف سے کام لیا جس میں حجاز کے بت پرست مشرکین جنہوں نے ”اللہ“ کو لات اور عزیز کو عزی کا نام دیدیا۔

بعض لوگ جو اصطلاحاً دانشور کہلاتے تھے چاند، سورج، جن اور ستارہ کی پرستش کرنے لگے لیکن اس زمانے کی اکثریت نے اپنے قبائل اور خاندانی بتوں کے علاوہ ۳۶۰ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر موجود بتوں کی پرستش شروع کر دی اور ہر روز رونما ہونے والے فطری حوادث کو ان بتوں سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ ابتدائی مرحلہ میں اس زمانے کی بت پرستی کو عبادت کی حیثیت حاصل نہ تھی بلکہ ابتداء میں بتوں کو اپنا شفیع مانتے تھے۔ دھیرے دھیرے یہ لوگ آگے بڑھتے گئے اور ان بتوں کو صاحب قدرت تصور کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مذہب بت پرستی کی ترویج عمل میں آ گئی اور طرح طرح سے لوگوں کے درمیان اس کا اثر رسوخ بڑھتا چلا گیا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت کا اہم ترین اور بنیادی مقصد لوگوں کو توحید و وحدانیت خداوندی کی طرف مدعو کرنا انسان کی خوابیدہ فطرت کو پیدا کرنا اور روئے زمین پر عدل و انصاف کی بالادستی قائم کرنا تھا۔

پیغمبر اسلام نے لاکھوں انسانوں کے قلوب کو روشن و بیدار کر دیا۔ یہ اس الہی اور اسلامی بیداری کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل لڑکیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں اور ظہور اسلام کے بعد خواتین کے حقوق کے

دفاع پر غیر معمولی زور دیا جاتا ہے اور یتیم بچوں کیساتھ رحمہ لی اور مہربانی پر غیر معمولی تاکید دکھائی دیتی ہے۔
 کہاں خواتین کا علانیہ قتل اور کہاں ان کے ساتھ انتہائی مشفقانہ سلوک کا پیغام؟
 کہاں اسلام سے قبل رائج لوٹ گھسوٹ اور کہاں بعد از اسلام قربانی و فداکاری کی تعلیم؟
 اسلام سے قبل لکڑی اور پتھر کے بتوں کی پرستش کہاں اور کہاں بعد از اسلام ایسے مہربان و قادر و واحد خدا کی عبادت جس سے انسانی عقل و فطرت پوری طرح ہم آہنگ ہے؟
 پیغمبر عظیم الشان کے احکام کا سرچشمہ وحی خداوندی ہے لہذا اس میں کسی قسم کی غلطی یا کمی و کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام حق اور انسان کی آزادی کا علمبردار ہے اور مساوات و عدالت کی بھرپور حمایت کا حامی ہے۔
 اسلام جاہلانہ تعصب، نسلی امتیازات اور طبقاتی اختلافات و کشمکش کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔ اسلام دین عقل و فطرت ہے۔ اسلام کامل ترین آخری دین ہے جس کو خالق کائنات نے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے انسان کے جملہ ذاتی اور سماجی شعبوں کے لئے مکمل اور نورانی احکام جاری کئے ہیں اور طبی و سلامتی بدن کے اعتبار سے بھی اسلام نہایت غنی اور انسان ساز صفات کا حامل ہے۔ پیغمبر اکرم کے احکام ان کے ذریعے اور موثر اقوال و ارشاد میں پوشیدہ اور انسان کی دنیا و آخرت کی نجات کا حقیقی اسلام کی پیروی میں مضمر ہے کیونکہ خالق کائنات نے نظام آفرینش کو خلق کیا اور تمام نیکیوں، ضرورتوں اور صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہے۔ یہ کتنی عمدہ اور دلکش بات ہے کہ انسان احکام نبوی سے واقف اور ان کا پیرو ہو جائے۔ آج قرآن جو خداوند عالم کی ہمیشہ باقی رہنے والی کتاب ہے، اپنے اسی رنگ و روپ میں ہم لوگوں کے درمیان موجود ہے جس شکل و صورت میں خداوند عالم نے اس کو اپنے پیغمبر اکرم پر نازل فرمایا ہے خدا کی یہ مقدس کتاب آج اپنے حقیقی رنگ و روپ میں انسانوں کی دست رس میں ہے حقیقی اسلام محمدی نے جس خدائے مہربان کا تعارف پیش کیا ہے اس سے محبت کرو یہ وہی خدا ہے جو انسان کی فطرت سے پوری طرح ہم آہنگ اور لائق درک و فہم ہے ایک جملے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ احکام نبوی کہ تخلیق نظام آفرینش کے خالق کی طرف سے ہوئی ہے اور وہ انسان کی صلاحیتوں اور ضرورتوں سے بخوبی آگاہ اور جمال کی آخری بلندی پر فائز ہے اسی وجہ سے وہ انسانی حسن و جمال کی طرف دعوت دیتا ہے چونکہ

﴿۱۰﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

خداوند عالم خود جمیل ہے اسی وجہ سے اس کو یہ اچھا لگتا ہے کہ اس کے بندے بھی زیبا و دلکش ہوں بالکل اسی انداز میں جو ان کا معشوق چاہتا ہے۔

مذکورہ کتاب ”سیرت نبی میں سیاست“ اسی عظیم انسان کی زندگی کا مختصر بیان ہے جن کی ذات عالم بشریت کے لئے مکمل نمونہ ہے۔ محقق محترم جناب زاہد علی ہندی جلال پوری حوزہ علمیہ قم ایران کے فارغ التحصیل اور لکھنؤ یونیورسٹی کے دانشور ہیں، موصوف نے اس کتاب کو عہد حاضر کی ایک ضرورت سمجھتے ہوئے تالیف کیا ہے۔ یقیناً اس موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے، خاص طور سے ہمارے دینی رہنماؤں کی سیرت پاک سے سیاست کا مقدس اور مبارک پہلو اجاگر کرنا، نیز ایسے وقت میں اس موضوع پر قلم اٹھانا اہمیت کا حامل ہے، جبکہ سامراج اسلام کو اس کی حقانیت اور معنویت سے جدا کرنے پر کوشاں ہے، سادہ لوح لوگوں کے اذہان کو دین سے دور کرنا، ساتھ ہی حضرت رسول اکرم ﷺ کی سنت مٹا کر آنحضرت کی شخصیت کو مجروح کیا جا رہا ہے... ہماری دعا ہے کہ پروردگار عالم اس کوشش کو قبول فرمائے، موصوف کو اپنی بے پناہ رحمت سے نوازتا رہے اور علوم اہل بیت علیہم السلام کی خدمت کی دن دوئی رات چوگنی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد رضا رجب نژاد

۷/ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

دہلی نو ہندوستان

کلمات تشکر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی مُحَمَّدٌ وَّآلِهٖ وَ
 اَصْحَابِهٖ. رَبِّ اَشْرَحْ لِی صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَ اَخْلُفْ عَقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوا قَوْلِیْ
 انسان کی خلقت؛ معرفت الہی سے سرشار ہے، جو فطری بھی ہے، کسی خاص تفسیر کے بغیر قابل درک ہے۔
 آدم سے لیکر خاتم، اور خاتم الانبیاء کے بعد خاتم الاوصیاء، اور خاتم الاوصیاء سے حضرت بقیۃ اللہ تک سب
 نے ہدایت و رہنمائی کے ذریعہ لوگوں میں الہی صفات کو اجاگر کیا اور انسانی کرامت و شرافت مسخ کرنے
 والے عناصر سے حفاظت فرمائی، جس کو اہل باطل روز اول سے انسان کی الہی شخصیت و معنویت کو دنیاوی
 مادیت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں لیکن حقائق کے مقابلے میں اپنا مکروہ چہرہ چھپا نہیں پاتے۔ اس وجہ سے
 اہل حق سے عداوت و عناد ہے۔ خاص طور سے مرسل اعظم نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک، حقانیت،
 کرامت اور عظمت کی تاسی میں جو انسانی قافلہ بڑھتا رہا ہے، لہذا ضروری ہے کہ آنحضرت کی حیات طیبہ
 کے ہر پہلو کا مطالعہ کریں اور اپنی زندگی کو انہی کے نقش قدم پر چل کر آگے بڑھائیں۔ مرسل اعظم محمد بن
 عبد اللہ ﷺ کی ذات مبارک پر نبوت کا خاتمہ ہوا ہے، جس کا اعلان گذشتہ صحائف اور بڑے رسولوں کی
 زبانی ہو چکا تھا۔ جس بنیاد پر آخری نبی تمام اقوام عالم کیلئے نمونہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو پرچم توحید
 کے تلے رسولوں اور اماموں کی رسالت اور ولایت کو امامت سے متصل کر دیا ہے، جس کو رسول اللہ کی حیات
 طیبہ ہی سے دیکھا جاسکتا ہے یہ اور بات ہے کہ ہر شے کے مقابل اس کی ایک ضد ہوتی ہے، جیسے حق کے

﴿۱۲﴾.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

مقابل باطل، امام عادل اور امام ہدیٰ کے مقابل امام گمراہ اور امام جائز ولایت الہی کے مقابل ولایت شیطانی کا وجود ہمیشہ رہا ہے، لہذا کیسے ممکن ہے کہ ان سب کی معلومات حاصل نہ کی جائے جبکہ دونوں پہلو کو بخوبی جان لینے کے بعد ہی حق کا درست تعارف بھی ہو سکتا ہے۔ اس مطلب کو ہم دو بنیادی افکار کا عنوان دے سکتے ہیں:

(۱) الہی سیاست

(۲) شیطانی سیاست

دونوں سیاست میں فرق

خدائی سیاست میں لوگوں کا فطری میلان آسمانی آئین اور انسانی وجدان کے مطابق ہوتا ہے۔ اس سیاست کا سارا فائدہ بندوں کو ہی پہنچتا ہے، اللہ کی ذات والا صفات کو یا اس کے حقیقی نمائندوں کو نہیں کیونکہ ان کا انسانی خدمت کرنا ہی بنیادی وظیفہ ہوتا ہے۔

شیطانی سیاست کا فائدہ خود شیطان اور اس کے نمائندوں کو پہنچتا ہے۔ بندگان خدا، محروم اور پسماندہ کمزور طبقہ کے لوگوں کو اس سیاست کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے۔

الہی سیاست میں خداوند عالم اور اس کے سارے نمائندے ہمیشہ بندوں کو نجات، سعادت اور خوش بخت زندگی کی جانب بڑھاتے ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ اس ولایت حقہ کی پیروی نہیں کرتے ہیں، ان کی بھی ہدایت اور استعانت کرنا عین فریضہ سمجھاتے ہیں:

شیطانی سیاست میں ایسا نہیں ہے، شیطان اور اس کے نمائندے ہمیشہ اپنے پیروکاروں کا قتل چاہتے ہیں۔ قرآن نے اس کا اشارہ کیا تھا چنانچہ آج بھی ان دونوں سیاستوں کو دنیا کے کسی بھی استعماری ملک اور سماج میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ لُطُفٌ مُّظْلِمَةٌ

يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ.

اہل ایمان کا ولی، سرپرست اور مولا اللہ ہے، وہی ان کو ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے، اور کافر جو شیطان کے والی ہیں، وہ انھیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتا ہے، یہ لوگ جہنمی ہیں اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس سے الہی اور شیطانی، ساتھ ہی دونوں کے نمائندوں کی سیاست کا مقصد روشن ہے اور اس کتاب میں خاص طور سے رسول اعظم نبی اکرم ﷺ کی سیرت میں نمایاں سیاسی گوشوں سے بحث کریں گے۔ آخر میں ایک فریضہ سمجھتے ہوئے اپنے محسن، اساتید، دوستوں اور عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جنھوں نے کسی طرح کا بھی تعاون فرما کر ہم پر احسان و کرم کیا ہے۔ خاص طور سے ادارہ بقیۃ اللہ جلال پور فیض آباد یوپی ہندوستان کے ذمہ دار، قم ایران کے اساتید آیات عظام حضرات، زہرا اکادمی قم میں تربیتی اور تحقیقی امور کے مسئولین کا بھی شکریہ اور اپنے اہل خاندان والد مرحوم، اور اپنے عزیز طالب علموں کیلئے بھی خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ ہم سب کو علوم اہل بیت ﷺ سیکھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کے نشر و ابلاغ کی توفیق میں ہمیشہ اضافہ فرماتا رہے۔

خداوند عالم جمہوری اسلامی ایران کے مخلص مسئولین خاص طور سے اسلامی انقلاب کے قائد حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کو طول عمر، صحت و سلامتی اور توفیق دے، تاکہ ہمارے مولا علی مرتضیٰ، نفس رسول اللہ امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے وضع کردہ نظام حکومت کی روشنی میں فرزند رسول اللہ حضرت بقیۃ اللہ (عج) کی عالمی حکومت کیلئے مقدمات فراہم کرنے میں پیش قدم رہیں، انشاء اللہ المستعان۔ آمین یا رب العالمین، بحق محمد وآلہ الطاہرین۔

وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

زاہد علی ہندی جلال پوری

شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ

سیاست کیا ہے؟

لفظ سیاست نہایت پیچیدہ مفہوم اور مشکل مطلب کا حامل ہے،

کیونکہ دنیا بھر میں ہر سماج کے لوگ، عالم، جاہل، عوام، خواص، دیندار، بے دین، دانا اور نادان سب اپنے اپنے طور پر سیاست کا جداگانہ مفہوم ذہنوں میں بیٹھائے ہوئے ہیں اور اسی کے مطابق اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال بھی کرتے رہتے ہیں، مثال کے طور پر ملک کی سیاست اچھی ہے، حکومت کی سیاست غلط ہے، سیاست بالکل صاف، شفاف اور روشن ہونا چاہئے۔ وہ تو فلاں کی سیاست کے زیر اثر ہے، فلاں کی سیاست دین و اخلاق اور اصول پر مبنی ہے، فلاں کی سیاست بے دینی اور گمراہی پر مبنی ہے۔

سیاسی مسائل میں پڑنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، سیاست کا مطلب محض جھوٹ ہے، سیاست یعنی عوام فریبی، سیاست یعنی حکومت، سیاست فقط مال و مقام کے استحصال کا ذریعہ، سیاست یعنی عزت و شہرت، سیاست یعنی دوسروں کے حقوق پر قبضہ جمانا، سیاست ایسا ہنر و فن ہے کہ جس سے لوگوں کو رام کر کے مملکت کو ادارہ کیا جاسکے،... ہم یہاں پر مختلف مکاتب فکر کے دانشمندوں کی تعریف و تشریح کو نقل کر کے مختلف زاویہ سے اس موضوع پر بحث کریں گے تاکہ قارئین کے اطمینان خاطر کا سبب بن سکے اور سیاست کے صحیح مفہوم کو معلوم کیا جاسکے جو ہر سماج کیلئے مفید اور قابل عمل ہو، خاص طور سے ہم کوشش کریں کہ عالمی پیمانے پر جو سیاست حاکم ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی، معنوی، انسانی اور فطری سیرت پر عمل ہو اور اگر انسان دین و دنیا کی سیاست میں رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بنیاد نہیں بنائے گا، تو اس کو راحت و سعادت اور کمال حاصل نہیں ہوگا۔

موضوع پر بحث کی وجہ

آج زمانہ میں جبکہ سیاست عام طور پر عوام الناس اور خاص طور سے پڑھے لکھے طبقے میں بین الاقوامی پیمانہ پر ایک خاص اہمیت کی حامل بن چکی ہے، دنیا کے دور و دراز ممالک کے انسانوں کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہو چکا ہے کہ گویا آپس میں ایک شہری زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ بہت سی حیاتی، مذہبی، حقوقی اور ملکی سیاسیات میں مشترک ہدف رکھتے ہیں۔ ان کا آپس میں جدانہ ہونے والا ایسا گہرا رابطہ ہو چکا ہے کہ جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔

ایسے مخلوط اور پیچیدہ ماحول میں جب کہ شرق و غرب کے مشرک، بے دین، صہیونی اسرائیلیوں کا بنیادی مقصد ہے کہ معارف اسلامی توحید، نبوت، خلافت، عدالت اور ولایت کا سچا اعتقاد رکھنے والے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے!

اس سے بڑھ کر ایک عالمی منصوبہ کے تحت پورا عالم ادارہ کرنے کی جو کوشش جاری ہے تاکہ دنیا کی بڑی قوموں میں اسلام کو کوئی حیثیت نہ دی جائے، ستم بالائے ستم کہ اسلام اور مسلمان کا ایسا مکروہ اور غیر متمدن چہرہ دکھایا جا رہا ہے تاکہ دوسری قومیں متنفر ہو جائیں، اسلامی عقائد میں شبہات پیدا کر کے اس کی اہمیت کو کم کیا جا رہا ہے، روئے زمین پر دینی اور الہی حکومت کے تصورات کی بیخ کنی کر دی جائے۔

آپ نے کبھی غور و فکر، تجزیہ و تحلیل کیا ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہو رہا ہے وہ کہاں تک درست ہے؟ ملاحظہ فرمائیں! امریکہ نے منصوبے کے مطابق ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو دنیا کے سب سے بڑے تجارتی ٹاور کو خود کش حملے سے تاراج کیا جس کے بعد عالمی پیمانہ پر مخالفین، بے دفاع مردوزن اور معصوم بچوں کو قتل کروایا جا رہا ہے۔ ٹاور واشنگٹن کے جوف شہر میں واقع تھا، جو امریکہ کی ایک ناقابل تسخیر قوت ہے، اتنی اہم تنصیبات جہاں

سیرت نبی ﷺ میں سیاست.....

پرندے پر نہیں مار سکتے تھے، سائنس اور جدید ٹکنالوجی سے لیٹ ٹاور پر حملہ ہونا دو حال سے خالی نہیں، (۱) ساری مشینری فعل ہو گئی تھی اور اس کا مطلب امریکہ جیسی یک قطبی سپر طاقت بھی قابل تسخیر ہے (۲) یا کہ سب منصوبے کے تحت ہوا ہے۔ جیسا کہ قرائن موجود ہیں کہ منصوبہ کے تحت سب کچھ انجام دیا گیا ہے۔

اس سانحہ کے فوراً بعد امریکہ کے صدر جارج بوش، برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیر اور ہمارے پردھان منتری بار بار معذرت خواہی کے طور پر یہ اعلان کر رہے تھے کہ یہ جنگ اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس اعلان کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی، وہ بات جو ”نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر“ (۱)

اس حادثہ کے فوراً بعد عالمی پیمانہ پر اپنے مخالفوں کو قتل کرنا اور بے دفاع مرد و زن اور بچوں پر حملہ کرنا، خاص خاص ملک و مسلک کے لوگوں پر ظلم و جارحیت کر کے ملکوں اور شہروں کو تاراج کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

”عالمی سطح کی سیاست پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ کئی اسلامی ممالک اپنے حق و انصاف اور آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں تو بڑی بڑی طاقتیں ان کی سرکوبی کے لئے مختلف قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ امریکہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ ابھرتی ہوئی مسلم طاقتوں کو پکلا جائے۔ وہ اس تاک میں ہے کہ کس طرح ان ملکوں پر دہشت گردی کی مذموم اصطلاح کی آڑ میں فسطائی طاقتیں مسلم مملکتوں کا استحصال کیا جائے...

”امریکہ نے گوریلا فوج اور اسامہ بن لادن کو سی. آئی. اے. کے ذریعہ بہترین تربیت دی تھی اور روس کے خلاف انھیں جدید اسلحہ سے لیٹ کیا اور ہر قسم کا تعاون فراہم کر کے جنگی کارروائی کا محاذ کھولا تھا... خاص کر مسلم ممالک اس دور سے گزر رہے ہیں، جہاں ان سے زندگی کا حق چھین لینے کی سعی جارہی ہے“ (۲)

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو عالمی پیمانے کا عظیم ٹاور منہدم کر دیا گیا تا کہ پوری دنیا کی توجہ کو اسلام کے خلاف مبذول کرا سکیں اور اس حادثہ کو سند بنائیں کہ اسلام تعصب، قتل و دہشت گردی کا دین ہے۔

۱۔ ڈاکٹر خاور ہاشمی: دنیا دہشت کے سائے میں، ص ۸۶۔

۲۔ محمد مرغوب عالم دہلی یونیورسٹی: دنیا دہشت گرد کے سائے میں، ص ۸۱-۸۲۔

﴿۱۷﴾

اسی مطلب کو لیکر کارن آرمسٹرانگ نے ”کتاب محمد“ رسول اکرم ﷺ کی سوانح حیات پر مشتمل کتاب لکھی ہے۔ مؤلف نے ۱۱ ستمبر کے ایک مہینہ بعد کتاب کا مقدمہ لکھا، وہ بڑا احساس وقت تھا، اسلام پر نکتہ چینی کرنے والوں نے قرآن سے متعلق ایسی آیت پر تکیہ کیا کہ اس میں جنگ و انتقام کی ترغیب دلائی گئی ہے اور افراطی جذبات کو تقویت دی گئی ہے۔ جبکہ

حضرت مسیح کو صلح طلب متعارف کرایا گیا، اگرچہ انجیل میں بہت سی آیتیں ہیں جس میں جنگ و جدال اور مقابلہ کی تشویق دلائی گئی ہے۔ ایک جگہ تو کہا میں صلح کیلئے نہیں بلکہ جنگ کیلئے آیا ہوں۔ کسی نے اس کا تذکرہ اس وقت نہیں کیا جب صربوں کے ہاتھوں بوسنیائی آٹھ ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ اس وقت کسی نے مسیحیت کو سرکش اور خطرناک نہیں کہا کیونکہ لوگوں کی معلومات دین کے بارے میں زیادہ نہ تھی اور کسی کی یہ مجال بھی نہ تھی۔

اب اہل غرب اسلام اور دین سے فہم و معلومات حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قرآن، اسلام سے متعلق کتابیں منجملہ مؤلف کارن آرمسٹرانگ کی کتاب امریکہ اور یورپ میں بہت زیادہ بک رہی ہیں جبکہ ۱۲ سال پہلے بہت کم لوگ مائل تھے اور اب لوگوں میں حضرت محمد ﷺ، قرآن اور اسلامی کتابوں کی معلومات کا اشتیاق بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ مزید لکھا کہ حضرت محمد کا قتل و دہشت کے سلسلہ میں ایسا کوئی نظریہ ہو، یہ بالکل درست نہیں ہے۔ آگے لکھا کہ جہادی نظریہ ایک ارتقا کا وسیلہ، ان کی پیغمبری کا ایک درجہ تھا... حضرت محمد ﷺ مرد جہاد تھے لیکن حقیقت میں ایک صلح طلب تھے کیونکہ صلح مکہ کے وقت اپنے قریبی دوست و اصحاب اور ان کی جانوں کو ضمانت کے طور پر دیدیا تھا تا کہ اتحاد اور میل جول بغیر کسی خونریزی کے انجام پاسکے۔

”حضرت محمد (ﷺ) قتل و خونریزی کے بجائے بحث و گفتگو اور صلح کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ جس کو سورہ فتح میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ بغیر خونریزی کے بہت بڑی فتح حاصل ہوئی“ (۱)

یہ سب مظالم ایسے وقت میں ڈھائے جا رہے ہیں جبکہ غریبوں کی افتخار آموڑ موکر اسی دم توڑ رہی ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ و کنار میں سلطنت طلب حاکموں کی آمریت، بربریت، سفاکیت اور قوموں کے حقوق کی غارتگری

فتنہ و فساد کا انکشاف بڑھتا جا رہا ہے۔ یہی ملک اپنی ڈموکراسی کے پرچم تلے کچھ بادشاہوں کی حفاظت، حمایت اور عوام الناس پر حکومت کرنے کیلئے ہر طرح کی مدد کر رہے ہیں۔ جبکہ وہ میڈل ایسٹ میں افغانستان، ایران، فلسطین اور عراق جیسی بے مثال جمہوریت کی مخالفت کر رہے ہیں اور انھیں کے پڑوسی ملکوں میں شاہی نظام کی حفاظت کر رہے ہیں، یہ ہے غریبوں کی منافقانہ اور دوغلی سیاست!

غریبوں نے افغانستان، عراق اور فلسطین میں انتخابات کروایا لیکن غرب کی نوکری کرنے والی جماعت کی ناکامی ہوئی تو آئے دن ان پر قاتلانہ حملہ کروایا جا رہا ہے جبکہ عراق، افغانستان اور فلسطین میں اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری انتخاب ہوا ہے اور انتخاب درست ہونے کی تائید بھی خود کی تھی، پھر بھی ان پر سارے مظالم کیوں؟

ایک بام دو ہوا؟

عراق امریکہ کا بڑا حامی ملک تھا، عراق کا صدر صدام امریکہ کا چھیتا تھا ”غریبوں نے صدر صدام حسین کے ذریعہ ۱۹۸۰ء میں شط العرب کے مسئلہ پر عراق ایران دونوں ملکوں کو لڑا دیا۔ ۱۹۹۰ء عراقی افواج نے ۲ اگست کو کویت پر حملہ کر دیا۔ ۶ اگست کو اقوام متحدہ کی جانب سے عراق پر اقتصادی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں“ (۱)

”ان پابندیوں کے بارے میں کیوں نہیں کچھ پوچھا گیا؟ جس کے نتیجے میں تقریباً پانچ لاکھ عراقی بچے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ۱۹۸۲ء میں لبنان پر اسرائیلی حملے کے نتیجے میں ۷۵۰۰ اشہری ہلاک ہو گئے۔ (۲۰۰۶ء میں اسرائیل نے اچانک لبنان پر حملہ کر دیا اور لاکھوں باشندوں کا قتل، ہزاروں گھروں کو تاراج کر دیا، آخر شکست کھانی پڑی) مشرق وسطیٰ میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کو نظر انداز کرنے پر ایک قوم و ملک کے خلاف تو کچھ نہیں کیا گیا مگر دوسروں کے ایسا کرنے پر فوری پابندیاں عائد کر دی گئیں“ (۲)

سالک دھام پوری کے بقول:

”روس نے اچانک ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر دیں اور دس سال

تک وہاں کے افغانی عوام کا قتل کرتا رہا، اس وقت یہی امریکہ محض اپنی سیاسی حکمت عملی کے طور پر روس کی مخالفت میں ان طالبان کو مجاہد کہا کرتا تھا اور یہ طالبان امریکہ ہی کے تربیت یافتہ ہیں“ (۱)

غریبوں نے شط العرب کے مسئلہ پر عراق کو جنگی ساز و سامان دیکر مسلح کیا؟

عابدہ سمیع کا جملہ: شط العرب کا مسئلہ چھڑا۔ آیۃ اللہ خمینی نے امریکہ کو سب سے بڑے شیطان کا خطاب دیا، ایران کے مقابلے پر عراق کو جنگی ساز و سامان سے کس نے لیٹ کیا؟ امریکہ! نے کیا ہے۔

”عراق یورپی تسلیحات کی منڈی بن گیا۔ یہاں ایک بار پھر ملاحظہ ہو جمہوریت اور مطلق العنانیت کا سنگم، صدام حسین کی آمریت کے اجزائے ترکیبی اس وقت بھی وہی تھے جن کا آج امریکا بدترین دشمن ہے“ (۲)

صدر صدام جیسے مطلق العنان کی غرب نے خوب حوصلہ افزائی کی اور بلا قید و شرط بڑھاوا دیتے رہے۔

اخبار بلوئیک: ”ہٹ ولک کے بقول“

”اہل مغرب نے صدام کو پیدا کیا“

”رابرٹ فیسک“ (انگریزی خبرنگار) وہ ہم (اہل مغرب) تھے کہ صدام کو ایک فرانکشنائین (ہیولائی ساختہ بشر) کی صورت میں بنا رکھا تھا، کہتا ہے: ”صدام کی پھانسی کا حکم غریبوں کی دوغلی سیاست ہے“

”امریکہ، انگلینڈ اور فرانس کو (صدام کی پھانسی کے حکم پر) شرم و حیا کرنی چاہئے“ (۳)

خود عراق کے بیدار، متدین لوگوں کی نسل کشی کر داتے رہے۔ چنداں ہزار بڑے پایہ کے دانشوروں، بے مثال دانشمند، آیۃ اللہ شہید محمد باقر صدر جیسے نابغہ زمانہ جن کی علمیت کا کوئی جواب نہ تھا، جن کی فیلاسفی سے غرب حیراں و انگشت بدنداں تھے، ایسے فقیہ نامدار کو صدام نے غریبوں کی خوشنودی کیلئے شہید کر دیا، آپ کی بہن شہیدہ بنت الہدیٰ کی بھی بے حرمتی کر کے شہید کیا گیا۔ آیۃ اللہ محسن حکیم جیسے بڑے پایہ کے مرجع تقلید اور ان کے پورے علمی خاندان کو سفاکانہ قتل کر دیا گیا۔ امریکہ عراق میں امن بحال کرنے، لوگوں کو ان کے حقوق دلانے آیا تھا لیکن

۱۔ سالک دھام پوری: دنیا دہشت گرد کے سائے میں، ص ۲۸۶-۲۸۷

۲۔ عابدہ سمیع: دنیا دہشت گرد کے سائے میں، ص ۱۳۔ (بعد میں ضمیمہ کیا)

۳۔ اخبار: ک یہاں صفحہ اول، بروز چہار شنبہ ۷ آبان۔

چند سال ہو گئے اہل عراق کا قتل و غارت، پورے پورے خاندانوں کی رسوائی، گھروں کی تاراجی، شہروں کی بربادی، لوگوں میں تفرقہ اندازی، مساجد و مقدس مقامات کا انہدام اور بہت سے غیر انسانی سلوک، جس کو دنیا نے مشاہدہ کیا۔ جو کوئی بھی غیرت مند، دیندار اور شریف معاشرہ تحمل نہیں کر پائے گا۔ جو لوگ گذر چکے ان کی باتیں جدا جو زندہ ہیں انھیں عزیزوں کا غم فراق دن بہ دن زندہ رہ کر مردہ بنائے ہوئے ہے، جن بچوں نے والدین کو نہیں دیکھا ہے، ان کے انتظار میں آنکھیں پتھرا گئیں ہیں، اب صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ کہتے ہیں:

اس درجہ مصائب کے جہنم میں جلا ہوں اب کوئی بھی موسم ہو پسینہ نہیں آتا

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہی نکلا کہ معاملہ اصول اور قانون کا نہیں مفاد کا ہے، دین و دنیا کے سرمائے کی لوٹ مار ہو رہی ہے۔ کیا ایسے حالات میں تمام لوگوں کو نہیں چاہئے کہ وہ اپنے گرد و نواح اور کوائف کے حالات کی اطلاع رکھیں، ہر شہری کو پتہ رہے کہ ملک کے حکمران، سیاست دان، ملک کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟

انگریزوں کی مغرضانہ سیاست کا سابقہ

اپنے اس قدر تمند اور وسیع ملک ہندوستان کو دیکھ لیجئے، فرنگیوں نے دیکھا بہت جلد ایک بڑی طاقت بن جائے گا، اپنی دوغلی سیاست کے جال بچھانے لگے۔ وہ تو کہنے ملک کے باشندوں نے سمجھ لیا کہ ہماری حیثیت کو غیر ملکی طاقتیں برباد کر رہی ہیں لہذا جب انگریزوں کو یقین ہو گیا کہ سرزمین ہندوستان سے عنقریب جما ہوا پیرا کھڑ جائے گا پھر تو ایک دیر پا منصوبہ بنایا اور اپنی سازش کے تحت آزادی سے پہلے ہی وسیع و عریض ملک ہندوستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی بنیاد ڈال دی گئی۔ نتیجہ سامنے ہے! ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش جنہیں ایک ملک ہونا چاہئے تھا مگر اب نہیں ہے اور صرف یہ کہ اس سے ہندوستان کی طاقت منتشر ہو گئی وہ تین ٹکڑوں میں بٹ گیا بلکہ مذہب علاقے اور زبان کے تعصب نے آپسی اختلافات کو اس درجہ بڑھایا کہ گذشتہ تقریباً ۶۰ برس ہندوستان پاکستان کے درمیان نفرت کے سائے میں گزرے۔

”ہمارا وہ سرمایہ اور انسانی نفوس جو ہماری ترقی کا باعث بن سکتی تھیں پستی اور کمزوری کا سامان بن گئیں،

نفرتوں کا سلسلہ آج بھی روتا رہتا ہے، ختم نہیں ہوا۔ کشمیر، بلوچستان، سندھ،

آج اس تعصب کی بنیاد پر ایک وسیع قبرستان میں بدلتا جا رہا ہے۔ گولیوں کی آوازیں اور زندہ انسانوں کی چیخیں اس زمین پر رہنے والوں کا مقدر بن گئی ہیں“ (۱)

سامراج نے ملکوں میں طبقاتی نظام قائم کر کے لوگوں کا اقتصادی بائیکاٹ تو نہیں کر دینا چاہتا ہے، یہ لوگ بڑے بڑے ایگری مینٹ سے اپنی جھولیاں بھر رہے ہیں، آزادی کے نام پر دینی عقائد کو سلب کیا جا رہا ہے لوگوں کے حقوق پامال کئے جا رہے ہیں، ملک کا بیشتر سرمایہ ایک خاص طبقہ کے قبضہ میں ہے۔

اسلامی ریاستوں پر قبضہ اور اسلامی مملکت کے دنیا پرست سربراہ، کرسی اقتدار سے چپکے رہنے کی خاطر اپنے ملک میں بھی استعمار کے نفوذ کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں اس وجہ سے لوگوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہر میدان میں حاضر ہوں تاکہ دشمن وطن، خائن ملک و ملت خیانت نہ کر سکیں، ملک اور قوم کے وقار، آزادی اور ذخائر کے دیگر منابع کی سودہ بازی نہ کر سکیں۔ کیا نہیں دیکھا کہ حریت، سکولرزم اور جمہوریت کے خوشنما فریب آور نعروں نے ملک اور قوم کو کس تباہی تک پہنچا دیا ہے، کس بہانے سے قوموں میں نفوذ کر کے ان کی حیثیت کو تباہ و برباد کیا ہے۔ استعمار کی اس شاطرانہ، منافقانہ سیاست کی قرآن حکیم نے کیا خوب وضاحت کی ہے:

﴿وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ لَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾ (۲)

جب ان اہل فتنہ و فساد سے کہا جاتا ہے کہ زمین (دنیا کے مختلف ملکوں، شہروں) میں فساد مت پھیلاؤ، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔

صدام تو برا تھا ہی لیکن امریکہ لوگوں کو نجات دینے آیا تھا اور جو ہوا وہ دنیا دیکھ رہی ہے چالیس لاکھ کے قریب عراقی بے وطن ہو گئے، جس دن سے یہ متحدہ افواج عراق میں داخل ہوئی ہیں ہر دن قتل، غارت، فتنہ، فساد ویرانی... دشمن کا جدید فتنہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں سے پیغمبر اعظم ﷺ جیسی شخصیت اور قرآن جیسی معجز نما کتاب کو چھین لے اور اسلامی سیاست کو بدل ڈالیں، جس طرح خود اپنی دینی اور روحانی حیثیت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، مسلمانوں کو بھی تہی دست بنانا چاہتے ہیں۔ اسی مقصد کی تکمیل میں سلمان رشدی سے شیطانی آیات جیسی کتاب

﴿۲۲﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

لکھوائی گئی اور رسول اعظم ﷺ کی شخصیت کی اہانت بھی اسی طرح کی سازش تھی۔

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ (۱)

جب کافر آپ کی نسبت یہ مکر و تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو جلا وطن کر دیں، وہ تو اپنی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور وہ سب سے اچھی تدبیر کرنے والا ہے۔

یہ اس وقت کا بیان ہے جب رؤسائے مکہ نے ایک رات دارالندوہ میں سازش رچی اور طے کیا کہ مختلف قبیلوں کے جوان ملکر آنحضرت کو قتل کر دیں تاکہ ہم میں سے کسی کو ان کے بدلے قتل نہ کیا جائے، فقط دیت دیکر جان چھوٹ جائے، اس کے بعد آنحضرت کو راتوں رات محاصرہ میں لیا، لیکن امام علیؑ کے ایثار سے رسول ﷺ بچ گئے۔

امریکہ اپنے مظالم بھول گیا

”کے عنوان سے ”نوم چومسکی“ لکھتے ہیں کہ ۱۱ ستمبر کو امریکی شہروں پر کئے جانے والے حملوں کو انتہائی سنگین مظالم کا نام دیا جاسکتا ہے، اگرچہ متاثرہ افراد کی تعداد کے اعتبار سے یہ دیگر واقعات کی سطح تک نہیں پہنچتے۔ مثال کے طور پر کلنٹن کے عہد صدارت کے دوران سوڈان پر کی جانے والی بمباری، جس کے نتیجے میں نہ صرف اس کی ادویا جات نصف سے زائد مقدار میں تباہ ہو گئی بلکہ سیکڑوں ہزاروں افراد لقمہ اجل بن گئے تھے، جن کی تعداد آج تک معلوم نہ ہو سکی، وجہ یہ ہوئی کہ امریکہ نے اقوام متحدہ کی جانب سے کسی بھی تحقیقات پر پابندی عائد کر دی تھی چنانچہ کسی کو بھی اس میں دلچسپی نہیں رہی“ (۲)

اسلام دہشت گردی روکتا ہے

اسلامی ادب میں ایک لفظ کلمہ ”فتک“ غفلت سے قتل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فقہ اسلامی میں اس کا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ بے گناہ انسان کو قتل کرنا، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے روایت نقل ہے:

۱۔ سورہ انفال، آیت ۳۰۔ حاشیہ قرآن کریم، ترجمہ و تفسیر، آل سعود ص ۲۸۔

﴿الاسلامُ قَيْدُ الْفَتَكِ﴾ (۱)

اسلام نے مکرو فریب اور غفلت سے قتل کرنے کو منع کیا ہے۔

ہر فرقہ و مذہب میں ہر جگہ بے گناہ قتل کرنا حرام ہے، سوائے جو کسی جرم کا مرتکب ہو اور دلیل سے اس کا جرم ثابت ہو جائے۔ عبید اللہ ابن زیاد جب کوفہ میں جناب ہانی بن عروہ کی مزاج پرسی کیلئے آپ کے گھر آیا تو جناب ہانی نے حضرت مسلم بن عقیل سے کہا کہ ابن زیاد جو دشمن اہل بیت ہے اور آپ کو قتل کرنے کے درپے ہے، موقع غنیمت ہے، اس کو قتل کر دیجئے۔ فرمایا کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہے، اگرچہ وہ ایک حیلہ کے تحت آیا ہے۔ جب اسلام اپنے دشمن کو دھوکے سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو پھر محاربہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ غریبوں نے ٹرورزم کے نام پر محاربہ اور مبارزہ شروع کیا ہے، لگتا ہے کہ اسلام اور مسلمان ہی ٹرورزم کے مترادف ہیں۔ یہ اسلام کے خلاف سازش رچی گئی ہے، واقعیت کو چھپاتے ہیں، جھوٹا الزام لگا کر اسلام پر لوگوں کو تحریک کرتے ہیں ٹرورزم کا ایک عالمی مسئلہ بنا کر مختلف ملکوں پر حملہ، خونریزی اور سرکشی کرنے سے پہلے ضروری تھا کہ اہل غرب ٹرورزم کا مفہوم عربی، غربی اور اسلامی ادبیات میں معلوم کر لیتے پھر کوئی عاقلانہ قدم اٹھاتے۔

ڈیویڈ آرون شوارٹز نے اپنے مقالہ ”عالمی ٹرورزم اور اسلامی حقوق“ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

”جو نیا مسئلہ ابھرا ہوا ہے، اسے غریبوں کو ادبیات کے ایک معنی میں منحصر نہیں کرنا چاہئے۔ غرب پہلے مکمل تحقیق کرے، اسلامی حقوق کا کیا نظریہ پیش کیا گیا ہے تاکہ نتیجہ میں عالمی ٹرورزم پر کنٹرول ہو، شریعت اسلام نے ٹرورزم اور خشونت کا کیا مفہوم لیا ہے اور اس کا کیا جواب دیا ہے“ (۲)

”یہ جمہوریت اور دہشت گردی کے مابین جنگ نہیں ہے، اصل میں اس کا سلسلہ بہت دراز ہے۔ اس میں وہ امریکی میزائل بھی شامل ہیں جنہوں نے فلسطینیوں کے گھروں کو تباہ کیا ہے، وہ امریکی ہیلی کاپٹر جنہوں نے ۱۹۹۶ء میں لبنانی ایسبولینس پر میزائل فائر کئے اور امریکی شیل جنہوں نے ”قانا“ نامی گاؤں کو تباہ کر دیا اور لبنانی

۱۔ محمدی ری شہری: منتخب میزان الحکمة، ج ۹ ص ۴۵۰۸، ص ۴۵۰۹۔

۲۔ سیاست خارجی: سال ہفتم ۱۳۷۲، شمارہ ۲ و ۳، ص ۳۳۰۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

ملیشیا پر امریکہ نوازا اسرائیلیوں کے حملے جس کے نتیجے میں کیمپوں میں پناہ گزین ہلاک ہوئے، (۱) لبنان کے جنوبی علاقہ پر کئی دنوں تک اسرائیلی بمباری اور وحشیانہ قتل کا راز بھی شامل ہے۔

غریبوں کے جنگی عزائم

گذشتہ صدی سے سامراج کی عیارانہ، حاسدانہ، شاطرانہ اور متعصبانہ قسم کی سیاست کو دنیا نے دیکھ لیا کہ اصلاح کا ڈھنڈھورا پیٹ کر اسلامی ملکوں میں براہ راست مداخلت کر کے اعلان جنگ کر دیا اور چند دنوں میں اس ملک و ملت کی حیثیت، نظم اور امنیت کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اپنی غلط سیاست کا بھرم رکھنے کیلئے انتخاب کروانا پڑا لیکن جب نئی حکومت نے اپنے تہذیب و تمدن کے مطابق چارج سنبھال کر کام کرنا شروع کیا جب بھی غریبوں کو نہ بھایا اور اس نئی حکومت کو گرانے کے لئے بغاوت، قتل و غارتگری پھیلانا شروع کر دیا۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ افغانستان میں کیا کم تباہی مچائی تھی، لاکھوں انسانوں کا بہیمانہ قتل اور ان کے گھروں کو ٹینکوں اور میزائلوں سے تاراج کر دیا گیا۔ عراق میں غیر قانونی حملہ ہوا، جن ناجائز اسلحوں کے بہانے حملہ کیا تھا وہ تو مل نہ سکا اور جو کچھ دستیاب بھی ہوا وہ خود انھیں کا ساختہ اور پرداختہ تھا۔

جب مسلسل جرم و ظلم اور بہیمانہ سفاکیت سے منہ کالا کر لیا، مزید نہاں جرم عیاں ہوا تو مفروضہ دہشت گردوں کی تلاش و جستجو کے بہانے اعلان جنگ کر دیا گیا ہے۔

وہ دہشت گرد بھی انھیں کے گماشتہ اجیٹ ہیں، خیر اب تو دنیا پر واضح ہو گیا ہے کہ یہ سب ڈرامائی بازیگری کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ واقعا اگر یہ سچے ہوتے تو کیا ان کے ملکوں میں آئے دن بغاوت، شورش اور ملکی سیاست کے خلاف لوگ احتجاج نہیں کرتے؟ روزانہ کتنے جرائم ہوتے رہتے ہیں، ان کے خلاف کتنی بغاوت ہوتی ہے، آخر اپنے ملکوں کے جرائم کو کیوں نہیں روکتے؟ معلوم ہوا کہ ”پس پشت مقصد کچھ اور ہی ہے“

منجملہ اسلامی ممالک خاص طور سے میڈیل ایسٹ پر قبضہ جما کر مالی اور معنوی قدرت پر قبضہ جمانا ہے۔ ساتھ ہی اپنے ناجائز اسلحوں کی فروخت، ایران و سوریه پر حملہ کی دھمکی اور اس کے علاوہ اپنے دشمنوں کو ایک

نہ ایک بہانے سے ختم کرنا، دہشت گردی کے بہانے سے ملکوں کا استحصال کرنا، شہروں اور مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنا، عورتوں کی عزت ریزی، ابو غریب اور گوانتانامو جیسے قید خانوں میں وحشیانہ درندوں کی طرح قیدیوں کو ضرب و شتم کرنا اور سب سے وحشت ناک انسانی عزت و کرامت کا مسخرہ اڑانا، جسکو کوئی غیرت مند شریف انسان برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ دنیا نے بوسنیا کے مسلمانوں پر صربوں کا کون سا ظلم و ستم سفاکیت قتل اور غارت گری نہیں دیکھی تھی؟ غرب کو کم از کم اپنی ڈموکراسی اور حقوق بشر کا بھرم رکھنے کیلئے صربوں کو محکوم کرنا چاہئے تھا!

آئے دن فلسطین کے شہروں پر طیاروں اور میزائلوں سے حملہ کر کے پورا پورا شہر ویرانے اور خرابے میں بدل دیا ہے، حقوق بشر کا نعرہ لگانے والے اسرائیل کی ہر ممکن حمایت کر رہے ہیں، ستم بالائے ستم یہی فلسطینی اپنے جائز حق کا مطالبہ کرتے ہیں تو ٹینکوں، میزائلوں اور ہوائی حملوں سے ان کو تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے، ان کے رہبروں کو کھلم کھلا چن چن کے قتل کر دیا جاتا ہے۔ بربریت، دہشت، قتل و غارت، ویرانی، تباہی، عزت ریزی خونخواری اور درندگی اسرائیل اور اس کے ہمنواؤں کی طبیعت کا جزء بن گیا ہے۔ یہ اہل غرب کی مختصر منفور سیاست کے جرائم ہیں جسے دنیا سا لہا سال سے دیکھتی چلی آرہی ہے۔

ان کے جانکاہ مظالم نے اہل حق و انصاف کو گریہ کننا کر دیا ہے، لگتا ہے غریبوں کی یہی تہذیب و ثقافت ہے جو آئے دن ایک نہ ایک قوم پر یہ افتاد پڑ رہی ہے اور عربی ملکوں کے حکمران بھی سیاسی اور حکومتی بندھن میں اسیر اپنے آقاؤں کی گستاخیوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔

حقوق کی دستیابی

جہاں تک سیاست اہل علم، ہنر اور ماہرین سے مخصوص ہے وہیں پر سارے لوگوں کو چاہئے کہ اپنے حقوق کی دستیابی ملک کی آزادی اور استقلال کے لئے متعلقہ تمام معلومات کی جانکاری رکھیں۔ کب ان پر ظالم درندوں کی جانب سے کوئی افتاد آ پڑے، کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مرقی مغرب کی نظر میں انسانیت کا کوئی پاس و لحاظ اور اہمیت نہیں ہے، یہ دنیا جاہ طلبی، ملک گیری اور دنیا داری کے اسباب کی دستیابی میں لگے ہوئے ہیں، جسے وہ ہر ممکن طریقہ سے حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔ اگرچہ قدرت، آمریت کے بل بوتے پر کیوں نہ ہو، آپ ملاحظہ فرمائیں:

۱۹ مارچ کو اسرائیلی وزیراعظم شیرون نے ایک اخباری بیان میں کہا:

”ہر جگہ طاقت کا استعمال امریکہ اور اسرائیل کی مشترکہ پالیسی ہے“ (۱) ملاحظہ فرمائیں کیا مسلمانوں کو دیگر ممالک کی طرح علمی ٹیکنالوجی اور نیوکلیئر (nuclear) انرژی میں خود کفیل نہیں ہونا چاہئے؟

عالم گیر مظاہرے

”فروری ۲۰۰۳ء کے دوران پوری دنیا میں امریکہ کے جنگی عزائم کے خلاف ہر ملک میں جو احتجاجی مظاہرے ہو رہے تھے، وہ ۱۵ فروری کو اپنے عروج پر پہنچ گئے۔ تاریخ انسانیت میں جنگ کے خلاف اتنا بڑا عالم گیر مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا جس میں ہر مذہب و نسل کے لوگوں نے سینکڑوں شہروں میں سوا کروڑ سے زائد افراد نے امریکہ کے جنگی عزائم کے خلاف امن کے حق میں اجتماعی آواز بلند کی، مظاہروں کا سلسلہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے شروع ہو کر امریکہ تک پھیل گیا۔ لندن میں ۲۰ لاکھ، برلن میں ۵ لاکھ، پیرس میں ساڑھے تین لاکھ، دمشق میں دو لاکھ، ڈبلن میں ایک لاکھ، میڈرڈ میں ۲۰ لاکھ، اٹلی میں ۳۰ لاکھ افراد نے زبردست مظاہرے کئے، جن کو تاریخ نے سب سے بڑا مظاہرہ قرار دیا ہے“ (۲)

خود غرضی کی انتہا

غریبوں کی خود غرضی اتنی بڑھ گئی کہ اپنے مفاد کے آگے انھیں کچھ نہیں دکھائی دیتا ہے۔ دنیا کے دیگر ممالک لاکھ احتجاج اور استغاثہ بلند کرتے رہیں، لیکن اہل غرب کو غیر از خود کوئی انسان ہی نہیں نظر آتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ پرندوں کی انفلوئنزا (Bird Flue) جیسی بیماری سے دنیا بھر میں ۱۰۰ لوگ بھی نہیں مرے ہوں گے لیکن اس واقعہ سے اہل مغرب بلبلا اٹھے، دنیا بھر میں داویلا مچایا اور بڑی ہمدردیاں جتائی لیکن فلسطین، افغانستان، لبنان اور عراق میں لاکھوں، کروڑوں بے گناہ بوڑھے، بچوں کے قتل پر ان کے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی۔

۱۔ حافظ عاکف سعید، عراق سرزمین انبیاء، ص ۱۹۳۔

۲۔ حافظ عاکف سعید، عراق: سرزمین انبیاء، ص ۱۹۱۔

﴿۲۷﴾

اس غلط سیاست میں کچھ ملکوں کی حکمران جماعت اپنی دیرینہ کدورت و عداوت اور حرص حکومت کے باعث شریک جرم رہی ہیں اور اسلام و مسلمان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے منصوبہ میں برابر کے شریک رہے۔

ان میں خاص طور سے میڈیل ایسٹ کی زرخیز زمین جو مادی اور معنوی سرمایہ سے مالا مال ہے، ان اموال پر قبضہ جمانا اور یہاں کے لوگ جو مکتب اہل بیتؑ کی پیروی کرنے والے، ان کی محبت، اطاعت اور ولایت کی دولت ایمان چھین لینا چاہتے ہیں۔ انھیں پتہ نہیں قتل و غارتگری سے یہ دولت نہیں چھین سکیں گے کیونکہ یہ ان کی سرشت میں رچ بس گئی ہے۔ دشمنوں سے اس کے تحفظ کا واحد راستہ پیغمبر اعظم ﷺ کی سیرت پر عمل کرنا ہے، اور آنحضرت کے اہلبیتؑ سے محبت، ان کی اطاعت اور خاص طور سے امام حسین - اور شہداء کربلا کے راستہ کی سچی پیروی کرنا ہے۔ جس کے لئے ہمیں رسول اکرم ﷺ کی ان سیاسی سیرت کا مطالعہ کرنا ہوگا جس کے تحت رسول اللہ ﷺ نے (جبکہ پورا کفر و شرک اور نفاق کا مشترکہ محاذ مخالفت کر رہا تھا) اسلام کے آئین کو معاشرہ میں نافذ کیا اور لوگوں نے جان کی بازی لگا کر اس کا استقبال کیا۔

صہیونزم کے عزائم

مذکورہ باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ دشمن کی نظر میں بین الاقوامی اور عالمی منشور کی کوئی اہمیت نہیں ہے، بلکہ وہ جو چاہیں کر سکتے اور کر بھی رہے ہیں، افغانستان کی طرح عراق پر حملہ کرنے کیلئے اقوام متحدہ کے منشور کی اجازت کو بھی ضروری نہیں سمجھا اور جرائم و مظالم ان کا مشغلہ بن چکا ہے۔

صہیونزم نے ہمیشہ عالم اسلام کو تقسیم اور تنازع میں ڈالنے کی کوشش کی ہے تاکہ مسلمان آپس میں دست و گریباں رہیں اور ان کی قدرت گھٹتی رہے۔

جب بھی عالم اسلام کو متحد دیکھتے ہیں ان کی روح کانپ جاتی ہے۔ رسول اعظم ﷺ کی اہانت کا مسئلہ سامنے آیا، دیکھا عالم اسلام کے جذبات بھڑک گئے، سب متحد ہو گئے ہیں تو فوراً سامرہ میں دو امام کے حرم مطہر کو منہدم کر دیا کیونکہ اس شہر کے باشندے زیادہ سنی ہیں اور پورے شہر پر غریبوں کا کنٹرول تھا، لہذا چاہا کہ شیعہ سنی مسلمانوں کو آپس میں لڑادیں اور اہانت رسول اعظم ﷺ سے جو یہودیت کا مسلمانوں کے اتحاد سے نقصان

سیرت نبی ﷺ میں سیاست.....

پہنچنے والا ہے، مسلمانوں کے اس جوش و خروش اور انتقامی جذبہ کو کم کر دے گا۔

ایران سے غریبوں کا غم و غصہ

یقیناً ہزاروں سال سے اسلام مخالف منصوبہ بناتے اور اس سے فائدہ اٹھاتے آئے ہیں، ان کا مقصد پوری دنیا پر اپنے منہ مضبوط گاڑ کر ایک عالمی حکومت بنانا ہے۔ انھیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ کام صرف اسلام انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ قرآن نے اس کا دعویٰ بھی کیا ہے، اسلئے کفار، مشرکین اور منافقین ہمیشہ رکاوٹیں پیدا کرتے رہے ہیں، آج بھی اسلامی قدرت کا ایک نمونہ دیکھا، انقلاب ایران نے ”ولایت فقیہ“ کی نظارت میں اسلامی حکومت ادارہ کر کے واضح کر دیا کہ ایک چھوٹے سے ملک میں اتحاد و انجام پیدا ہو جائے تو سامراجی بڑی بڑی طاقتیں خود بدم رہ جاتی ہیں۔ انھوں نے درک کیا کہ یہی آئیڈیالوجی پورے عالم پر حاکم ہو رہی ہے کیونکہ تین دہائی سے ایران کی حکومت ”ولی فقیہ“ کی نظارت میں شش جہتی ارتقائی مرحلوں سے بحسن و خوبی گذر رہی ہے، دوسری طرف غرب کی حکومتیں دم توڑتی دکھائی دے رہی ہیں، ان سب سے غریبوں کی حیرت اور حساسیت بڑھتی جا رہی ہے۔ پڑوسی ملک افغانستان و عراق میں امنیت بحال نہیں ہونے دیتے کیونکہ وہ مالک بھی اسی آئیڈیالوجی سے ملحق ہو جائیں گے۔ دوسری وجہ ایران نے اسرائیل کی غیر اصولی باتوں پر گفتگو کرنے کی عالمی برادری کو دعوت دی، جس بنیاد پر اسرائیل وجود میں آیا ہے، یہ تو دنیا جانتی ہے صہیونیزم ”ہولوکاسٹ“ کے جھوٹے عزائم کے ذریعہ ایک حکومت بنانے کا منصوبہ تھا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

ایرانی صدر ڈاکٹر محمود احمدی نژاد نے ”ہولوکاسٹ“ کی تاریخی حیثیت پر دانشوروں کو آزاد تحقیق کرنے کا مطالبہ کیا تو (چونکہ اس سے اسرائیل کے ناجائز وجود کا مخفی، سیکریٹ راز عیاں ہو رہا تھا، اس وجہ سے) سارے متحدہ محاذ جو اسرائیل کو تحفظ فراہم کرنے والے ہیں، واویلا مچا دیا۔

اسلامی معاشرہ کے ارتقا، قرآنی معروفات اور منہیات، جہاد، استقلال، حکومت جیسی تعلیمات کو غرب مٹانے پر تلے ہیں اور اسلامی جمہوری ایران سب کو فروغ دینا چاہتا ہے، جس کی افادیت سارے اسلامی ملکوں تک پہنچ رہی ہے۔ اس کی اگر حکمران جماعت نہیں تو لوگ بہر حال تاسی کر رہے ہیں۔ چونکہ اہل غرب اپنے

خود ساختہ نظام سے تھک چکے ہیں وہ بھی اسلام کی طرف مائل ہیں اور تہذیب و ثقافت میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

یک قطبی (Uni polar) سپر طاقت

جب سیکمیونسٹ (Communist) کا اتحادی جما ہیر منقسم ہوا ہے اس کی طاقت کم ہوگئی۔ اسی وقت سے دنیا کی کپٹلزم (Capitalism) جیسی اکلوتی سپر طاقت یک قطبی طاقت بن گئی پھر کیا تھا، کمزور ملکوں کا کیا ذکر ہے کرہ شمالی سے لیکر دنیا بھر کے گوشہ و کنار خاص طور سے میڈل ایسٹ کے ممالک امان میں نہ رہے، روز بروز مظالم کی افزائش ہوتی جا رہی ہے۔ افغانستان کی مظلومیت کا نہ پوچھئے، یوں تو مسلسل دنیا کی سپر طاقتوں نے ملکر اس ملک کا خون چوسا لیکن امریکہ نے اس سرزمین کو مسلمان کشی کیلئے محاذ بنانے کی خاطر قبضہ جمایا اور اب ایسی ایسی مصیبت افغانستان پر تھوپی جا رہی ہے جس کا کوئی دفاع کرنے والا نہیں ہے۔

پہلے امریکہ کا حریف کمیونسٹ تھا، قدرے سکون اور امن تھا کیونکہ دونوں طرف کے ایجنٹ ملک میں موجود اپنے اپنے مفاد حاصل کرنے میں ایک دوسرے پر چھینا جھپٹی میں مصروف تھے، ایک طرف سے غرب کے نمائندے نجیب اللہ ربانی پر سبقت لے جانا چاہتے تھے دوسری طرف اس کے برعکس، آخر کار حکومت گر گئی۔ جرم کیا تھا اعلان کر دیا تھا کہ افغانستان کی حکومت اسلامی اور اس کے پرچم کا آرم خدا اور اسلام ہوگا۔

اس موقع پر غریبوں نے چال چلی اور جیسا کہ سامراج اکثر ممالک میں ایک متحرک ڈھڑے کو سپوٹ دیکر اپنے مفاد کو کسی بھی ظلم و بربریت کے باوجود حاصل کرتا ہے، افغانستان میں طالبان جیسی شدت پسند پارٹی بنا کر انھیں ہر طرح کے مادی امکانات اور اسلحہ فراہم کیا، انھیں کے ذریعہ سے ربانی کی حکومت کو گرایا گیا۔ شاہ احمد مسعود جیسے چوٹی کے سنی سنجیدہ لیڈر کو دھوکہ سے قتل کیا، شیعہ کشی ہوئی، بامیان و مزار شریف کی شیعہ طاقت کافی کمزور کی گئی، ان سب کے باوجود طالبان (جو امریکہ کی تربیت یافتہ تنظیم ہے) نے امریکہ کے مفاد کیلئے کیا کچھ نہیں کیا تھا، لیکن جب حکومت بنائی، کچھ استقلال و حریت کا مظاہرہ کیا، اسلامی احکام کو نافذ کرنا چاہا، جو امریکہ کے حق میں مناسب نہ تھا، تو بڑی بے رحمی سے ان کے ٹھکانوں پر حملہ کر کے انھیں کچل ڈالا اور ابھی اسی فکر میں ہیں کہ آئندہ حکومت ظاہر خان جیسی شخصیت کی ہو، کس کی ہو؟ جس پر مکمل اعتماد ہو، یعنی جن کے ذریعہ سے استحصال ممکن ہو۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست.....

بالکل یہی حال عراق اور فلسطین کا ہوا، انتخاب کا بہانہ کیا، انتخابات صحیح سالم اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوا، حکومت بن گئی، حکمراں جماعت انتخاب کے ذریعہ عمل میں آئی اور انتخابی حکومت کام کرنے لگی، دیکھا مسلمان بیدار ہیں، منتخب حکومت مستقل کام کرنا چاہتی ہے، خود اپنی بنائی حکومت کو کام نہیں کرنے دیا بلکہ حکومتی کارکنوں، مجلس کے نمائندوں اور پارٹی رہبروں کو چن چن کر اسرائیلی اسیر کرنے لگے۔ شہروں پر جارحانہ بمباری کر کے تباہ کیا جانے لگا۔ ہر بہانے سے قتل و خونریزی اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلا یا گیا۔ کئی مقامات پر غربی فوج اور جاسوس پکڑے گئے روز بروز ان کی سیاست سے لوگ واقف ہوتے گئے تو خود میدان میں اتر آئے جس کے سامنے دشمن گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو رہا ہے لیکن اس کے بدلہ میں بہت زیادہ انسان قربانیوں کا خراج ادا کرنا پڑ رہا ہے عزیز برنی: امریکہ کی دنیا میں مسلسل بربریت اور سفاکیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”افغانستان اور عراق کی تباہی کا معاملہ ہو یا ایران، شام، لبنان پر منڈلاتے خطرے کے بادل، سوویت یونین کا بکھراؤ ہو یا ہندوستان کی تقسیم، اصل ایشو صرف ایک ہے کہ دنیا کی سپر پاور رہنا ہے اور باقی سب کو صفر پاؤں رہنا ہے“ (۱)

اس پورے خطہ میڈل ایسٹ پر قبضہ جمانے کے حوالے سے امریکی صدر بش نے بیان میں کہا ہے:

”عراق کو دوسرا اسرائیل بنانا ہے“

غریبوں کا بار بار اعلان کہ اس پورے خطہ کا نقشہ بدلنا ہے، جس سیاست کو کئی سالوں سے نافذ کر رہے ہیں۔ اسی سلسلہ کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پہلے ہی سے دینی آثار کو مٹایا جا رہا ہے، ضعیف اعتقاد رکھنے والے مسلمانوں کو خرید کر اسلامی سربراہوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ نام نہاد مسلمان بقول امام خمینی کے اسلام امریکی کے اجینٹوں کو حکومت و منصب دیکر انسان کشی کی جا رہی ہے۔ اسلامی مملکتوں کے سربراہ جو غریبوں کی منفعت کیلئے بیٹھائے گئے ہیں، فلسطینی عراقی افغانی اور لبنانی مظلوموں کے جو خون بہائے جا رہے ہیں، یہ سارے حکمراں ضامن اور جواب دہ ہیں، یقیناً یہ سب اسرائیلی امریکی ظالموں اور قاتلوں کے ظلم و قتل میں برابر کے شریک ہیں، خداوند عالم ان سب سے ضرور انتقام لے گا۔

سیرت رسول ﷺ بہترین سیاست

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ جو آنحضرت کے رفتار، کردار، ارشاد، احکام اور اخلاق پر مشتمل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی ترقی کا ایک بنیادی سبب آنحضرت کی بہترین سیرت تھی۔ سیرت رسول کی پیروی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف ان کی خوشی اور غمی کے چند مراسم میں شریک ہو جائیں، وقتی طور پر رضا کارانہ مختلف پروگراموں میں پیش پیش رہ کر بڑی اچھی کارکردگی دکھا دیں، یا دینی، سماجی اجرائی کاموں میں نمایاں رہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ سیرت رسول و اہلبیتؑ ہم انسانوں کے اعضاء و جوارح، اعمال و اعتقاد میں رچ بس جائے۔ انسان کا کردار، گفتار، اخلاق و عادات اور دیگر معاملات سب میں سیرت اہلبیتؑ کے صفات کی تصویر دکھائی دے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے چند پہلو بیان کرتے ہیں جو انسانی ترقی میں سیاست کا نمونہ بنی ہے:

۱. آنحضرت ﷺ کی اخلاقی شہرہ آفاق شخصیت کی وجہ سے دشمن بھی امین و صادق کہنے پر مجبور ہوئے۔

۲. لوگوں سے کشادہ روئی، محبت سے ملنا، سلام کرنے میں سبقت کرنا، مجلس میں دوزانو بیٹھنا...

۳. غلاموں پر نہایت مہربان ہونا، جو کھانا خود تناول فرماتے انھیں بھی کھانا، جو کپڑے پہنتے ان کو پہناتے

اور طاقت فرسا کام لینے سے پرہیز کرتے تھے۔ جو کام غلام کرتے اس کو خود بھی انجام دیتے تھے۔

۴. اصحاب و انصار اور سامنے کے لوگوں سے نرمی، مہربانی اور عفو و بخشش سے کام لیتے تھے۔ ان کی شخصیت

کا احترام کرتے اور ان سے مشورہ کرتے تھے۔

۵. اصول زندگی میں نہایت سادگی اور درمیانی طبقہ کے لوگوں کے مساوی و مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔

۶. عزم و ارادہ میں کوہ گراں تھے، ایمان میں اتنا استقلال تھا کہ مشکلوں اور دشواریوں سے ذرہ برابر ہٹات

قدم میں لغزش نہیں آتی تھی۔

۷. بیکاری، سستی سے سخت نفرت تھی، مسلمانوں کو مختلف کاموں اور کارکردگی کی تشویق دلاتے تھے، تعریف تعلق اور چاہلوسی سے نفرت کرتے تھے۔

۸. پاکیزگی، صفائی، سچائی، خوش کلامی اور خوشبو کو بہت پسند فرماتے تھے۔

۹. اہل خانہ و خاندان پر مہربان رہتے، اگر بیویوں سے کوئی تلخی دیکھتے تو اس کو درگزر کر دیتے تھے۔ فرزند یعنی نواسوں سے بہت محبت کرتے، انھیں آغوش میں بیٹھاتے اور کاندھے پر سوار کرتے تھے۔

۱۰. رہبانیت، اہل خانہ و خاندان اور اعزاء سے قطع رحم کے مخالف تھے۔

۱۱. معین کردہ فیصلہ پر مصمم رہنا، استعداد اور توانائی کی تربیت کرنا، دورانہدشی اور منصوبہ کے تحت کام کرنا، نقد و اعتراض کو تحمل کرنا، کاموں کو منظم شکل دینا، زور زبردستی اور جاہلانہ پیروی سے پرہیز کرتے تھے۔

۱۲. آنحضرت ﷺ قومی تعصب، اختلاف کے مخالف تھے، ہمیشہ کوشش کرتے کہ آپس میں کوئی تعصب و عناد کی آگ نہ بھڑک جائے، بلکہ محبت و الفت کی فضا بحال رہے۔ تاکہ سماج میں اچھے اثرات مرتب ہوں۔

اسلام اخلاق سے پھیلا

اسلام کا مقصد انسانی تربیت، توانائی، تعلیم، تکریم کو تدریجاً بڑھاوا دینا ہے جس سے ان کے اندرونی امتیازات اجاگر ہوں۔ یہی بنیادی مقصد ہے۔ جو عین فطرت اور طبیعت انسانی کی شان ہے۔ اسلام مخالف، فرقہ پرست، مفاد پرست اور شدت پسند تنظیموں کو اس بات کا باور ہونا چاہئے کہ ظلم و تجاوز سے ملک و مال پر وقتی قبضہ جمایا جاسکتا ہے لیکن روحانی امتیاز کو نہیں چھینا جاسکتا ہے اور جب بھی کوئی فتح و کامیابی تلوار یا میڈیا کے بل بوتے پر حاصل ہوتی ہے تو فاتحین کے سر پر ہمیشہ خوف و ہراس اور دہشت کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً ظاہری فائدہ ہو جائے۔ اہل غرب خود ساختہ سیاسی قانون سے تھک چکے ہیں، اور اہل علم و تدین پر ہمیشہ الزام تراشی کرتے رہے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ ”لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ“ جبکہ دین اسلام میں کوئی زبردستی اور اکراہ نہیں ہے۔ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا ہے اور اگر ایسا ہوتا تو خود بخود اسلام کا پورا نظام متزلزل ہو جاتا۔

سیرت رسول ﷺ بہترین سیاست ﴿۳۳﴾

رسول اعظم ﷺ کی اخلاقی سیاست

۱. رسول اکرم ﷺ کی ذاتی اخلاقی، اجتماعی، سیاسی اور سماجی خصوصیت کی بناء پر ابوسفیان و ابو جہل جیسے سخت دشمنوں نے رسول کی پاکیزگی، امانتداری اور اخلاقی جیسی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ جس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اگر مسلمان معاشرہ اخلاق رسول سے اپنے کو سنوار لے تو اسلام پوری دنیا میں نفوذ کر جائے۔

۲. مرسل اعظم انسانی معاشرہ کو کم سے کم مادی امکانات میں بہتر طریقہ سے ادارہ کرتے تھے، جس سیرت پر اکثر عمل نہیں کرتے ہیں۔ خود اسلامی مملکت کی حکمراں جماعت اس کی رعایت نہیں کرتی۔

۳. ظلم کے خلاف مقابلہ اور نفاذ عدالت کی عملی تحریک میں بہت اہمیت کا قائل ہونا۔

رسول اکرم ﷺ کھلم کھلا کفر و شرک، اشراف گری، قوم پرستی، ظلم اور سرکشی کے مخالفت تھے۔ کمزور، مظلوم، ستم دیدہ لوگوں اور پسماندہ قوموں کی حمایت کرتے تھے۔

۴. قرآنی احکام کے نشر و ابلاغ کا وظیفہ جو فطرت سے ہم آہنگ ہو اور ایسے مکتب کی تبلیغ جس میں شعبہ حیات کے انفرادی، اجتماعی، سیاسی، ثقافتی اور عالمی دستور پائے جاتے ہوں، موجود تھے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول جیسی عظیم نعمت و ہدایت کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا ہے، جنہوں نے عالم بشریت کو دگرگوں کر دیا، خاص طور سے مرسل اعظم کی شخصیت کے ایسے مطالب جس کو کما حقہ لوگ سمجھ نہیں سکے اور نہ ہی عمل کر سکے تھے، ان جملہ خوبیوں کو جو عالم مبداء سے عالم آخرت تک پہنچاتا ہے۔

اسلام قرآن سے پھیلا

قرآن اسلام کی زبان حال میں گفتگو کرتا ہے، یہ پوری نوع انسانیت سے مخاطب ہے۔ جیسے جیسے آیات کا نزول ہوتا تھا، حضرت رسول اکرم ﷺ بلا قید و فرق تمام لوگوں کے لئے اس کی تلاوت فرماتے تھے۔ سننے والوں میں آیتوں کی بہت جلد تاثیر ہوتی اور سب کی امیدیں بندھ جاتی تھیں کیونکہ ایسی حکمت و دانش اور الہام بخش بات ہی ہوتی تھی، مزید اس میں کوئی نقص و عیب اور شبہہ نہیں پایا جاتا تھا رسول کی صداقت کے علاوہ قرآن سارے شک و شبہات سے پاک اور منزہ تھا، جو جتنا زیادہ دقت کرتا ہے اتنا ہی اس کی گہرائی سے مطلب حاصل کرتا ہے۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست.....

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (۱)

کافروں نے کہا اس قرآن کو مت سنو، اس میں جنجال پھیلاؤ، شاید غالب آ جاؤ۔

جیسا کہ انگلینڈ کے ایک بلند مرتبہ حاکم نے کہا ہے:

جب تک مسلمانوں کے درمیان قرآن موجود ہے ان پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا لہذا قرآن سے ان مسلمانوں کو جدا کر دیا جائے، اور کر بھی رہے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ان کے محققین فائدہ بھی اٹھا رہے اور دوسری طرف اس قرآن کی افادیت ختم بھی کر رہے ہیں۔

نبی کی تلاوت اور اسلام کی فتح

قریش نبی کی دلنشین آواز کس طرح سنتے تھے، اس کو ابن اسحاق نے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے نقل کیا ہے:

”ایک شب کا واقعہ ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابو جہل بن ہشام، اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی اور حلیف بنی زہرہ ایک دوسرے کو بغیر اطلاع کئے گھروں سے باہر آئے، ہر ایک خانہ رسول کے اطراف پوشیدہ ہوتے گئے تاکہ قرآن کی دلنشین آواز سن سکیں۔ صبح تک وہاں رہے، قرآن سنتے رہے، پھر متفرق ہوئے، واپسی پر ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی تو سرزنش کرنے لگے، مصمم ارادہ کر لیا اب نہیں جائیں گے لیکن دوسری اور تیسری شب کو بھی تکرار ہوا گویا ایک اندرونی طاقت و کشش تھی جو خانہ رسول کی طرف کھینچ رہی تھی“ (۲) دشمن ہر دن طے کرتے کہ اب نہیں جائیں گے لیکن دوسرا دن آتے ہی پھر پہنچ جاتے تھے:

توبہ کردم دیگر مئے نخورم

بجز امشب و فردا و شب ہای دیگر

۱۔ سورہ فصلت، آیت ۲۶۔

۲۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج ۱ ص ۳۵۲۔

”طفیل بن عمرو دوسی (جو بنی غنم قبیلہ سے تھا) کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے تلاوت کی، واللہ ایسی دلنشین بات اور اس سے زیادہ عدل و انصاف پر مشتمل کوئی کلام نہیں سنا تھا، خود بھی اسلام قبول کر لیا اور اپنے اہل خانہ و خاندان کو بھی دعوت دی، جس کے اثرات سے بہت سے مسلمان ہو گئے“ (۱)

﴿فَتَحَتِ الْمَدِينَةَ بِالْقُرْآنِ﴾ مدینہ منورہ قرآن سے فتح ہوا (۲)

دراصل آج کی مرقی دنیا میں مغربی مادی زندگی ہو یا مشرقی مشرکانہ توہم پرستی، ان سب سے لوگ اکتا چکے ہیں اور دنیا امن و آشتی اور فطرت بشری کی بناء پر اسلام سے ملحق ہونا چاہتی ہے۔ آج بھی کوئی دیکھنا چاہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے یا اپنی حقانیت کے سبب سے۔ نیوکلیر جیسے اسلحے کو دیکھ لیجئے، کیا کسی اسلامی ملک کے پاس ہے یا دیگر ممالک قدرت و جرأت رکھتے ہیں اور اہل مغرب اس بات کو برداشت کر پائیں گے کہ مسلمان ٹیکنالوجیز میں مہارت حاصل کر کے عالمی رقابت میں حصہ لیں؟ اہل اسلام کی اتنی مجبوری کے باوجود یورپی دنیا میں آزاد طبیعت کے لوگ امریکہ کی جیلوں میں مقید ہیں لیکن ان کا مطالبہ ہے کہ انھیں اسلامی لٹریچر اور قرآن شریف دیا جائے۔

آج جبکہ قدرت، دولت اور میڈیا یہودیوں کے اختیار میں ہے، اقوام متحدہ کے سربراہان مملکت جن کو دنیا کی تقدیر بنانے بگاڑنے کا ”ویٹو پاور“ حاصل ہے، ان پانچ ملکوں میں اسلامی ملکوں کی کوئی ایک نمائندگی بھی نہیں ہے۔ ان سب کے باوجود بھی اہل علم و منطق اور غیر متعصب لوگ اسلام کے گردیدہ ہوئے جارہے ہیں۔ اب یہ لوگ جن کا دنیا پر پورا پورا کنٹرول ہے، بتائیں قدرت اور اسلحوں کے زور پر اسلام پھیل رہا ہے؟

جواب معلوم ہے کیونکہ یہ تو ہزاروں سال سے تجربہ کرتے آرہے ہیں اور دنیا کی زیادہ تر ثروت، طاقت اور میڈیا انھیں کے قبضہ میں رہی ہے، پھر بھی اسلام کی حقانیت کا بڑھتا ہوا سیلاب روکنے سے قاصر ہیں۔ اپنی شاطرانہ چال اور دوغلی سیاست سے مسلسل اسلامی ملکوں کو کچلتے چلے آرہے ہیں۔

۱۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۳۸۲، ص ۲۰۷۔

۲۔ فتوح البلدان ص ۲۱۔

﴿۳۶﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

رسول اعظم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت پاک کی جستجو و بازنائش ہے کیونکہ اسلام نے انسانوں کو اس کی کرامت، شرافت کا صحیح درجہ دیا ہے، انھیں اخوت، الفت، وحدت اور مساوات کی ترغیب دلائی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی نسل در نسل جنگوں کو ختم کیا ہے، کالے گورے، امیر غریب اور عرب و عجم کی تفریق کو مٹایا ہے۔ اسلام میں مال و دولت سے زیادہ ایمان اور کرامت انسانی کو اہمیت دی ہے۔

رسول اسلام ﷺ کی سیرت پاک میں ملک گیری، ظاہری فتح کی اہمیت نہیں ہے بلکہ بندگان خدا کی تربیت، ان کی نجات کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ اگر دیکھا کہ جنگ کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے پھر اسلام کے عالمی قوانین کی رعایت کرتے ہوئے جنگ کی ہے، مثال کے طور پر:

فتح مکہ کا مسئلہ تھا تو لشکر اسلام کو مکہ کی شاہراہوں پر تائنات کرنے سے پہلے رسول خدا ﷺ نے سارے سرداروں، کمانڈروں کو بلایا اور فرمایا:

میری پوری کوشش یہی ہے کہ بغیر خونریزی کے مکہ فتح ہو لہذا غیر مزاحم افراد کو قتل کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ پیغمبر اسلام کے خطوط میں سہیل بن یوسف نے اپنے پدر اور اس نے عبید بن صخر کے ذریعہ خبر نقل کی ہے پیغمبر خدا ﷺ نے اپنے یمنی صوبائی ذمہ دار کو یہ خط لکھا:

”جس نے اسلام قبول کر لیا، وہ سود و زیاں میں ہمارے مساوی ہوگا جو دوسرے آئین پر اپنے جداگانہ دین پر باقی رہے، اس پر سختی نہ کرو۔ ہر فرد اپنی توانائی کے لحاظ سے ایک دینار یا بیشتر ادا کرے، جو ادا کرے وہ ہمارے ساتھ ہوگا، ہم اس کا دفاع کریں گے جو ادا کرنے سے انکار کرے گا وہ ہماری پناہ میں نہیں ہوگا (۱)

پھانسی کا حکم دینا

آنحضرت نے جہاں ایسے جنگی قوانین بنائے جس میں آشتی، طمانیت اور امنیت پائی جاتی ہے اس کے باوجود، دس افراد کیلئے تاکید فرماتے ہیں کہ یہ جہاں بھی ملیں انھیں پھانسی دیدی جائے، ان افراد کے نام یہ ہیں:

۱۔ ’ڈاکٹر محمد حمید اللہ: نامہ ہادیما نہای سیاسی حضرت محمد و اسناد صدر اسلام،

سیرت رسول ﷺ بہترین سیاست

﴿۳۷﴾

”عکرمہ ابن ابی جہل، ہبار بن اسود، عبداللہ بن سعد ابی سرح، مقیس صباہ لیشی، حویرث بن نفیل، عبداللہ بن نطل، صفوان بن امیہ، وحشی بن حرب (قاتل حمزہ)، عبداللہ بن الزبیری اور حارث بن طلاطلہ، اس کے علاوہ چار خاتون جس میں دو گانے بجانے والی خاتون تھیں۔ یہ رسول اللہ کی مذمت میں برے کلمات زبان پر جاری کرتی تھیں (جن میں زوجہ ابوسفیان بھی تھی) یہ تمام افراد مجرم سمجھے گئے تھے، غلط افواہیں پھیلاتے تھے لہذا رسول خدا نے ان کے قتل کا حکم دیا“ (۱)

ایسا عظیم المرتبت رسول جو اصول، قول و قرار پر آخری نفس تک استقامت کرتا ہے، جو بشریت کی خیر سگالی چاہتا ہے، جو ہر جنبہ سے اکمل و احسن نمونہ ہے، دشمن انھیں مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ سال گذشتہ آنحضرت ﷺ کی شخصیت کا تمسخر اڑانا چاہا، جس پر مسلمانان عالم نے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ مسلمانوں کی رگ حمیت کا اندازہ کرنے کی غرض سے دوسرے سال پھر اپنی دشمنی و عناد کا مظاہرہ کیا۔ یہ گاہے بگاہے رسول یا اہل بیت کی بے حرمتی کر کے مسلمانوں سے دھیرے دھیرے ان کے ایمانی جذبات کو چھینا جا رہا ہے۔

مجرموں اور مفسدوں کی سزا

مذکورہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حاکم شرع غلط افواہ اور پروپگنڈہ پھیلانے والے کی تفتیش کرنے کے بعد اس کو سزا دے سکتا ہے۔ حضرت امام خمینی نے جب دیکھا کہ کتاب خدا، رسول اللہ اور ازواج رسول اللہ کی ہتک حرمت کی جارہی ہے تو آپ نے دلیلوں سے استفادہ کرتے ہوئے سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ دیا اور فرمایا:

”تمام دنیا کے غیر متمند مسلمانوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آیات شیطانی کے مؤلف نے اسلام، پیغمبر اکرم اور قرآن کریم کی بے حرمتی کی ہے، ساتھ ہی جنھوں نے یہ مطالب جان بوجھ کر نشر کیا ہے، ان کیلئے پھانسی کا حکم ہے۔ غیر متمند مسلمانوں سے تقاضا ہے کہ جہاں بھی اس کو پائیں جلد از جلد پھانسی دیدیں تاکہ کسی اور مقدسات کی توہین کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور جو شخص اس راہ میں مارا جائے وہ شہید ہوگا“ (۲)

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

انہیں سیاست کے پیش نظر ایران کے روحانی اور سیاسی پیشوا حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ نے امسال (۱۳۸۵ ش) کو سال پیغمبر اعظم ﷺ کے نام نامی سے منسوب کیا تا کہ مسلمانان عالم آنحضرت کی سیرت پر چلیں اور دنیا والوں کو درس عمل دے سکیں کہ اسلام درحقیقت انسانوں کو الفت و محبت اور عقلانیت کیساتھ زندگی گزارنے کا نام ہے۔ اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت پاک پر سارے لوگ چلنے لگیں تو بدعنوانی اور غلط کاری کا یکسرے سے خاتمہ ہو سکتا ہے۔

اگرچہ صدر اسلام کے کچھ زمانہ بعد سیرت رسول پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے قوم رفاہ و راحت کے اسباب کی طرف زیادہ مائل ہو گئی تھی، ابو حیان تو حیدی نے لکھا ہے: صدر اسلام کا زمانہ خالص دین کا زمانہ تھا، بنی مروان کا دور ریاء، دھوکہ اور فتوحات میں اور عباسیوں کا عہد شہوت و لذت کی توسیع میں گزرا، جس کے بعد کچھ باقی نہیں بچتا (۱) سادگی سے متعلق امیر المومنین علی بن ابیطالب فرماتے ہیں کہ اپنی زرہ کو اتار فو کیا کہ رفو گر کے پاس لیجانے سے شرم محسوس کرنے لگا کیونکہ کسی نے کہا اس کو پھینک نہیں رہے ہیں؟ (۲)

اگرچہ وہ زمانہ بعد کے طولانی عہد میں اسی طرح نہ رہ پاتا، پھر بھی بہت سے مورخوں نے کہا ہے کہ امام کی شہادت کے بعد سفیانی مروانی حکمرانوں حجاج یوسف... اور خلفاء راشدین کے وقت زمانہ پیغمبر کے اصول اور احکام متروک ہونے لگے تھے۔

ایسی صورت میں دنیا اسلام کی گرویدہ ہو رہی ہے، یہ درحقیقت اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے، ورنہ جب تک مغربی دنیا کے لوگ سمجھ نہیں لیتے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے۔ جب خوب جانچ پڑتال کر لیا کہ مادی آسائش اور رفاہ و راحت و روحانی سکون نہیں پہنچا سکتی ہے، پھر وہ اسلام کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہیں اور یہی دنیا کے استعماروں کو سب سے زیادہ خلش ہے۔ یہ سب ایسی صورت میں ہو رہا ہے جبکہ اہل مغرب اسلام دشمنی میں اسلام و قرآن کی محدودیت کی خاطر پوری دنیا میں سینسر بٹھائے ہوئے ہیں اور اپنے سیاسی اہداف و آئین کی ترویج کی غرض سے پورا عالمی میڈیا کام کر رہا ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی تبلیغ

مؤرخوں کا کہنا ہے کہ تین سے پانچ سال تک رسول اللہ مشرکوں کے شر سے محفوظ رہنے کی خاطر عام لوگوں کو دعوت نہ دیکر پوشیدہ طور پر مستعد افراد کو آسمانی دین کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ جب مسلمانوں کی تعداد تیس تک پہنچ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ”ارقم“ کے مکان کو تبلیغ اسلام کا مرکز قرار دیا جو کہ صفا کے نیچے واقع تھا۔ ایک مہینہ سے زیادہ اس مکان میں رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی۔ بعثت کے ۱۱ ویں سال مدینہ کے قبیلہ خزرج سے ایک جماعت نے حج کے موقع پر مقام عقبہ پر آنحضرت سے ملاقات کی، دوسرے سال بھی بارہ لوگ قبیلہ خزرج کے لوگ اسی جگہ جمع ہوئے اور بیعت کی اور یہی بیعت عقبہ تاریخ اسلام میں مشہور ہے۔

کعب بن مالک سے نقل ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تین سال بعد کھلی تبلیغ کی، ایام حج میں حاجیوں کے گھروں کو جا کر انھیں اسلام کی دعوت دیتے، اور کسی اہل قبیلہ سے پوچھ کر دوسرے قبیلوں تک جاتے تھے (۱)

قریش کا رد عمل

رسول اسلام کی اس پوشیدہ دعوت پر قریش کا کوئی رد عمل نہیں ہوا تھا کیونکہ ابھی تک یہ کوئی خاص تحریک نہیں جانی گئی تھی اور اس سے کسی خطرے کا احساس نہیں کیا تھا لہذا رسول اللہ ﷺ نے اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی اثناء میں ایک نوع جماعت ”حزب اللہ“ کا بنیادی مرکز تشکیل دیا۔

﴿۴۰﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

قرابت داروں کو دعوت

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (۲)

اس آیت کے نازل ہوتے ہی امام علیؑ کے ذریعہ قریبی لوگوں کو دعوت دی تاکہ اس فریضہ کو ادا کریں چالیس یا پینتالیس لوگوں کے اجتماع میں جیسے ہی رسول اکرم ﷺ اٹھے اور چاہا کہ کچھ بیان کریں، ابو لہب نے لوگوں کو بڑھکا دیا، رسول پر سحر و جادو کا بہتان باندھا اور مجمع کو درہم برہم کر دیا۔

دوسرے دن پھر رسول ﷺ نے کھانا کھلانے کے بعد بیان کرنا شروع کیا:

اے اولاد عبدالمطلب! بخدا جو چیز میں اپنی قوم کیلئے لایا ہوں، اس سے بہتر کسی عرب جوان کو نہیں دیکھا کہ ایسا کوئی آئین لایا ہو میں دنیا و آخرت کی بھلائی تمہارے لئے لایا ہوں۔ خدا نے مجھے ذمہ داری دی ہے کہ اس کی طرف میں تمہیں دعوت دوں۔ تم میں کون ہے جو میری مدد کرے تاکہ وہ تمہارے درمیان میرا بھائی، جانشین ہو؟

”فَإِيَّكُمْ يُوَازِرُنِي عَلَى هَذَا الْأَمْرِ أَنْ يَكُونَ أَخِي وَوَصِي وَخَلِيفَتِي فِيكُمْ؟“

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات کو تین مرتبہ تکرار کیا اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ ہی اٹھے اور آنحضرت کی حمایت کا اعلان کیا۔ رسول خدا ﷺ نے بھی فرمایا:

”إِنَّ هَذَا أَخِي وَوَصِي فِيكُمْ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا“ (۲)

اے لوگو! تمہارے درمیان یہ علی ابن ابیطالب میرے بھائی وصی ہیں لہذا ان کی باتوں کو سنو اور پیروی کرو۔

قرابتداروں کو ترجیح

۱. رسول اللہ ﷺ اپنے قرابتداروں کو دعوت دیکر تبلیغ کی تحریک کو مضبوط کرنا چاہتے تھے، یہی حکم خدا تھا۔ علاوہ ازیں جو مسائل آنے والے تھے، اس کو قدرتمند طریقہ سے انجام دینا اور صبر و حوصلہ سے دفاع کرنا، دشمن کی غلط سیاست اور پروپگنڈوں سے محافظت کرنے کی سخت ضرورت تھی۔

﴿۴۱﴾

۲. رسول اکرم ﷺ اس تحریک کو ادارہ کرنے سے متعلق داخلی و خارجی سیاست سے بخوبی مطلع تھے۔
۳. پیغمبر اللہ ﷺ کی اس سیرت سے پتہ چلا کہ حضور نے بیرونی سیاست کے استحکام سے پہلے داخلی سیاست کو ترجیح دی ہے۔

۴. رسول کے قرابتداروں سے بڑھ کر مخلصانہ حمایت کرنے والا اور کوئی نہ تھا کیونکہ دعوت ذوالعشرہ میں حضرت علیؑ نے آنحضرت کی حمایت کا اعلان کیا تھا، سب سے پہلے آنحضرت پر ایمان لائے۔ امام علیؑ - فاطمہ زہراؑ = دونوں نے سب سے پہلے اس امر کی تصدیق فرمائی۔ ام المومنین حضرت خدیجہؑ = نے حمایت میں اپنا بے انتہا خزانہ رسول اسلام کی خدمت میں ہدیہ دیا۔ جس سے مسلمانوں کی فقر و تنگی اور معاشی مشکل دور ہوئی۔

۵. رسول اعظم ﷺ کیلئے امام علیؑ جیسی عظیم شخصیت کی مسلمانوں میں کوئی مثال نہ تھی۔ اس کے علاوہ قرآن میں آنحضرت کو حکم بھی تھا: ”اے میرے حبیب! لوگ آپ کو اجر رسالت دے رہے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے سوائے اپنے قرابتداروں کی محبت کے کوئی اجر و پاداش نہیں چاہتا“

﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ (۱)

جو ایمان لائے ان سے کہہ دیجئے! میں تم سے اس کا کوئی اجر و ثواب نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔

علماء اہل سنت نے ابن عباس سے اس کا اس طرح معنی کیا ہے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کو قائم رکھو۔ نبی اکرم کی آل پاک یقیناً حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کی سب سے زیادہ شریف اور پاکیزہ آل ہے۔

عام تبلیغ کا حکم

تیسرے مرحلہ میں محدودیت کو توڑتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کو عام دعوت کیلئے کہا گیا۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ (۲)

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

اے میرے حبیب! ابھی آپ کی تبلیغ محدود تھی، اب آپ کو کھل کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اس کو کھل کر بیان کر دیجئے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔ یعنی جو مشرکین تسلیم نہیں ہو رہے ان کی پرواہ کئے بغیر ہدایت کا کام جاری رکھئے اور اپنی جماعت الگ کر لیجئے۔

آنحضرت کے جواب میں ابولہب نے گستاخی کی اور کہا کہ افسوس، کیا اسی لئے ہمیں یہاں پر بلایا گیا ہے؟ خداوند عالم نے اسکی جسارت کو ظاہر کرنے کی خاطر آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ کی توہین کرنے کی سزا دی کہ قیامت تک لعنت کی طوق اس کی گردن میں پہنا دی۔

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ (۱)

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا۔

وہ خود بھی ہلاک ہو گیا اور جس بل بوتے پر نظام خداوندی کی مخالفت کرتا تھا وہ بھی ختم ہو گئی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ مقابلہ سے عاجز آ گیا، تباہ و برباد ہو گیا اور سخت نقصان میں رہا، مسلسل خسارہ میں رہا (۲)

مقام عبرت ہے کہ قادر مطلق اللہ کی ذات اشارہ کر دے تو ابولہب جیسے نہ معلوم کتنوں کے ہاتھ ٹوٹ جاتے لیکن یہاں تمام مخالفین کو درس دینا تھا، حج کے موقع پر عربستان میں دور و دراز ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کے درمیان پیغمبر مشغول تبلیغ رہتے، منجملہ مدینہ سے آئی ہوئی ایک جماعت اوس اور خزرج کو بھی دعوت دی، انھوں نے قبول کیا اور واپس مدینہ جا کر دوسرے لوگوں کو دعوت دی، لوگوں نے قبول کیا اس طرح مدینہ میں بھی اسلام پھیلتا گیا (۳)

۱۔ سورہ مسد، آیت ۱۔

۲۔ لغات القرآن ج ۱ ص ۳۷۲۔

۳۔ تاریخ اسلام ص ۱۱۳۔

جزیرۃ العرب کی سیاست

جزیرۃ العرب میں جہاں نہ کوئی منطق، نہ اصول اور نہ ہی مناسب حالات تھے اور نہ ہی کوئی قانون حاکم تھا، بلکہ ہر قوم و قبیلہ کا ایک بزرگ اپنے افراد خاندان پر حاکم تھا، ”جسکو ملوک الطوائف“ کہا گیا ہے۔ اسوجہ سے قدرت منتشر تھی۔ اسلام ایسے حالات میں پنپ رہا تھا کہ سیاسی لحاظ سے قریش سے روبرو تھا، قریش بھی کئی گروہ میں بٹے ہوئے تھے۔ خاص خاص افراد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ کوئی مرکزی حکومت مکہ میں نہ تھی۔ بعض سرداروں کی پیروی کرتے تھے۔ مکہ میں اختلافات کے سبب آنحضرت کو تبلیغ کا موقع فراہم ہوا کیونکہ ایسے حالات میں اسلام کی خوبیاں دوسرے قبائل میں سرایت کرنے لگیں۔ مدینہ کی تشکیل حکومت نے بڑی مدد کی، افراد قبائل اپنے اختلافات حل کرانے کی خاطر سرکار انبیاء کے حضور میں آنے لگے۔

ایک خاص بات کہ جزیرۃ العرب میں کسی بیرونی طاقت کا نفوذ نہ تھا۔ بقول جاحظ کے کسی کو مکہ پر غلبہ پانے کی خاص دلچسپی نہ تھی (رسائل الجاحظ: ج ۱ ص ۱۸۷، تحقیق عبدالسلام ہارون) لہذا رسول اللہ ﷺ نے بیرونی طاقت کے نہ ہونے سے مکمل استفادہ کیا اور نظامی و حکومتی قدرت کو مضبوط و استوار بنایا۔

ان کی زندگی قبائلی بنیاد پر استوار تھی لہذا کوئی تجاوز کرتا تو وہ قبیلہ خود ہی دفاع کرتا مگر جس کا کوئی حمایت کرنے والا نہ ہوتا تو اس پر ضرب و شتم ہوتا جیسے بلال، عمار اور خباب بن ارت، ان کا مکہ میں کوئی قبیلہ حمایت کرنے والا نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کیلئے بھی ایسا ہی تھا وہ تو کہئے بنی ہاشم اور خاص طور سے حضرت ابوطالبؓ کی شجاعت و دلیری اور فداکاری تھی کہ جس نے سرکارِ دو عالم کی پشت پناہی اور حمایت کی۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست کرتے اور اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں بھی اپنے سردار کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی کوشش سے حالات سازگار ہوئے اور اسلام کی طرف لوگوں کا میلان بڑھا، آنحضرت کی فکری، سیاسی سیرت نے دلوں میں جگہ بنائی اور فکری انقلاب پیدا ہو گیا اور لوگ حق بجانب راغب ہوئے۔

شہر مکہ کی مرکزیت

رسول نے اس وادی مقدس سے آغاز کیا جو دوسرے خطہ ارض سے بے نظیر تھی۔ مختلف وجوہات کی بناء پر اس بات کی تحقیق کی جاسکتی ہے کہ کیونکر اسلامی تحریک میں یہ مؤثر ثابت ہوا ہے:

(۱) اس شہر کا سب سے مقدس مقام خانہ کعبہ جو اکثر امتوں میں محترم رہا ہے، پہلے سے امن اور عبادت کی جگہ تھی (۲) تجارتی شہر تھا، اہل مکہ ہر سال کئی بار شام و حبشہ اور یمن تجارتی غرض سے سفر کرتے تھے (۳) جغرافیائی لحاظ سے ایران، روم اور شرق و غرب کے وسط میں واقع تھا جو اسلامی تبلیغ میں دنیا کے ہر سو ایک اچھا کردار ادا کر سکتا تھا (۴) تمام جزیرۃ العرب سے مسلمان آتے تھے جن سے اسلام کی بہترین انداز میں تبلیغ ہوتی تھی (۵) اہل عرب عموماً زحمت کش ہوتے تھے اور یہ خصلت ایک قوم کی اصلاح، مشکلوں سے مقابلہ کرنے، دشمنوں کے مقابلہ میں طولانی جنگ وغیرہ کیلئے سازگار ہوتی تھی (۶) اصل میں عرب جو آنحضرت کے گرد جمع ہوئے تھے سرمایہ دار نہ تھے زیادہ تر محروم اور کمزور لوگ تھے، جن کیلئے اکثر رسول گرامی کونان و نفقہ تہیہ کرنا پڑتا تھا (۱)

مکہ سے ہجرت

اسلام کی دو ہجرتیں بڑی مہم ثابت ہوئیں، جن میں ایک مرسل اعظم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی ہجرت، جس سے قلعہ اسلام کی تعمیر ہوئی۔ دوسری آنحضرت کے نواسہ امام حسین کی مدینہ منورہ سے کربلا معلیٰ کی ہجرت، جس سے نانا کے بنا کردہ قلعہ اسلام کی حفاظت ہوئی۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا اور وہاں پر اسلامی حکومت کا قیام ایک بہت اہم فیصلہ تھا۔ مرسل اعظم ﷺ کی اسلامی تبلیغ، انسانی نجات اور انسان ساز نظر تھی کہ ایسا موقف اختیار کیا جو اسلام کے لئے نیک فال نہایت بابرکت اور پابرجا ثابت ہوا۔

سیاست کا مختلف زاویہ

انگریزی میں سیاست politics شہر کو ادارہ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے جو خود یونانی لفظ polis بمعنی شہر سے ماخوذ ہے۔

دوسرے لفظوں میں „The Rules of Management Towns..“ بھی کہا گیا ہے۔

جیسا کہ ارسطو نے اپنی کتاب (سیاست) میں کہا ہے:

”انسان polis کے حکم میں ایک ایسا وجود ہے جو کہ polis کی زندگی میں پیدا ہوا ہے“

فارسی لغت میں:

سیاست کے معنی حکم کرنا، ادارت، تدبیر، عدالت، تنبیہ، جزا اور حراست بتایا گیا ہے (۱)

دوسری لغات سے بھی چند معنی جو عموماً استعمال ہوتے ہیں، حسب ذیل معنی ذکر ہوئے ہیں:

سیاست یعنی تدبیر امور، تدبیر نفاذ امر و نہی، ولایت امر، پاس و لحاظ، حفاظت، حراست، رعایا پر حکم چلانا، حکومت، ریاست، قضاوت، مصلحت اور دور اندیشی کو کہتے ہیں۔

ڈاکٹر مہشید مشیری نے پانچ معنی ذکر کیے ہیں:

(۱) حکمرانی، امور مملکت کو ادارہ کرنا (۲) سزا، جزا، تنبیہ (۳) ملک کے داخلی اور خارجی امور کو ادارہ کرنے

کا طریقہ کار (۴) چالاکی، ہوشیاری (۵) دوسروں کے ساتھ ملکر صحیح طریقہ پر زندگی بسر کرنا۔

فرہنگ فارسی میں سیاست

سیاست مداری یعنی امور مملکت کو ادارہ کرنے کا علم رکھنا، جس کو ڈپلومیٹ سیاسی کارکن کہتے ہیں۔

سیاست مدینہ

معاشرہ کو ادارہ کرنا تا کہ شہریوں کے مصالح اور لوگوں کے رفاه و راحت کا سامان فراہم کیا جاسکے (۱)
اگرچہ مشاہدات بتاتے ہیں کہ جیسے جیسے نیچے درجات کے سیاسی لوگوں کو دیکھتے ہیں ان کی سیاست بھی بتدریج بے ڈھنگی اور خود غرضی بڑھتی جاتی ہے۔

سیاست مدینہ کے معنی

عوام الناس کے باہمی معاملات کی اصلاح اور ان کے امور معاش کی تنظیم کرنا (۲)

”سَاسٌ، سِيَاسَةُ الْقَوْمِ: دَبَّرَهُمْ وَتَوَلَّى أَمْرَهُمْ“

قوم کے سیاسی امور نیز لوگوں کی زعامت کو اپنے اختیار میں لینا۔ سیاست ہانس ور کی نظر میں:

سَاس: (sasa) سے ماخوذ ہے جسکے معنی حکومت کرنا، ادارہ کرنا، ہدایت اور رہبری کرنا ہے (۳)

دوسرے لفظوں میں: سیاست یعنی مدبر کا فعل، کاردان، کار گزار کو اہل سیاست کہتے ہیں۔

سیاست کی دوسری تعریف

”السیاسة: الْقِيَامُ عَلَى شَيْءٍ بِمَا يَنْصَحُ“ کسی مصلحت کیلئے قیام کرنے کو سیاست کہتے ہیں۔

”سُوَسَ فُلَانٌ أَمْرَ بَنِي فُلَانٍ أَيْ كَتَلَفَ سِيَاسَتَهُمْ“

یعنی لوگوں کے امور کی تدبیر میں اٹھ کھڑے ہونا۔

۱۔ حسن عمید: فرہنگ فارسی عمید ج ۲۔

۲۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱۱ ص ۲۸۳۔

۳۔ ہانس ور۔ فرہنگ معاصر (عربی فارسی) 550.5-312-964-1999

سیاست جوہری کی نظر میں:

”سُوْسُ الرَّجُلِ أُمُورَ النَّاسِ، عَلَى مَا لَمْ يُسَمِّ فَاعِلُهُ إِذَا مَلَكَ أَمْرَهُمْ“
اور حطیہ سے نقل ہوا ہے:

”لَقَدْ سُوْسَتْ أَمْرَ بَيْنِكَ حَتَّى تَرَكْتَهُمْ أَذَقَ مِنَ الطَّحِينِ“

یقال: هُوَ يَسُوْسُ الدَّوَابَّ إِذَا قَامَ عَلَيْهَا وَرَاضَهَا، وَ الْوَالِي يَسُوْسُ رَعِيَّتَهُ.

جب جانوروں کی حفاظت اور دیکھ ریکھ کرنے پر کوئی مامور ہوتا ہے نیز والی حاکم اپنی رعایا کو منظم و منسجم رکھنے کی تدبیر کرتا ہے۔

سیاست: سوس سے ماخوذ ہے۔ لغت میں بمعنی ریاست، پرورش، تنبیہ و سزا، رعایا کے امور کو منظم اور منسجم رکھنے کیلئے قیام کرنا ہے (۱)

سیاست فراء کی نظر میں:

سُوْسَتْ خَطَاءً وَفُلَانٌ مُجْرَبٌ قَدْ سَاسَ وَ سَيِسَ عَلَيْهِ: اِیْ اَمَرَ وَ اَمَرَ عَلَيْهِ

سُسْتُ الرُّعِيَّةَ سِيَاسَةً اَمَرْتُهَا وَ نَهَيْتُهَا... وَ سُوْسَ فُلَانٌ اَمَرَ النَّاسَ... صَيَّرَ مَلِكًا (۲)

سیاست ابن زکریا کی نظر میں:

السوس، غذا، درخت یا اناج میں جو کھڑا، دیمک لگ جاتا ہے نیز سرشت اور نہاد وغیرہ کو بھی کہتے ہیں۔

سوس کے دو بنیادی معنی ہیں:

”فِيهَا أَصْلَانِ: أَحَدُهُمَا فَسَادٌ فِي شَيْءٍ وَالْآخَرُ جِبِلَّةٌ وَخَلِيقٌ.

(۱) کسی چیز کا فاسد ہو جانا (۲) سرشت اور طبیعت کے ہیں۔

”فَالْأَوَّلُ سَاسَ الطَّعَامِ يَسَاسٌ وَأَسَاسٌ يَسِينُ، إِذَا فَسَدَ بِشَيْءٍ يُقَالُ لَهُ سُوْسٌ“ (۳)

۱۔ علامہ ابن منظور: لسان العرب، ج ۶، ص ۶۲۹۔

۲۔ القاموس المحيط، مادہ سوس، ص ۷۱۰۔

۳۔ الی الحسین احمد بن فارس بن زکریا، م ۳۹۵ھ، مقایس اللغة،

تھانوی کے مطابق سیاست:

”الْقَانُونُ الْمَوْضُوعُ لِرِعَايَةِ آدَابٍ وَ النَّصَائِحِ وَأَنْتِظَامِ الْأَمْوَالِ“ (۱)

ایسے قانون جو آداب و نصائح اور لوگوں کے نظم اموال کی رعایت کے واسطے بنائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد معین کی نظر میں سیاست:

رعایہ پر حکم چلانا اور مملکت کے امور کو ادارہ کرنا ہے،

ریاست، عدالت، سزا، جزاء، تنبیہ، ملک کے حدود کی حفاظت، ملک کے داخلی اور بیرونی امور کا ادارہ کرنا۔

اصطلاح میں سیاست کبھی عام کارکردگی کے معنی میں استعمال ہوتی ہے جسمیں لوگ قانون کو ایجاد کرتے ہیں

سیاست کبھی خاص عنوان کے لحاظ سے چار مختلف مفاہیم میں وضاحت ہوتی ہے:

(الف) سیاست: حکومت کا ایک ہنر اور کارکردگی ہے:

سیاست کی کلاسیک تعریف یہ ہے کہ حکومت کی کارکردگی ہی محور کو معین کرتی ہے لہذا اکثر لوگ، تنظیمیں اور

اجتماعی کارکردگی سیاست سے خارج ہیں۔

(ب) سیاست: ایک عام کارکردگی ہے نہ کہ خصوصی افراد سے متعلق ہے (یہ ارسطو کا نظریہ ہے)

(ج) سیاست: اختلاف کے حل کا ایک خاص وسیلہ ہے لہذا نزاع اختلافات کو مذاکرہ سے حل کرنا چاہئے۔

(د) سیاست: تولید، تقسیم اور حیاتی منابع سے استفادہ کرنا ہے یعنی سیاست قدرت کی تقسیم کے بارے میں

رہنمائی کرتی ہے۔ فمیدیت اور مارکسیزم اسی تعریف کے حامی ہیں (۲)

سیاست فاضلہ

سیاست کی قسموں میں سے ایک سیاست فاضلہ ہے، جسکو امامت کہتے ہیں۔ جسکی غرض مخلوق خدا کو کمال و منزل سعادت تک پہنچانا ہے۔ اسی کو سب سے ”اچھی سیاست بتایا گیا ہے اور دوسری امامت حقہ کے مقابلہ میں غلط

۱۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱۱/ ص ۲۸۳۔

۲۔ علوم سیاسی، ش ۲۲ ص ۳۹، ۳۸۲۔

سیاست ہے“

قرآنی اصطلاح میں اس امامت و قیادت کے دو معنی ایک امامت نور و ہدایت اور دوسری امامت نار و ضلالت میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ”ایک اچھی امامت جو انسان کی ہدایت کر کے سعادت اور کمال کی طرف رہنمائی کرے اور دوسری ظلم و جور کی امامت ہے، جو جہالت، گمراہیوں اور جہنم کی طرف لے جاتی ہے“

﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (۱)

اس امامت کی اللہ تعالیٰ خود حفاظت کرے گا خواہ کافروں کو گراں ہی کیوں نہ گزرے۔ عہد حاضر کے وہ امام جانشین رسول اللہ حضرت بقیۃ اللہ ہیں جن کو ہم یوں سلام کرتے ہیں:

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نُورَ اللّٰهِ الَّذِي يَهْتَدِي بِهِ الْمُهْتَدُونَ (۲)

اگرچہ گذشتہ قوموں میں بعض نے حقیقی نمائندہ کو نہیں مانا ہے جس کی وجہ سے وہ ذلیل و خوار ہوئے ہیں اور ان پر ظالم پادشاہوں نے حکومت کی ہے جیسے قوم حضرت موسیٰ اتنے جسور ہو گئے تھے کہ کہا اے موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا خدا دشمن سے لڑے ہم یہیں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔ اگر ہم نے امام حق، اہلبیت رسول اللہ کی پیروی نہ کی تو ظالم پادشاہوں کی تلواریں ہمیشہ ہمارے سروں پر لٹکتی رہیں گی اور جس طرح رسول اللہ کے سب سے زیادہ عزیز اور پیارے نواسے کا خون بھی محفوظ نہیں رہ سکا ہے امت کی جہالت اور عدم اطاعت غفلت کے سبب ہی کربلا جیسا المیہ وقوع پذیر ہوا۔ عہد حاضر میں اگر امت خواب غفلت میں سوئی رہی پھر تو اسی طرح کا واقعہ رونما ہو سکتا ہے۔

کلام انبیاء میں سیاسی جھلکیاں

”كَانَ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَسْؤُ سَهْمَ أَنْبِيَاءِهِمْ: أَي تَتَوَلَّى أُمُورَهُمْ كَمَا يَفْعَلُ الْأُمَرَاءُ وَالْوَلَاةُ بِالرَّعِيَّةِ“ (۱)

بنی اسرائیل کے انبیاء لوگوں کے لئے تدبیر کرتے تھے یعنی ان کے امور پر نظارت رکھتے تھے، جس طرح بادشاہ اور حکمران اپنی رعایا پر نظارت رکھتے ہیں۔

”إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَدَّبَ نَبِيَّهُ فَأَحْسَنَ أَدَبَهُ، فَلَمَّا اكْتَمَلَ لَهُ الْأَدَبُ“ قَالَ:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (۲)

”ثُمَّ فَوَّضَ إِلَيْهِ أَمْرَ النَّاسِ وَالْأُمَّةَ لِيَسْؤُسَ عِبَادَهُ“ (۳)

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے نبی کو بہترین ادب و اخلاق سے آراستہ فرمایا اور کمال ادب کے بعد فرمایا:

”بیشک تمہیں ادب اور اخلاق کے عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے“

پھر لوگوں اور امت کو ان کے سپرد کیا تاکہ بندوں کے نظم امور کو ادارہ کر سکیں۔

حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کی توصیف میں بیان ہوا ہے:

۱۔ مجمع البحرین ج ۴/ مادہ سوس۔ لسان العرب ج ۶، ص ۴۲۹۔

۲۔ سورہ قلم، آیت ۴۔

”أَنْتُمْ سَاسَةُ الْعِبَادِ“

آپ لوگوں کے امور سے متعلق، مدبر اور منتظم ہیں۔

دوسرے مقام پر آیا ہے:

”الْإِمَامُ عَارِفٌ بِالسِّيَاسَةِ“

وقت کا امام، سیاست کی گہرائیوں سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔

ثُمَّ فَوَّضَ إِلَى النَّبِيِّ أَمْرَ الدِّينِ وَالْأُمَّةِ لِيَسُوسَ عِبَادَهُ (يسوس یعنی لیدہر)

اللہ تعالیٰ نے امور دین کو حضرت رسول ﷺ کے سپرد کیا تا کہ اپنے بندوں کے مصالح اور خیر و بھلائی کی

کوئی تدبیر اور ان کا معقول بندوبست نکالیں (۱)

”الْعَدْلُ سَائِسٌ عَامٌّ وَالْجُودُ عَارِضٌ خَاصٌّ“ (۲)

عدالت عام تدبیر و سیاست ہے اور سخاوت ایک خاص حالت ہے۔

روایات اور ائمہ کی دعاؤں میں سیاسی امور کو آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ حضرات معاشرہ کی ہدایت،

تربیت کر کے عملی طور پر دنیوی و اخروی کامیابی کے لئے کس طرح ہمہ وقت کوشاں تھے جس کے بعد یہ احتمال باقی

نہیں رہ جاتا کہ انبیاء اور ائمہ بے لوگوں سے متعلق سیاست اور نظام حکومت سے الگ تھلگ موقف رکھتے ہوں۔

دین و دنیا کے علوم و فنون کی طرح سیاست اور ادارت کا علم ان حضرات سے بہتر کس کو ہو سکتا ہے؟

”الْإِمَامُ مُضْطَلَعٌ بِالْإِمَامَةِ عَالِمٌ بِالسِّيَاسَةِ“ (۳)

امام؛ قیادت میں قوی و پختہ اور سیاست کو بخوبی جاننے والا ہوتا ہے۔

امام علیؑ نے جو امامت کے سلسلہ سے فرمایا ہے:

۱۔ مجمع البحرین۔ ج ۴/۲۷۲۔ اصول کافی ج ۱ کتاب الحجۃ

۲۔ نہج البلاغہ، ج ۱/۲۳۷۔

﴿۵۲﴾.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

”إِيَّاهَا النَّاسُ إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ بِهَذَا الْأَمْرِ أَقْوَاهُمْ عَلَيْهِ وَاعْلَمُهُمْ بِأَمْرِ اللَّهِ فِيهِ“ (۱)

امام کے اس قول سے مراد ماورائے جسم، فکری، روحی اور سیاسی مسائل ہیں کہ جو امامت یا کسی قیادت میں ہونا ضروری ہے جیسا کہ آیۃ اللہ خوئیؒ مذکورہ بحث میں امام کے کلام کی شرح میں لکھتے ہیں:

”أَقْوَاهُمْ عَلَيْهِ: أَكْمَلُهُمْ قُدْرَةً وَقُوَّةً عَلَى السِّيَاسَةِ الْمَدِينَةِ وَعَلَى كَيْفِيَّةِ تَدْبِيرِ الْحَرْبِ“

امامت کیلئے سب سے سزاوار و شائستہ شخص وہ ہے کہ جو شہر کو ادارہ کرنے کی سیاست میں قدرت و قوت رکھتا ہو، جنگ اور اس کے دفاع کی تدبیروں میں سب سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو (۲)

کافی، شرائع میں قیم قرآن کون ہے؟ اس بحث میں ذکر ہوا ہے:

”مَنْ قَيَّمَ الْقُرْآنَ؟ قَيَّمَ الْقَوْمَ مَنْ يَقُومُ بِسِيَاسَةِ أُمُورِهِمْ“

یہاں پر لوگوں کے لئے امور قرآن کا اقامہ اور نفاذ کون کر سکتا ہے، اس سے مراد جو اس کے ظاہر، باطن، مجمل، مؤول، محکم، متشابہ، ناسخ اور منسوخ کو وحی الہی یا الہام ربانی یا پھر تعلیم نبی کے ذریعہ جانتا ہو۔ (۳)

امام جعفر صادقؑ حضرات اہلبیتؑ کے تعارف میں فرماتے ہیں:

”نَحْنُ اخْتِيارُ الدَّهْرِ وَنَوَامِيسُ الْعَصْرِ وَنَحْنُ سَاسَةُ الْعِبَادِ وَ سَاسَةُ الْبِلَادِ“ (۴)

ہم زمانہ کی تمام نہ ہونے والی نیکیاں، زمانہ کو غفلتوں سے بیدار کرنے والے طبیب، انسانوں کے امور کی تدبیر کرنے والے اور شہروں کو ادارہ و آباد کرنے والے ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی ادارت ایسے دینی رہبروں کو تفویض کرنا جو انبیاء اور ائمہؑ کے علوم و اسرار سے واقف ہوں تاکہ لوگوں کی دینی و دنیوی مشکلوں کو دور کر سکیں، معاشروں کی سب سے بڑی مشکل یہ ہوا کرتی ہے کہ ان کے درمیان عدالت و انصاف کا فیصلہ نہیں ہوتا، اس لحاظ سے بھی ائمہ نے اشارہ کیا ہے:

۱۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح، ج ۱، ص ۱۷۳۔

۲۔ علامہ مرزا حبیب اللہ الہاشمی الخوئی: منہاج البراءۃ فی شرح نہج البلاغہ، ج ۱، ص ۱۰۔

۳۔ السید محمد کاظم قزوینی: موسوعۃ الامام الصادق علیہ السلام، ج ۱، ص ۱۳۷ حاشیہ کتاب۔

”مِلَاكُ السِّيَاسَةِ الْعَدْلُ“

سیاست کا معیار اور محور عدل و انصاف کرنا ہے۔

دوسری جگہ: ”جَمَالُ السِّيَاسَةِ الْعَدْلُ فِي الْأَمْرِ وَالْعَفْوَ مَعَ الْقُدْرَةِ

حسن سیاست عدل و انصاف سے کام لینا اور قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دینا ہے (۱)

امام معصوم کے بقول: ”نِعَمَ السِّيَاسَةِ الرِّفْقُ وَبُسَ السِّيَاسَةِ الْجَوْرُ“

نرم لہجہ، مہر و الفت بہترین سیاست اور ظلم و جور بدترین سیاست ہے۔

ظلم، سیاست کی آفت اور ”آفَةُ السِّيَاسَةِ ضَعْفُ السِّيَاسَةِ“

کمزوری اور عدم تدبیر، سیاست کی کمزوری شمار کی گئی ہے (۲)

ایک طولانی روایت شیخ مفید سے نقل ہوئی ہے، جس میں بیان ہوا ہے کہ:

کچھ لوگ امام کی شہادت سے ایک روز قبل خدمت امیر المومنین - میں آئے اور اس بات کی سب نے توثیق

اور گواہی دی کہ امام نے وافر مقدار میں لوگوں کو اموال دیا اور فرمایا کہ میں لوگوں (مادی دنیا میں لوگوں کے طریقہ

کار) کی دنیا سے تھک گیا، احکام دین کے اجرا میں لوگوں سے کوئی رشوت نہیں لی، بیت المال سے ساربان کے حق

کے برابر بھی کوئی اجرت نہیں لی، یہاں تک کہ اپنے حق کو قوت لایموت سے زیادہ تناول نہیں فرمایا، اس بات کی

بھی سب نے گواہی دی کہ لوگوں میں جنکا دور دور تک کوئی پرسان حال نہیں ہوتا تھا وہ امام کے اخلاق و برتاؤ سے

اپنے آپ کو امام سے بہت قریب سمجھتے تھے (۳)

ایسی زندگی بسر کرنے کی کوئی مثال اہل دنیا کے پاس نہیں ہے جس میں لوگوں کی خدمت ہمدردی اور محبت کا

ایسا بے لوث کوئی جذبہ ہو، وہ رسول اللہ کے اہل بیت سے ہی مخصوص ہے۔

۱۔ میزان الحکمة ج ۴، ص ۵۸۴۔

۲۔ غرر الحکم ج ۳، ص ۳۸۴۔

اہل غرب کی سیاسی نظر

- (۱) لاسول: علم سیاست ایک تجربی نظام کی صورت میں ہے، جو بتاتا ہے کہ کس طرح سے قدرت و حکومت کو درست تشکیل دی جائے کہ سب میں قدرت سہیم ہو جائے (۱)
- (۲) دیوید الیستون: سیاست معاشرہ میں value کا آمرانہ طریقہ سے تقسیم کرنا ہے (۲)
- (۳) ہارولد ژ. ہلاسکی:
- انگلینڈ یونیورسٹی میں علم سیاست کے استاد، ورکر پارٹی کے لیڈر نے لکھا ہے:
- سیاست ایک ایسا علم ہے کہ جو ہمیں سکھاتا ہے کہ کون لے گیا؟
کیا لے گیا؟ کہاں لے گیا؟ کس طرح لے گیا؟ کیوں لے گیا؟ (۳)
- فرہنگ لیترہ: (Littre) متوفی: سال ۱۸۷۰ء کے بقول
سیاست: ملکوں پر فرمانروائی اور حکومت کرنے کا علم ہے۔
- فرہنگ روبر (Robert) م: سال ۱۹۶۲ء کا اس سلسلہ میں کہتا ہے کہ

۱۔ رابرٹ وال، تجزیہ و تحلیل جدید سیاست، ص ۷۸۔

۲۔ عبدالرحمن عالم، بنیادہای علم سیاست، ص ۲۹۔

۳۔ رم مک ایور، جامعہ و حکومت، ترجمہ ابراہیم علی، ص ۲۶۴۔

سیاست: تمام انسانی معاشرہ پر فرمانروائی کا ایک فن اور عمل ہے (۱)
 برتران دوژنل، پیرس یونیورسٹی میں معاشرہ کی سیاست شناسی کے استاد نے جو سیاست میں صاحب
 نظر ہیں، ایک طولانی تعریف کی ہے، ان کی نظر میں سیاست:
 ”قدرت کے نفاذ اور اس کے طریقہ عمل کی جڑوں تک چھان بین کرنا ہے، ان کی نظر میں جس نے بھی
 دوسرے کو کسی کام کے لئے مہمیز کیا ہے یا کسی عمل سے باز رکھا ہے تو اس نے قدرت کا عمل دخل کیا ہے“
 uvenel(berterand de) de la politique pure, paris 1966.

جی موسکا:

سیاست، انسانوں پر فرمانروائی اور حکومت کرنا ہے۔
 نولی: سیاست کی تعریفوں میں سے چند کی شرح کی ہے۔
 عبدالرحمن نے بنیادہای علم سیاست میں کہتے ہیں:
 سیاست: جملہ امکانات سے فائدہ اٹھانے کا ایک ہنر ہے۔
 اکثر و بیشتر سیاسی کارکنوں کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے سبھی اہداف تک پہنچ جائیں لہذا بلند پروازی کو اپنے
 حیطہ قدرت کے ساتھ متناسب تال میل رکھتا ہے تاکہ کوئی بھی اپنی قدرت سے زیادہ سیاست میں نفوذ نہ کر سکے۔
 سیاست: قدرت و سلطنت کیلئے جدوجہد اور پوری پوری سعی و کوشش صرف کرنا ہے۔

مذکورہ تعریفوں پر تبصرہ

سب سے اہم تعریف، غرب کے سیاسی متفکروں کے نزدیک حسب ذیل ہے:
 معاشرہ میں قدرت اور نفوذ کے لیے جدوجہد اور سعی بلوغ انجام دینا ہے۔
 دوسرے لفظوں میں سیاست یعنی یہ جاننا کہ:

کون لے گیا،

کیا لے گیا،

کس وقت لے گیا،

کیسے لے گیا،

اور کیا لے گیا،

اسی طرح،

سیاست: یعنی (value) کا آمرانہ تقسیم کرنا ہے (دیوید الیستون)

آخر میں نولی اپنی سیاست کی تعریف پیش کرتا ہے:

وہ تمام فعالیت و کارکردگی کہ جس میں کسی بھی ذریعہ سے حکومت یا قدرت حاصل کی جاسکے۔ اس حکومت و

فرمانروائی میں قدرت سے استفادہ بھی ساتھ ہو (okwudiba noli)

اگر چاہیں ان سب کی ایک جامع تعریف کریں تو اس طرح کہیں گے:

سیاست: ملکی پیمانہ پر عوام، احزاب اور حکومتی کارکنوں کے مابین صلح آمیز قیادت ہے۔ جس میں ایک حکومت

کا دوسری حکومتوں سے عالمی پیمانہ پر (داخلی امور اور حکومتوں کی مصلحتوں کیلئے) رابطہ برقرار کیا جاتا ہے (۱)

غرض مذکورہ بیان کے مطابق تمام امور کا صحیح ادارہ اور معاشرہ سے ہم آہنگ ہونا جو معاشرہ کے ارتقائی

درجات اور سعادت کا علم ہے۔ وہی معاشرہ میں حاکم ہو جو سماجی ارتباط کی تنظیم کا قانون و پروگرام ہے پھر بھی

دنیاوی اعتبار سے توسیع، تعلیم، تعمیر، اصلاح اور افادیت کے لحاظ سے درست ہوگا لیکن اس میں اغفال، نیرنگ

Deception اور فریب نہ ہو۔

فرہنگ لیتراہ اور فرہنگ روبر کی تعریف پر تبصرہ

جیسا کہ دونوں تعریفوں میں ایک صدی کا فاصلہ اور دونوں کی تعریفوں میں فرق بھی ہے لہذا اس پر قدرے تبصرہ

کریں گے۔ اس میں خاص بات یہ دیکھی گئی ہے کہ:

(۱) دونوں تعریفوں میں حکومت و فرمانروائی کا لفظ مشترک آیا ہے اور اسی کو موضوع سیاست بھی قلمداد کیا گیا

ہے۔ آگے جیسا کہ بیان ہوا ہے

(۲) پہلی تعریف میں: سیاست علم ہے اور دوسری تعریف میں فن اور عمل بتایا گیا ہے۔

(۳) لیتیرہ کے مطابق سیاست کا میدان عمل ملک ہے۔

روبر کے نزدیک سیاست کا میدان عمل انسانی سوسائٹی ہیں۔

پہلے نکتہ کے مطابق سیاست حکومت سے متعلق ایک امر جانا گیا ہے یا کہ ایک ایسا وجود جس کی قدرت سے وابستگی ہو۔ خاص طور سے حکومت اور اس کے ساز و سامان میں ہر وہ جگہ جہاں قدرت کا وجود ہو وہاں قدرت کو سیاست کا موضوع یا حکومت کے تمام جوانب سے اس کو جانا گیا ہے۔

ممکن ہے حکومت اور ملک کے حدود میں قدرت سب سے بڑی شکل اور اس کا ساز و سامان ہو۔

در انحالیہ قدرت تمام معاشرہ میں فقط ابتدائی شکل ہوتی ہے۔

ان سب کے باوجود سمجھ میں یہ آتا ہے کہ سیاست پورے سماج میں قدرت کے نفاذ اور تطبیق پر مزید امکان

فراہم کرتی ہے (۱)

B.B.C. English Dictionary

Politics: (1) politics is the actions or activities which people use to achieve power in a country, society or organization.

سیاست: ایسی فعالیت یا کارکردگی کہ جس کو لوگ ملک، معاشرہ، یا تنظیم میں قدرت یا بی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

﴿ ۵۸ ﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

Your politics are your belief about how a country should be governed.

ملک کو ادارہ کرنے کے سلسلہ میں آپ کی سیاست آپ کا اعتماد ہے۔

politics is the study of the way in which a country governed.

سیاست: اس طریقہ کار کا مطالعہ ہے کہ جس کے ذریعہ کسی ملک میں حکومت کی جاتی ہے۔

بی بی سی ڈکشنری کی تعریف کے ذریعہ سیاست کے نتیجہ میں کہا جاسکتا ہے کہ سیاست:

قدرت اور حکومت تک پہنچنے کے سلسلہ میں ایک طریقہ کار کا مطالعہ ہے۔

یہ تعریف بھی تقریباً اوپر ذکر شدہ تعریف کے زمرے میں آئے گی۔

سیاست کا تجزیاتی موازنہ

اسلام نے ہمیشہ پورے انسانی معاشرہ کا لحاظ کرتے ہوئے سیاست بنائی ہے لیکن اہل غرب کی آخری سعی و تلاش مخصوص قوم و قبیلہ اور طبقہ تک رہتی ہے۔ اسلام بیشتر انسانی معاشرہ کی سعادت و کمال کو مد نظر رکھتا ہے اور اہل شرق و غرب اپنے افراد خاص یا جماعت خاص سے مخاطب ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل بیان میں اس کی کچھ وضاحت ہو سکے گی:

(۱) شیطانی سیاست

سماج کو ادارہ کرنے کی ایسی سیاست جس میں حصول ہدف کے لئے دھوکہ فریب Deception اور ہر طرح کے جھوٹے وسائل اور غلط میڈیا کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسی سیاست اسلام میں ہرگز جائز نہیں ہے اور اسلام کے حقیقی نمائندوں نے اس نوع سیاست سے نفرت اور بیزاری کا اعلان کیا ہے، بطور مثال معاویہ بن سفیان نے امام حسن ؑ کیساتھ صلح اور اس عہد نامہ پر دستخط کرنے کے بعد مسجد کوفہ میں منبر پر جا کر کہتا ہے:

”اے لوگو! میں نے نماز، روزہ وغیرہ کیلئے تم سے جنگ نہیں کی ہے، میں جانتا ہوں کہ تم اپنے واجبات کو انجام دیتے ہو اور اپنے خالق کے اوامر کی اطاعت کرتے ہو، میرا مقصد تم پر حکومت اور فرمانرائی ہے، جس میں کامیاب ہو گیا ہوں۔“

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ پھر اس عہد نامہ کو جس پر امام حسن ؑ کے ساتھ معاہدہ کی دستخط تھی، زیر پارکھ کر لوگوں سے یوں مخاطب ہوا کہ آج کے بعد تین امر میں واجب الاطاعت ہونا پڑے گا:

(۱) مالیات وقت سے ادا کرنا (۲) معین وقت پر سیاہیوں کو بھیجنا (۳) جس وقت بھی لازم ہوگا میرے

سیرت نبی ﷺ میں سیاست..... دشمنوں سے لڑنا ہوگا (۱) جو سراسر آمریت اور امت کیساتھ خیانت کی دلیل ہے۔ ان سب باتوں سے دین میں رخنہ پیدا ہوا، جس نے بہت سے پرہیزگار اصحاب کو قتل کرایا۔ اس خیانت کے متعلق رسول اعظم ﷺ نے فرمایا:

”جو مسلمانوں پر حکومت کرے اور ان کے ساتھ خیانت کرے تو وہ جہنمی ہوگا“ (۲)

غربی ممالک بھی جس سیاست کا اتحاد کر رہے ہیں، کچھ اسی طرح کی سیاست ہے، جو بین الاقوامی قوانین کا پاس و لحاظ رکھے بغیر دوسرے ملکوں میں نفوذ کرنا مقصود ہوتا ہے، تاکہ اپنے مفادات کے پیش نظر اختلاف ایجاد کر کے سیویلیں افراد پر جارحانہ قتل و غارت کیا جائے اور اپنی پسند حکمران جماعت کو کرسی اقتدار پر بٹھایا جاسکے۔

ایسی سیاست جس میں حاکم فقط معاشرہ کی مادی ضرورتوں کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ مکاری، چال بازی اور شاطرانہ طریقے سے حکومتی امور کو اپنے اختیار میں لینا ہے۔ اس میں معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت کی مثال دینا بجا ہوگا کیونکہ معاویہ کا ^{مط} نظر فقط اقتدار اور حکومت تھا، بہت سے اہل سنت بعد رسول خلفا کو جانشین تو مانتے ہیں لیکن آسمانی اور الہی صفات سے فاقد جانتے ہیں۔ اگر عوام الناس کو باور کرانے کیلئے خلافت و حکومت کو صحیح کہا بھی ہے تو صرف ”خلفاء راشدین“ یعنی ابوبکر، عمر بن خطاب، عثمان اور امیر المومنین امام علی۔ تک کو راشدین کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد والوں کو اگر خلیفہ کہا بھی جائے گا تو ضروری نہیں ہے کہ وہ راشد و ہدایت یافتہ ہی ہوں، گمراہ، ظالم بھی ہو سکتے ہیں، اہل سنت خلافت کیلئے عدالت کو شرط بھی نہیں جانتے ہیں سامراج صدیوں سے دنیا بھر کے لوگوں کو خاص طور سے اسلام کے پیروکاروں کو مادی لہو لعب، دنیاوی زرق و برق اور جنسی خواہشات میں الجھائے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ دیرینہ سیاست رہی ہے کہ اسلامی ہویت، معنویت اور وقار پر مادیت کا کھول ہو، معنویت ختم ہو، مسلمان صرف دنیاوی شادمانی و خوشنمائی اور خودنمائی میں مشغول رہیں۔ غرض ہم ساری دنیا پر قدرتمندانہ حکومت کر کے ان کے اموال و افکار پر قابض ہو جائیں۔ اس امر کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ ایشیا اور میڈل ایسٹ کے ملکوں میں کوئی ملک آزاد نہیں ہے کہ یہ سامراج وہاں نفوذ نہ رکھتے ہوں۔

۱۔ شیخ مفید: ارشاد، ص ۱۶۹۔

۲۔ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذر الشامی: الترغیب والترہیب۔

من الحدیث الشریف، ج ۳، ص ۱۷۶، تحقیق مصطفیٰ محمد عمارۃ۔

(۲) مقدس سیاست

مادی اور معنوی ضرورتوں کو پورا کرنے کی مکمل کوشش و تلاش کرنا ہے۔ اس سے اسلامی حاکمیت، مادی امکانات میں شگوفائی کا اقدام و اہتمام کیا جاتا ہے اور اخلاق و سیرت نبوی اور صفات الہی کی پرتو میں لوگوں کی تربیت اور تعلیم کا بندوبست ہوتا ہے تاکہ انسانی عزت و کرامت اور شرافت کی حفاظت ہو سکے۔

﴿ اَنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (۱)

لوگو! فقط اللہ کی عبادت کرو اور دیگر تمام طاغوتوں سے بچو

وَلَا تَكُنْ عَبْدًا غَيْرَكَ وَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ حُرًّا (۲)

غیر خدا کے بندے نہ بنو، اللہ نے تمہیں آزاد بنایا ہے۔

لہذا یہود و نصاریٰ کا زہار دست نگر یا باز پیچہ نہیں بننا چاہئے۔ اس نظریہ پر خاص طور سے مسلمانوں کے امامیہ فرقہ نے اپنے اماموں کی پیروی کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کی اطاعت نہیں کرتے اور پیروی بھی ان کی کرتے جو عدل و انصاف اور سچائی میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہودی سیاست میں بہت سے بھولے مسلمان پھنسے ہوئے ہیں، حالانکہ قرآن نے بتا دیا تھا: 'وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مَلَّتْهُمْ،

اہل غرب کے نظریات کا خلاصہ

ان کے سیاسی نظریہ کا خلاصہ فقط (objectivism) مادی رفاه و راحت، برتری، قدرت اور حکومت ہے۔ اس میں انسان کی قدر و منزلت، دینی اہمیت و فضیلت کا نظریہ شامل نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے فلسفہ وحدانیت اور الوہیت کا رنگ ڈھنگ نہیں پایا جاتا جو فطرت کا بھی تقاضہ ہے یہی وجہ ہوئی کہ فکری تشدد اور متعدد خداؤں کے چکر میں پڑ گئے اور کوئی مستقل نظام نہ ہونے کے سبب مختلف تعریف، خرافات اور انحرافات میں پڑتے جا رہے ہیں۔ نتیجہ میں دنیاوی لحاظ سے بھی انسانی شرافت کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں مل سکا اور حیوانی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

۱۔ سورہ نحل آیت ۳۶۔

۲۔ نہج البلاغہ، ص ۳۱۔

اسلامی نظریات کا خلاصہ

ان سب نظریہ کی تعریف میں ممکن ہے الفاظ میں قدرے اختلاف ہوں لیکن مطالب اور مفہیم تقریباً ایک جیسے ہیں، وہ یہ کہ انسان کی سعادت، فلاح و بہبودی کی رہنمائی، ارتقائی نشوونما اور عدالت کے نفاذ پر نظارت کرنا ہے۔ عدالت کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے اور قدرت، حکومت، سیاست کو عدالت کے زیر سایہ ہونا چاہئے۔ منجملہ (۱) قدرت اہل غرب کی تعریف میں سیاست کا سب سے اہم مقصد اور محور جانا گیا ہے، جس قدرت کو اسلامی سیاست میں کوئی خاص حیثیت نہیں ہے سوائے اثبات حق اور اجرائے قانون کیلئے قدرت کا بیان آیا ہے اور اس ظاہری قدرت سے زیادہ ضمیر و اعتقاد اور ایمان و ایقان کو سراہا گیا ہے (۲) دوسرا بنیادی لفظ حکومت کا ہے، جس پر اہل غرب نے کچھ زیادہ ہی تکیہ کیا ہے جیسے ہر وہ امر سیاست ہے جس کا حکومت سے کوئی ربط ہو۔

رسول اسلام نے فرمایا: جب حکام نیک ہوں، دولت مند بخشش کرنے والے ہوں اور تمہارے درمیان سماجی امور مشورے سے انجام پائیں تو روئے زمین تمہارے لئے زیر زمین سے بہتر ہوگی اور جب تمہارے حکام برے شرمندہ بنجیل ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے ذمہ ہوں تو زیر زمین روئے زمین سے بہتر ہے (۱) یعنی سعادت و نیک بختی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ انسان سماجی نشیب و فراز اور مختلف رسم و رواج میں اسیر ہو کر رہ گیا ہے، اس کا امتیازی شرف Arastocrat سلب کر لیا گیا جبکہ یہ افکار و معلومات بھی ایک وسیلہ ہیں جو خدائی نظام میں سعادت و رحمت اور کرامت کو ترسیم کرتے ہیں، اگر کسی حکومت کا نظام سیاست ان مقاصد سے فائدہ ہو، خواہ ظاہری حکومت کا نظم و ضبط بہتر اور بڑا خوشنما ہی کیوں نہ ہو اسلام میں ایسی حکومت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں امیر المومنین علی ابن ابیطالب شاہکار عدالت، اسوہ شجاعت نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

”وَاللّٰہِ مَا مَعَاوِیَۃَ بِاَذْہٰی مِنْیَّ وَلَکِنَّہٗ یَغْدِرُوْا وَیَفْجَرُوْا لَوْ لَا کَرَاهِیَۃُ الْغَدْرِ لَکُنْتُ مِّنْ اَذْہٰی النَّاسِ وَلَکِنْ کُلَّ غَدْرَۃٍ فَجْرَۃٌ وَکُلَّ فَجْرَۃٍ کُفْرَۃٌ“ (۲)

۱۔ ابن شعبہ الحرانی: تحف العقول عن آل الرسول ص ۳۶، تحقیق علی اکبر غفاری۔

۲۔ نہج البلاغہ ۳۱۸/۲، ۲۰۰، بحار الانوار ۳۳/۱۹، ۴۸۳۷، ۱۵۳۰، ۳۰۷

﴿۶۳﴾

خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ زیرک اور چالاک نہیں، مگر وہ حیلہ گر، فاجر ہے اگر حیلہ گری بری نہ ہوتی تو میں لوگوں میں سب سے ہوشیار ہوتا لیکن ہر قسم کا حیلہ مکرو فریب گناہ اور ہر گناہ کفر اور کفر ایمان سے خارج ہونے کا سبب بنتا ہے۔

اسلامی حکام کیوں نہ ہوں جان لیں کہ اس سیاست کو دماغوزی (Demagogy) عوام فریبی کی سیاست کہتے ہیں یعنی ہدف تک پہنچنے کے لئے اپنے آپ کو لوگوں کا حامی بتایا جاتا ہے، جو اسلام میں درست نہیں ہے۔

معاویہ کا ڈرامائی کردار

طلحہ اور زبیر کی بیعت شکنی میں معاویہ نے بہت بڑا ڈرامائی رول ادا کیا تھا، دونوں کو اکساتے ہوئے کہتا ہے: ”(معاویہ) میں نے تمہارے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے اور طلحہ کو تمہارا جانشین بنادیا ہے۔ زبیر کو یقین ہو گیا اور اپنی زندگی کا راستہ بدل دیتا ہے۔ کیا معاویہ کو زبیر نے نہیں پہچانا تھا؟ کیا زبیر اتنا احمق انسان تھا؟... اور کون سے اسلام نے ایسا جھوٹ معاویہ کے لئے تجویز کیا تھا؟ (۱)

وہ معاویہ جو ایک لمحہ اپنی حکومت میں حضرت علی ابن ابیطالب کو برداشت نہیں کر سکا تھا.. اس میں کوئی شک نہیں، معاویہ کی شاطرانہ چال تھی جو مقصد تک پہنچنے کیلئے ہر کسی چیز کو بھی وسیلہ بنایا اور طلحہ و زبیر کو ڈرامائی انداز سے اپنے ہدف کی طرف کھینچ لیا۔ معاویہ اپنی حکومت کی پائنداری کی خاطر لاکھوں انسانوں کے قتل پر راضی ہو گیا، جنہیں امیر المومنین علی ابن ابیطالب بھی شامل تھے، کیسے ممکن ہے کہ حکومت کو دو شخص طلحہ اور زبیر کے حوالے کر دے۔

بقول جلال الدین مولوی: ”روم کے حاکم کے ذریعہ امام علی علیہ السلام کو قتل کرنے کا راستہ کھول دیا تھا“

معاویہ کی وہی شیطانی سیاست آج بھی حکومتوں کا سیاسی طریقہ کار بنا ہوا ہے اور لوگوں کو غفلت میں رکھ کر ان کا استحصال کر رہی ہیں اور آمرانہ طور سے کرسی اقتدار سے چپکے ہوئے ہیں، خواہ جس طرح بھی ممکن ہو اور اس کا خراج کچھ بھی ادا کرنا پڑ رہا ہو۔ انھیں سب وجوہات کی بنا پر اسلامی نام و نمود کی حکومتیں بھی آزاد نہیں ہیں۔

ڈموکراسی کیا ہے

ہندی زبان میں ”پر جانتز“، یا ”لوک تنتر“، کو ڈموکراسی، جمہوریت (Democracy) حکومت کہتے ہیں۔

کلمہ ڈموکراسی یونانی قدیم دو کلمہ سے ماخوذ ہے،

(۱) الشعب 'Demos' (۲) کراتوس Kratos

جس کا مرکب ہوا ”سلطۃ الشعب“، اردو میں لوگوں کی حکومت (اور ہندی زبان میں راج تنتر) کہتے ہیں ہیرودوٹس، یونانی مؤرخ نے اسے اکثریت کی حکومت بتایا ہے۔

”قِيَامُ الْحَاكِمِينَ بِمَسْئُولِيَّاتِهِمْ فِي الْحُكْمِ أَوْ تَكْلِيفِ مِنَ الشَّعْبِ

عَنْ طَرِيقِ الْإِنْتِخَابِ أَوْ الْإِسْتِفْتَاءِ بِصُورَةٍ وَ نَظْمِهِ الْمُخْتَلِفَةِ“

لوگوں کی دونوں ذمہ داری کے لئے حکومت کا قیام،

تمام شہریوں کو ان کے حقوق میں مساوات، جس طرح دوسرے باشندوں اور ذمہ دار افراد کو ان کا حق ہے۔ قانونی طور سے شہریوں کے لئے اس کی شخصی حریت اور اپنے عقیدہ، افکار اور سماجی حدود میں آزاد ہے۔

ڈموکراسی کی خصوصیت

(۱) انفرادی اور اجتماعی حریت، جس میں آزادی بیان، آزادی تحریر اور سیاسی حزبوں کی آزادی شامل ہے۔

قانون اور اختیار کے ذریعہ سے اس کی ضمانت دینا ہے۔

(۲) سیاسی اور سماجی معاملات میں مساوات کا حق دینا۔

(۳) شخص واحد یا جماعت واحد میں قدرت کا تمرکز نہ ہونا۔

(۴) سیاسی، اجتماعی ثبات و استحکام کا مہیا کرنا ہے۔

(۵) سیاسی ارتقا کا مناسب زمینہ ایجاد کرنا، جس میں خلافت، شکوفائی، استعداد، اقتصادی، ثقافتی افکار اور

اس کے طریقہ کار کا بڑھاوا دینا۔

جمہوری اور ڈموکراسی حکومت میں تمام افراد سیاسی حقوق میں برابر ہیں، سبھی لوگ انتخاب کرنے اور ہونے کا حق رکھتے ہیں۔

ڈموکراسی پر ایک تبصرہ

سیاست مدار باوجود یکہ عالمی پیمانہ پر ڈموکراسی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ ملکوں کو ادارہ کرنے کا یہ بہترین نظام سیاست ہے لیکن اس میں بہت سے کمزور پہلو اور نقائص پائے جاتے ہیں:

(۱) کوئی جامع تعریف اور نہ ہی کسی ایک اصل پر اتفاق ہے۔

(۲) پروپگنڈہ اور میڈیا کے غلبہ سے اصل آزادی، حقائق اور اختیارات سلب ہو گئے ہیں۔

(۳) عوامی سطح پر مادی اقتصادی سہولیات میں نابرابری ہے۔

(۴) رائے دہندگان کی فہم و فراست اور اصل کار میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ ڈموکراسی حکومت کی کمیت کو اہمیت ہے، کیفیت کی کوئی اہمیت نہیں ہے!

بالفاظ دیگر پڑھے لکھے، اہل استعداد، اہل فن و صنعت اور جاہلوں میں فرق نہیں سمجھا گیا ہے!

(۵) خدا محوری کے بجائے خود محوری شامل ہو جاتی ہے (اومانیزم، یعنی جس میں انسان کا ارادہ ہی بنیادی

زندگی کا محور ہوتا ہے، اس طرح کے بہت سے عیوب و نقائص پائے جاتے ہیں) (۱)

نتیجہ

قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ سامراج کا ایک خاص مقصد اس ڈموکراسی کے ذریعہ دنیا کے ملکوں کو کمزور بنانا، ان پر اس بہانے کنٹرول جمانا، طاقت ور اور ثروت مند ملکوں کی طاقت تقسیم کر کے اپنے موافق جماعت کی حمایت کرنا اور اپنی سیاست کا نفاذ کرنا ہے۔ آج جو عالمی پیمانہ کی قیادت کا مسئلہ زیر بحث ہے، اس کا اصل مقصد قدرت کی بقا و استحصال کا مسئلہ ہے اور جن کے اختیار میں دنیا کا بیشتر حصہ ہے، وہ پانچ ملک ہیں، جب وہ چاہیں کسی کے حق کی تائید کریں اور جب چاہیں اپنے ویٹو پاور سے محروم کریں۔

اگرچہ ظلم کی نوعیت بدلی ہوئی ہے لیکن دراصل ہے وہی ڈکٹیٹر اور من مانی راج۔ انھیں یہ قدرت کس نے دی ہے کہ چاہیں تو کسی ظالم و متجاوز کی حمایت کریں، چاہیں تو دوسرے ملکوں پر ویٹو پاور سے دہشت گردی کا الزام لگا دیں، جس کو چاہا تو رزم کہہ دیا اور اپنے منافع و مفاد کیلئے دوسرے ملکوں کو تاراج کر کے اس کے خزانوں کا استحصال نیز وہاں کے لوگوں کا آشیانہ اجاڑ کر آبروریزی کریں، کیا یہی اہل غرب کی ڈموکراسی ہے؟

اس کے مقابلہ میں انبیاء الہی نے ہمیشہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کرنا سکھایا۔ رسول اعظم ﷺ نے مدینہ منورہ میں حکومت تشکیل دی تو مسلمان اور غیر مسلمان کے حقوق میں کرامت انسانی کی بنیاد پر عدل و مساوات کا برتاؤ کیا۔ اس کے بعد امیر المومنین علی ابن ابیطالب - نے رسول خدا کی درست صاف شفاف سیاست کا رواج پیدا کیا، تقریباً پانچ سال کی مدت میں حکومت الہی کا جو نمونہ پیش کیا ہے، اس میں دشمن کو بھی انکار کی گنجائش نہیں ہوئی ہے، خوارج (جو معاویہ کے فریب میں آ کر امام علی علیہ السلام کی اطاعت سے روگردانی کی) جیسے دشمنوں سے فرمایا کہ تمہارا میرے اوپر تین حق ہے:

(۱) مسجد کی رفت و آمد میں کوئی روک ٹوک نہیں کروں گا،

(۲) بیت المال سے تمہارا وظیفہ نہیں کاٹوں گا کبھی بھی

(۳) اور تم سے جنگ کرنے میں پہل نہیں کروں گا (۱)

اہل ڈموکراسی

صرف لوگوں کے رفاہ و راحت کا نعرہ (لوگوں کی حکومت، لوگوں کے ذریعہ اور لوگوں کے لئے) بلند کرتے ہیں، ان کی نظر میں اصل بحث کا محور لوگ ہیں، دین و خدائی تصور اور اعتقاد کی دور دور تک جھلک نہیں دکھائی دیتی ہے۔ زندگی کی ماہیت، کیفیت اس کی ضرورت کو ڈموکراسی معین کرتی ہے، جبکہ ڈموکراسی کے قانون چند افراد خواہ وہ متعصب، مفاد پرست، سود جو، مال و مقام کے حریص لوگ بنائیں۔

ڈموکراسی کی اکثریت، اقلیت کی اہمیت اور اس کے حدود کو تنگ کر دیتی ہے اور ایک طرح کی آمریت کو رضایت دیتی ہے۔

اسلام اس فکر کو قبول نہیں کرتا ہے کیونکہ اکثریت بھی اگر آئین خدا، عدل و انصاف کی پابند ہو، تو محترم ہے ورنہ اکثر کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

﴿مَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾ (۱)

ان میں سے اکثر لوگ صرف شک و گمان کی پیروی کرتے ہیں یقیناً گمان، حق کی معرفت میں کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اس لئے اکثریت کی رائے ایسے وقت میں قابل قبول اور اہمیت کی حامل ہوگی جبکہ خدائی قانون عقلی اصول کی روشنی میں ہوگی۔ اس خدائی قانون اور اصول عقلی میں جدانہ ہونے والا رابطہ ہوتا ہے۔

خلاصہ

ڈموکراسی کے ماہرین انسانی حقوق کے تحفظ کی خاطر اقوام متحدہ میں قانون جعل کرتے ہیں جبکہ انسان پیدا ہوتے ہی اللہ کی طرف سے اپنے کچھ حقوق ساتھ لیکر آتا ہے۔ ہزاروں حدیثیں حقوق کی مراعات کے سلسلہ سے کتب احادیث میں ذکر ہیں، زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسائل کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ غرض کہ قرآن و حدیث نے ایک اچھے معاشرہ سے متعلق رہنمائی کی ہے اور شریعت کی باتیں خارج از حقیقت نہیں ہوا کرتی ہیں۔

لائک

لائک یا لائیسم (Laicism) یہ لفظ انگریزی (laicus) جو امور خدا کے مقابلہ میں بندوں کے امور سے ماخوذ ہے۔ جس کا مقصد حسب ذیل ہے:

مذہبی معاشرہ کو سیاسی قدرت سے الگ تھلگ رکھنا، حکومتی کارکنوں کا کفر والحاد کے رسم و رواج پر تاکید اور مذہبی امور سے پرہیز کرنا، دینی نظریات سے دوری اختیار کرنا ہے۔ اس نوع حکومت میں حکمراں جماعت اور باشندے ملحدانہ عقیدہ رکھتے ہوں تو انھیں لائیک کہتے ہیں جیسے فرانس کی حکومت ۱۹۰۵ء سے رسمی طور پر لائیک ہو گئی اور ترکیہ کو ۱۹۲۲ء میں لائیک حکومت بنا دیا گیا جبکہ اس ملک کے باشندے دین پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (۱) ترکی دارالاسلام کے حکم میں آتا ہے، اسلئے کہ اکثریت سے وہاں کے لوگ مسلمان ہیں اور وہاں جانی، مالی اور عقیدتی آزادی تھی لیکن چند دہائی سے حکمراں جماعت نے سامراج کی خوشنودی میں یورپی تہذیب و ثقافت امت مسلمہ پر تھوپ دی ہے، چنانچہ وہاں کی سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ لوگ دین چاہتے ہیں اور حکمراں سیاسی جماعت غریبوں کی خوشنودی چاہتے، خود میں اتنی صلاحیت نہیں کہ اپنے ملک کی ضرورتوں کو خود پورا کر سکیں۔ یہ ہے عہد جدید کی ڈموکراسی جو حقوق بشر کی سب سے بہترین ضامن ہے، اسی کو عالمی مقبولیت بھی حاصل ہے جس میں ”انسان اور گدھا دونوں لباس انسانیت پہن لیں تو چھوٹے سے فرق کے بھی قائل نہیں ہوتے کیونکہ لوگوں کی تعداد کا فقط معیار مانتے ہیں، ان کی کیفیت کا لحاظ نہیں کرتے ہیں (۲)

سازش اور موقعیت سے استفادہ

اگر پرہیزگاری، دینداری، شرافت اور کرامت انسانی کا مسئلہ نہ ہوتا تو امام علی - سب سے بڑے سیاسی ہوتے یہی سب چیزیں مانع تھی کہ کبھی موقعیت یا کسی کی مجبوری سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اصول دینی اور فلاح انسانی کے تحت عمل کیا۔ جس وقت طلحہ اور زبیر خدمت حضرت امیر المومنین - میں آئے اور عرض کیا آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ حکمراں جماعت میں شریک کر لیجئے تو فرمایا:

”لَا وَلَیْکُمْ شَرِیْکَانِ فِی الْقُوَّةِ وَالْإِسْتِعَانَةِ وَعَوْنَانِ عَلَی الْعِزِّ وَالْأَوْدِ“ (۱)

نہیں! تم صرف مدد کرنے اور ہاتھ بٹانے میں شریک اور مشکل دختی کے موقع پر مددگار بن سکتے ہو۔

یعنی امام - ہرگز تغافل، موقعیت اور شاطرانہ طور سے فائدہ اٹھانے کو سیاست نہیں سمجھتے اور نہ تو اس طریقہ سے حکومت ہی حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کے علاوہ دیگر مکاتب اور سیاست دانوں نے کبھی سیاست کو علم قدرت جانا اور کبھی علم، مطالعہ و دولت اور کبھی معاشرہ پر علم حکومت سے تعبیر کیا ہے۔ سامراج کی تہذیب اور دیانت میں کامیابی کی راہیں دولت، قدرت، سلطنت اور حکومت کی تحصیل ہے۔ وہ ماوراء طبیعت، معنویت، سعادت اور راحت نفس جیسی باتوں سے دور ہیں، دوسرے ملکوں کے افکار اور ان کے مادی ذخائر پر ناجائز اقتدار جمانے کے درپے ہیں۔ وہ جہاں اپنی جھولیاں بھرنے کیلئے قوموں اور ملکوں میں نفوذ کر کے دنیا کی تسخیر میں مصروف ہیں، وہیں پر اسلام کی تہذیب و ثقافت اور اصل ہیئت کو بگاڑنے کی پوری پوری کوشش کر رہے ہیں۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

اسلام کی نظر میں ہر کوئی نظام ڈموکراسی ہو یا جمہوری، اگر اس کی حاکمیت اور ادارت کا سرچشمہ خدائی اصول سے جدا ہو تو وہ اسلام کی نظر میں معتبر نہیں ہے۔ اسلام کے علاوہ جو بھی نظام ہیں ان کے حکام لوگوں پر حکومت اور قیادت اپنے نظریاتی مفاد کے مطابق تحمل کرتے ہیں، خود کو حاکم اور دوسروں کو محکوم سمجھتے ہیں جو اسلام کے اصول سے میل نہیں کھاتا ہے۔

سرکارِ دو عالم رسول اللہ ﷺ کے بعد عدل و مساوات کی حکومت کے علمبردار اور اس کے محافظ امیر المومنین امام علیؑ کا ایک جملہ جس میں بہت بڑا پیغام مضمر ہے، اس سلسلہ میں آپ بھی غور کریں:

”اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ الَّذِي كَانَ مِنَّا مُنَافَسَةً فِي سُلْطَانٍ وَلَا اَلْتِمَاسَ شَيْءٍ مِنْ فُضُولِ الْخُطَامِ وَلَكِنْ لِنَرِدَ الْمَعَالِمَ مِنْ دِينِكَ وَنُظْهِرَ الْاِضْلَاحَ فِي بِلَادِكَ فَيَاْمَنَ الْمَظْلُوْمُوْنَ مِنْ عِبَادِكَ وَتُقَامَ الْمُعْظَلَّةُ مِنْ حُدُوْدِكَ“ (۱)

خدایا! تو بہتر جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی انجام دیا ہے وہ نہ سلطنت کے لئے تھا اور نہ ہی متاع دنیا کی ذخیرہ اندوزی کیلئے بلکہ اس لئے انجام دیا کہ تیرے دین کی نشانیوں کو واپس لاؤں اور تیرے ملکوں میں اصلاح و ہدایت کو آشکار کروں تاکہ تیرے مظلوم بندے امن و سلامتی اور آزادی کی زندگی بسر کریں، وہ قوانین جو بھلا دئے گئے ہیں دوبارہ زندہ ہوں۔

مزید فرماتے ہیں: خدایا میں نے بس تیری طرف رخ کیا، تیرے احکام کو سنا اور قبول کیا، تیری بندگی میں رسول کے علاوہ کسی نے مجھ پر سبقت نہیں کی ہے۔

”جنگ جمل میں کچھ سردار قبیلہ حضرت علیؑ کی شدت عدالت سے مایوس ہونے کے بعد امام علیؑ سے اجازت چاہی تاکہ حج عمرہ انجام دینے کیلئے مکہ روانہ ہوں۔

امام نے فرمایا: تم حج عمرہ کے لئے نہیں جا رہے ہو! ان دونوں نے قسم کھائی کہ حج عمرہ کے علاوہ کوئی اور ارادہ نہیں ہے، آخر کار امام علیؑ نے جانے کی اجازت دیدی۔ جب وہ دونوں باہر چلے گئے امام نے حاضرین سے فرمایا:

ان دونوں کو اس کے بعد نہیں دیکھو گے کیونکہ ایک جھڑپ میں مارے جائیں گے۔
حاضرین نے کہا: یا امیر المومنین علیہ السلام پھر حکم دیجئے تاکہ ان دونوں کو واپس بلوالیا جائے۔
امام علیہ السلام نے فرمایا:

”انھیں اپنی راہ جانے دو تا کہ قضاء الہی (جس کا زمینہ خود انھوں نے فراہم کیا ہے) ان پر نازل ہو“ (۱)
یہ دونوں مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے اور جو بھی ملتا کہتے کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی کوئی بیعت ہماری گردن پر نہیں
ہے، جن لوگوں کو طلحہ وز بیر کا جھوٹ اور مکر معلوم ہوا کہا خدا اپنی رحمت ان سے دور کرے۔

۱۔ علامہ محمد تقی جعفری: ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۳۲/۲۱-۱۷/۱۶

شرح نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۲۳۱/۲۳۳: ابن ابی الحدید۔

اسلام کا سیاسی نظریہ

مسلمانوں کی تاریخ میں سیاست و تدبیر اور ملک کو ادارہ کرنے کا عمل صدر اسلام سے دیکھا گیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ کسی مستحکم اور پائیدار سوسائٹی (establish society) کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) اس چیز کا ویلو (valu) جو مقصد زندگی کو معین اور معاشرہ کے افراد کو اس کی طرف ہدایت کر سکے۔

(۲) جو قاعدہ یا اصول مد نظر امور کی اہمیت کے تحت معاشرہ کے لئے مددگار ہو سکتا ہے۔

(۳) ایک طرح کا نظم و تشکیل (orgnized) اور لوگوں کا کردار ہی معاشرہ کے نظام کو درست اور فعال

رکھتا ہے ہر سماجی نظام کو اپنے اس ہدف کے محفوظ و مستمر رکھنے کیلئے یہ کام کرنا پڑتا ہے، کسی نظام کی حفاظت اور اجتماع سے روابط اور اختلاف کا حل، مقصد تک پہنچنا اور شرائط کا منطبق ہونا، ہر معاشرہ کے سیاسی نظام میں یہ چار وظائف انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔

دوسرے ایسے احکام، اصول، اشارے، کنائے، واقعات اور دلائل ہیں جن سے سیاسی امور کی شکل یا اس کے اصول مرتب ہوئے ہیں جیسا کہ بعض انبیاء (ملوک بھی گذرے ہیں، ان) کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور ایک اسلامی ریاست کو ادارہ کرنے کی بنیادی تدبیریں بتائی گئیں ہیں (۱)

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ (۲) ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔

۱۔ شبلی و سلیمان ندوی: سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۵۵۔

۲۔ سورہ شوری، آیت ۳۸۔

مرسل اعظم ﷺ فرماتے ہیں: ”أَنَّهُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُشَاوِرُ أَحَدًا إِلَّا هُدِيَ الرُّشْدُ“

کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ اپنے کاموں میں مشورہ کرے اور درست ہدایت نہ مل پائے۔

پیغمبر اکرم ﷺ عقل کل پیغام وحی سے متصل ہونے کے باوجود سماجی، اجرائی، جنگ و صلح اور دوسرے اہم

کاموں میں مشورہ کرتے اور ان کے نظریات کی قدردانی کرتے تھے (۱)

اس کے علاوہ آیت و روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ قرآن میں لفظ سیاست کا صراحت کے ساتھ بیان نہ

بھی ہوا ہو لیکن بہت سارے اجتماعی، حکومتی، قضائی، حقوقی، نظامی، آبادانی، دفاعی، اجرائی، میراثی، جنگی، ثقافتی

ایسے امور ہیں جن کو سیاست ہی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

کلام ائمہ میں دیگر بہت سے احکام، اشارے، کنائے وغیرہ استعمال ہوئے ہیں کہ جن سے سیاست کے

مفہیم کو آسانی سے استخراج کیا جاسکتا ہے جیسے خلافت، نبوت، رسالت، امامت، وراثت، ملک، ادارت،

قضاوت اور جنگ سے متعلق امور، حدود و قصاص، جاری کرنا، مسلمان کا کافر و مرتد ہو جانا، ظلم کے خلاف بیزاری

اور مظلوموں کی ہمدردی، قوم کے پسماندہ لوگوں کی حمایت ایسے بہت زیادہ مفہیم قرآن میں موجود ہیں جو

سیاست اور اس کے مترادف الفاظ پر دلالت کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر: ﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا

تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا

نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (۲)

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ (نمائندہ) بنایا تم لوگوں کے درمیان حق کا فیصلہ کرو اور خواہشات

نفسانی کی پیروی نہ کرو، ورنہ تمہیں راہ خدا سے منحرف کر دے گی، یقیناً جو راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں ان کے

لئے سخت عذاب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے روز حساب کو بھلا دیا ہے۔

﴿ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ﴾ (۱)

حق کا حکم اور فیصلہ کرنے کو ہی خلافت کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔

آیت میں کہا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے درمیان ایسا فیصلہ کرنا جو حق کے قانون پر مبنی ہو یہی تو دیانت ہے اور اس کے علاوہ جو حکم ہو گا وہ غیر شرعی ہو گا۔ حکم اور حکومت چلانا دین کے اصول کے مطابق ہو اور یہ وہی نعرہ ہے جو مرحوم آیت اللہ شہید مدرس نے بلند کیا تھا:

”سیاست ما عین دیانت ما و دیانت ما عین سیاست ماست“

اسلامی سیاست ہماری دینداری اور ہماری دینداری ہی عین سیاست ہے۔

یہاں پر علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے کہا ہے کہ سیاست:

یعنی قرآن کے مطابق لوگوں کو دین اور دنیا کے امور میں مقصد کمال کی طرف رہنمائی کرنا ہے (۲) مختصر طور پر اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی مفاہیم میں سیاست کے غصہ پائے جاتے ہیں۔

﴿ وَجَعَلْنَا هُمْ أَيْمَةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴾ (۳)

ہم نے انہیں امام بنایا تاکہ ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے نمائندوں کی امامت کا ذکر ہے، وہیں شیطانی نمائندوں کی امامت کا ذکر ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا هُمْ أَيْمَةً يَهْتَدُونَ إِلَى النَّارِ ﴾ جہاں جناب ابراہیم، جناب عیسیٰ، جناب موسیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے گھروالوں کی خدائی نمائندگی ہوگی، فرعون، نمرود، ابو جہل و ابوسفیان کے گھروالوں کی شیطانی نمائندگی بھی ہوگی۔ پیغمبر اسلام ﷺ سے حدیث بیان ہوئی ہے:

۱۔ سورہ ص، آیت ۲۲۔

۲۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی: تفسیر المیزان ج ۳۳/۳۱۱۔

”إِنَّ الرِّيَاسَةَ لَا تَصْلَحُ إِلَّا لِأَهْلِهَا مَنْ دَعَى النَّاسَ إِلَى

نَفْسِهِ وَفِيهِمْ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ (۱)

قیادت فقط اس کی اہلیت رکھنے والے کو زیب دیتی ہے جو رہبری کی اہلیت رکھتے ہوں پس جو اپنی ذاتی غرض کے لئے لوگوں کو دعوت دے جبکہ لوگوں میں اس سے بہتر افراد موجود ہوں تو خداوند عالم روز قیامت ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرے گا۔ یعنی ایسے حاکم جن میں اہلیت و صلاحیت نہیں ہے، ان کی حکومت اور قیادت درست نہیں ہے۔ اس سے واضح الفاظ میں قیادت کا بنیادی قانون یا اصول سیاست اور کیا ہو سکتا ہے؟

اسلامی سیاست اور سیاست دان کو جداگانہ بیان کیا ہے کیونکہ ممکن ہے، مذکورہ سیاسی شخصیت، ائمہ اہلبیت سے دوری، قطع رابطہ، انحرافات، اختلافات، مختلف وجوہات جیسے ظالم حاکم کے زیر نظر رہے ہوں، اس بنیاد پر درست سیاست کا اعلان نہیں کر سکا یا ظاہری اقتدار ماحول نہ ہونے سے عدم علم میں بسر کر رہے ہوں، یا طاغوت کے زیر اثر حکومت میں قرآن کے حقیقی معنی کے بجائے غلط معنی اور تفسیر سے متاثر رہے ہوں یا عدم اقتدار کی وجہ سے قوم افتراق و انتشار میں پڑ رہی ہو جیسا کہ وفات رسول سے ہی کئی نظریہ اور طریقہ کار حکومت کے سلسلہ میں سامنے آیا ہے جو خود ساختہ اور ایک غلط سیاست پر مبنی تھا۔ انھوں نے ظاہری احکام کو اپنا لیا ہو اور روح اسلام سے دور ہوتے گئے۔

اسی طرح کا طریقہ آج بھی ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ بعض ممالک جو سامراجی طاقتوں کے زیر اثر ہیں، وہ اپنے مفاد کے تحت آیتوں کی تفسیر و تاویل کر رہے ہیں۔ عوام فریبی کیلئے درباری علماء بھی حکومتوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ ایسے مسلمان نماحاکموں اور سیاستدانوں سے عالم اسلام میں تباہی و بربادی پھیلی ہوئی ہے۔

اسلامی دانشوروں کی رائے

اسلامی دانشوروں کی نظر میں

سیاست: معاشرہ کو الہی قانون کی بنیادوں پر اس طرح استوار کرنا کہ دنیا و آخرت کی سعادت نصیب ہو سکے خاص طور سے مادی امکانات کو فطری قوانین کی روشنی میں شگوفائی حاصل ہو سکے اور نتیجہ میں آئین الہی کے نفاذ سے انسانیت کو کمال مطلوب تک پہنچا سکے گی۔

علامہ محمد تقی مصباح اسی مفہوم کو تعریف سیاست میں یوں بیان کرتے ہیں:

سماج کو ادارہ کرنے کا طریقہ یا تنظیم ہے تاکہ معاشرہ کے مصالح اور خیر و سگالی کا تحقق ہو سکے۔

دوسرے لفظوں میں: سیاست ملک کو ادارہ کرنے کا آئین ہے، اس شرط سے کہ منفی پہلو نہ ہوں یعنی فریب کاری، دھوکہ بازی اور مکاری و عیاری نہ ہو (۱)

حضرت امام خمینی اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

”یہ بات جو کہی گئی ہے کہ دین: سیاست سے جدا ہے اور علماء اسلام کو سماجی و سیاسی امور میں دخالت نہیں کرنا چاہئے“

یہ سب باتیں بے دین لوگ کرتے ہیں، اس بات کا سامراج نے پروپیگنڈہ کر رکھا ہے، ورنہ کیا ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ میں سیاست دین سے جدا تھی؟

اس زمانہ میں کچھ علماء، کچھ سیاست داں اور کچھ حکمران تھے؟ خلفاء حق ہوں یا ناحق، کیا حضرت امیر المومنین کی خلافت سیاست، دیانت سے الگ تھی؟ یہ بات سامراجی اور سیاسی لوگوں نے درست نہیں کی ہے تاکہ دین کو دنیاوی امور میں تصرف کرنے اور معاشرہ کو نظم اور ادارہ کرنے سے الگ کر دیں، اور اسی طرح لوگوں کی آزادی اور استقلال کی خاطر علماء اسلام کو جہاد اور مبارزہ سے جدا کر دیں گے؟ (۱)

ابونصر فارابی: حکومت کی بہترین خدمات کو سیاست جانا جاتا ہے،

ان کی نظر میں: ”انسانی خدمات کا ما حاصل ہی سیاست ہے“

فارابی کی نظر میں اچھی حکومت وہ ہے:

”جو افعال و سنن اور ملکہ ارادی کو حکومت کے ضمن میں حقیقی سعادت کی طرف رہنمائی کر سکے“

اور لوگوں کیلئے ایسی حکومت فراہم کر سکے جو خوش بختی، سعادت مندی ایجاد کرتی ہے (۲)

سیاست: سوسائٹی کو ادارہ کرنے کا ایک ایسا طریقہ ہے کہ جس سے مادی اور معنوی فائدہ معاشرہ کو پہنچایا

جاتا ہے (۳)

سیاست: اقوام عالم میں اعتدال قدرت کا سامان فراہم کرنا ہے جس کے ذریعہ ایک دوسرے پر تفوق،

تفریق اور توہین کا سامان فراہم نہ ہو اور نتیجہ میں صلح عام برقرار ہو سکے (۴)

معروف مفکر علامہ سعدی کے بقول:

ملک کے لئے سیاست اس طرح لازم ہے، جس طرح سے تجارت کے لئے مال اور علم کے لئے مباحثہ اور

نقد و بحث ضروری ہوتا ہے (۵)

۱۔ روح اللہ الموسویٰ خمینی، ولایت فقیہ، ص ۲۳۔

۲۔ ابونصر محمد فارابی، احصاء العلوم، ترجمہ حسین خدیو جم، ص ۱۰۷۔

۳۔ محمد جواد نوروزی، نظام سیاسی اسلام، ص ۱۶۔

۴۔ عیسیٰ ولای ص ۱۰۶۹۔

اسلام میں سیاست

ممکن ہے سیاسی حضرات اسلامی سیاست کی اس گہرائی تک نہ پہنچ سکے ہوں جو واقعاً اسلام کا نظریہ ہے انھوں نے حتی المقدور اسلام کا سیاسی نظریہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہو در انحالیکہ اسلام کا صحیح نظریہ کچھ اور ہی رہا ہو، اس لئے چند معتبر کلام کا سہارا لیکر بحث کو آگے بڑھاتے ہیں:

”السِّيَاسَةُ اسْتِصْلَاحُ الْخَلْقِ بِارْشَادِهِمْ إِلَى الطَّرِيقِ الْمُنْجِي فِي الْعَاجِلِ وَالْآجَلِ“

لوگوں کو ہدایت کے ذریعہ اصلاح کی کمرہمت باندھنا تا کہ انھیں دنیا و آخرت میں رہائی و نجات مل سکے (۱)
”السِّيَاسَةُ هِيَ أَنْ تُؤَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَ حَقَّ الْإِخْيَاءِ وَ الْأُمُوتِ“ (۲)

امام حسن - سے نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے زندہ اور مردہ بندوں کو ان کا حق پہنچانا ہی سیاست ہے۔
زندوں کو ان کے حقوق کا پہنچانا واضح ہے لیکن مردوں کا منجملہ حق یہ ہے کہ ان کی خدمات کا ذکر ہو اور ان کی قربانیوں کو یاد کیا جائے، خاص طور سے جو جتنے بلند مقام کا مالک ہوگا اسی لحاظ سے اس کا احترام کیا جاتا ہے، جیسے ائمہ اہلبیت سے امام حسین - نے تحفظ اسلام کی خاطر اتنی عظیم قربانی پیش کی جو ہمیشہ کیلئے بقاء دین کی ضامن بن گئی۔
سیاست: انسان کی اپنی آگہی اس معاشرہ کی نسبت جہاں سے گزرتا اور اس سے وابستہ ہوتا ہے (۳)

۱۔ سعید الخوری شرتونی: اقرب الموارد فی فصیح العربیہ والشوار، ج ۱۔

۲۔ سیرۃ الائمة الاثنی عشر، ج ۱ ص ۵۲۵۔

۳۔ ڈاکٹر علی شریعتی: تاریخ ادیان، ص ۱۱۔

علامہ محمد تقی جعفری

سیاست: لوگوں کی اجتماعی زندگی کو ادارہ کرنا اور ہر ممکن بہتر تنظیم دینا ہے، جو مقصد زندگی کی معقول راہوں پر گامزن ہو (۱)

جمہوری اسلامی کے بانی حضرت امام خمینی کا کہنا ہے
سیاست یہ ہے کہ انسان سماج کی ہدایت کرے، سماج کی تمام مصلحتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ایسی چیزوں کی رہنمائی کرے جس میں ان کی خیر و صلاح اور بھلائی ہو، افراد کی اصلاح ہو اور یہ کام انبیاء سے مخصوص ہے، دوسرے اس سیاست کو ادارہ نہیں کر سکتے۔ یہ انبیاء اولیاء سے مخصوص ہے اور ان کی پیروی کرنے والے بیدار علماء اس سنگین ذمہ داری کو انجام دے سکتے ہیں (۲)

علامہ محمد تقی جعفری

علامہ نے اپنی تعریف کی وضاحت میں معقول حیات کو انبیاء الہی کی والاصفات بتایا ہے۔
انبیاء الہی اور ان کے ادویا جیسے حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ و حضرت علی مرتضیٰؑ کے بلند مقاصد کو بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے کسی طرح کی بھی فداکاری، ایثار و قربانی سے دریغ نہیں کیا اور اپنے عمل سے اس راہ کو باقی اور زندہ رکھا ہے (۳)

اسلام کا جو مقصد ہے وہ تمام موجودہ وسائل اور امکانات کا انسان کے فلاح و کامیابی تک پہنچنے کیلئے استفادہ کرتا ہے۔ اس کو صحیح طریقہ سے استعمال کرنا ہی سیاست ہے۔ درست سیاست ہی اس آرزو کو پورا کر سکتی ہے، جس سے ہر انسان کی ہدایت و اصلاح ہو سکے۔

۱۔ محمد تقی جعفری: حکمت اصول سیاسی اسلام، ص ۴۱۔

۲۔ روزنامہ اطلاعات ۴، ۱۰، ۱۳۵۹ ش، فارسی تہران۔

۳۔ محمد تقی جعفری: حکمت اصول سیاسی اسلام، ص ۱۴۔

سیاست کا محور

اسلامی سیاست کا محور یہ ہے کہ انسان قانون خدا کی پیروی کرے کیونکہ یہی زندگی کے تمام مراحل میں روشنی اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے، طاغوتی طاقتوں کی پیروی انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے۔

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَانُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۱)

ایمان والوں کا سرپرست اللہ ہے جو انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور جو کافروں کو اپنا ولی بنالیتے ہیں انھیں نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں، ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ان مذکورہ بحث میں جو ایک اہم نکتہ بحث کا محور بن سکتا ہے وہ ولایت اور قیادت کا مسئلہ ہے، ہم نے دیکھا اسلامی افکار میں ہر ایک مفکر نے تقریباً اسی مفہوم کو اپنی تعریف کا جزء بھی بنایا ہے۔ قرآن و سنت سے دلیلیں اس سلسلہ میں فراوان ہیں جو اللہ تعالیٰ نے امامت کے سلسلہ میں معاشرہ کی رہبری کے لئے قرار دیا ہے۔

امامت کی وضاحت: امامت مسلمانوں کی دین و دنیا سے متعلق ایسی رہبری ہے جو کہ مرسل اعظم ﷺ کی خلافت اور نیابت کی بنیاد پر استوار ہے (۲)

دوسری جگہ امامت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے

امامت دینی اور دنیوی امور میں مکمل پیشوائی و سرداری ہے (۳)

ائمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہاری رہنمائی کرنے والے ہیں لہذا دقت کرو کہ تم اپنے دین اور (احکام) نماز میں کس کی اقتدا کر رہے ہو (۴)

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۷۔

۲۔ عبدالرزاق لاہجی: گوہر مراد، بے تا، ص ۳۲۹۔

۳۔ ابراہیم امینی: بررسی مسائل کلی امامت، ص ۲۷۔

۴۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار، ۲۳-۳۰۔

نفاذ ولایت سیاست ہے

اللہ تعالیٰ کی پیروی کا دو طریقہ ہے (۱) اس کی ولایت اور حاکمیت کا تسلیم کر لینا (۲) اس کی اطاعت اور بندگی انجام دینا۔ ولایت کا تعلق انسان کے باطن اعتقاد سے ہوتا ہے اور اطاعت و بندگی کا تعلق ظاہری اعضاء بدن سے ہوتا ہے۔ اسلام میں روزہ نماز سے زیادہ اللہ کی ولایت و اطاعت مہم ہے پھر اس کے رسول اور جانشینوں کی پیروی کرنا اور اس کے ساتھ ہی دوسروں کی ولایت و سرپرستی سے انکار کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ نے کچھ ذمہ داری اپنے نمائندوں کے سپرد کی ہیں اور لوگوں کو بھی چاہئے ان کی اطاعت کریں۔ اسلامی اصول میں اتحاد و انجام کی کم اہمیت نہیں ہے، ہر عبادت عمل و کردار میں ولایت کو ہی معیار بنایا گیا ہے۔ جن بنیاد پر سب کو اطاعت خدا کے ساتھ رسول و ائمہ کا اطاعت گزار ہونا چاہئے کیونکہ وحدت و اتحاد کے لئے توحید پر اعتقاد ہی سب سے اہم ہے۔ اسی ولایت کا ہی ثمرہ امت واحد اور حکومت الہی ہے۔ قابل غور بات ہے کہ ولایت اور قیادت سے متعلق جو خصوصیت ذکر ہوئی ہے اس کو اسلامی منابع کی کتابوں میں بتدریج ولایت رسالت اور امامت سے تعبیر کیا گیا ہے جس میں ان صاحبان ولایت کی معرفت، اطاعت اور ان سے عقیدت کی بڑی تاکید کی گئی ہے

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾

بیشک تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور اہل ایمان ہیں جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکات ادا

کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہوتے ہیں (۱)

صاحبان امر؛ اللہ تعالیٰ کی ذات مبارک، پھر رسول کریم اور ائمہ ہدیٰ ہیں، جن کے اعمال و کردار کے گرد صحیح سیاست گھومتی ہے چنانچہ جب ایک انسان کامل معاشرہ کی ادارت خدائی حاکمیت کے تحت ادارہ کرتا ہے تو وہی اسلامی حکومت کا بہترین نمونہ بن جاتا ہے اور اس کی سعی و کوشش اسلامی خصوصیت کی حامل بن جاتی ہے جو اس ولایت سے ہٹ جاتا ہے وہ شیطانی اور باطل کی حکومت کا مصداق ہوتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُبِينًا﴾

جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا سرپرست بنائے گا وہ کھلم کھلا گھائے میں ہوگا (۱)

﴿أَنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو سرپرست بنالیا ہے (۲)

خدا کی ولایت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ اور ان کے جانشین کی ولایت کی پیروی لازم ہے، جس میں ہر ایک کی ولایت ایک دوسرے سے متعلق، مرتبط اور منسلک ہوتی ہے۔

حضرت رسول اکرم ﷺ امام علی - سے فرماتے ہیں:

”در اصل خوش بخت وہ شخص ہے جو تم سے محبت کرتا اور تمہاری پیروی کرتا ہے“ (۳)

حسکانی نے حذیفہ سے استناد کرتے ہوئے ایک روایت سرکار رسالت محمد مصطفیٰ ﷺ سے نقل کیا ہے:

”وَإِنْ تَوَلَّوْا عَلَيًّا تَجِدُوهُ هَادِيًا مَهْدِيًا يَسْلُكُ بِكُمْ الطَّرِيقَ الْمُسْتَقِيمَ“ (۴)

اگر تم لوگ علی ابن ابیطالب سے محبت کرو گے اور انہیں اپنا سرپرست بنا لو گے پھر تم انہیں اپنا ہادی اور مہدئ پاؤ گے۔ وہی تمہیں صراط مستقیم پر لے چلیں گے۔ اس حدیث شریف میں لفظ ”إِنْ“ شرط کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کی دلالت مفہوم پر ہوتی ہے، جیسے منطق کا قانون ہے:

۱. سورہ نساء، آیت ۱۱۹۔

۲. سورہ اعراف، آیت ۳۰۔

۳. شیخ طوسی: الامالی ص ۴۲۶۔ تحقیق موسسہ البعث۔

۴. ابو نعیم اصفہانی: حلیۃ الاولیاء، ج ۶/۱، ح ۱۔ بحار الانوار، ج ۳۵/۳۹۸۔ المناقب ج ۳/۸۳ (ملتی جلتی حدیث)

”اِنْ كَانَتْ الشَّمْسُ طَالِعَةً فَالنَّهَارُ مَوْجُودٌ“

اگر سورج نکلا ہوگا تو دن موجود ہوگا اور اگر سورج نکلا نہیں ہوگا تو دن موجود نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اگر علی ابن ابیطالب کو اپنا ولی اور امام تسلیم کر لو گے تب امام علی - ہدایت اور تمہاری دستگیری کریں گے پھر تمہارا سیدھا راستہ بہشت کا ہوگا اور اگر علی ابن ابیطالب کے علاوہ کسی اور کو ولی، امام یا سرپرست بنایا تو تمہارا مسلک جہنم ہوگا۔ یہ مفہوم حجت ہے، جس پر جملہ علماء اصولیین کا اتفاق ہے۔ اس حدیث شریف سے نتیجہ یہ نکلا کہ درست سیاست اور اس کے اصول کی بازگشت امام علی علیہ السلام کی ولایت، امامت اور محبت پر ہی منحصر ہے۔

ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب کسی چیز کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے تو اس کی مخالفت بھی زیادہ ہوگی؛ جیسے اصول دین میں ملاحظہ فرمائیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبوت، عدالت، قیامت کی مخالفت امامت کے مقابلہ میں کم ہے۔ امامت کیلئے زیادہ مخالفت اور حساسیت دیکھنے میں آتی ہے۔ زمانہ حاضر میں جب دشمن نے دیکھا حضرت رسول اکرم ﷺ کی عالمی شخصیت کے پرچم تلے سارے مسلمان جمع ہو رہے ہیں، اس وقت سے شخصیت رسول کو مٹانے کیلئے مختلف طریقہ کار اپنالیا ہے، حد ہو گئی کہ آنحضرت کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ یہی کام حیات رسول سے دشمن امامت کیساتھ کر رہے ہیں اور اہل بیت کی ولایت کے مخالفین کفار و مشرکین اور منافقین نے متحدہ محاذ بنالیا ہے۔ جس کی وجہ سے کیا کچھ مظالم رسول اللہ کے اہل بیت پر نہیں ڈھائے گئے ہیں۔ بیشتر ظلم کرنے والے نام نہاد مسلمان ہی تھے۔ اس طرح کے منافقوں نے ہر دور میں اسلام کے نام پر غلط فائدہ اٹھایا ہے۔

سیاست کا حلقہ

اہل سیاست ملک کے نظام سیاست میں مختلف طریقہ سے کوشش کرتے آئے ہیں کہ لوگوں پر اپنی حکومت کو جائز قرار دیکر ان پر مسلط رہیں اور اگر اس سلسلہ میں توجہ کم ہوئی تو ملک نظامی بحران سے رو برو ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے ہر دور میں سیاست کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، شاید اسی بناء پر ہر حکومت اپنے نظام سیاست میں ایک طرح کی جبری سیاست بھی لاگو کرتے ہیں جس پر تمام افراد کا عمل پیرا ہونا بھی لازم ہوتا ہے۔ اس طرح سے ملک میں (political socialization) ایک سیاسی معاشرے کی ابتداء ہوتی ہے اور بتدریج بین المللی منافع کی (international interest) سیاست گزاری (policy making) تنفیذ عدالت پر ہے اور یہ کوئی جدید مسئلہ نہیں ہے بلکہ زمانہ قدیم سے صاحبان علم و فکر نے سیاسی اقتدار اور سماجی امور سے متعلق بحث کی ہے، جس میں اسلامی شخصیتوں نے بھی اس سلسلہ میں اپنی توجہ کا بہت اچھا ثبوت دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(اول) افلاطون کی „جمہوریت“،

(دوم) ارسطو کی „سیاست“، اور

(سوم) ابو نصیر فارابی کی „مدینہ فاضلہ“، نامی

جیسی کتابیں اس بات کی گواہ ہیں کہ ہمیشہ سے سیاست سماج کا جدانہ ہونے والا ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔ آج بھی بڑے بڑے مفکرین کا موضوع بحث سیاست بنا ہوا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے کہ ایک طرف روز بروز سارے معاشرہ کا ایک دوسروں کے ساتھ لگاؤ اور ان کے بعض خواستہ یا نا خواستہ روابط، رفت و آمد اور رہن سہن کی پیچیدگی، سیاسی ارتباط، اقتصادی دوڑ، دینی و سیاسی اقتدار اور مختلف تہذیب و ثقافت کے اثرات نے حالِ حالہ

﴿۸۵﴾

سیاست کو بڑھاوا دیا ہے، وہیں پر دوسری جانب اگر سیاسی ارتباط (communication) پر درست نظر نہ ہو، آپس میں اعتماد سازی، صراحت و صداقت نہ ہو، فقط احساسات جذبات کو ابھار کر مختلف پارٹیوں کو اپنے سیاسی منافع میں استعمال کرنا مقصود ہو تو ان سب کے سبب قوموں کا استحصال ہوگا لیکن اگر عدالت نہ ہو تو کسی اعتبار سے امن و سلامتی کے ساتھ زندگی نہیں گذاری جاسکتی لہذا بنیادی فرمان عدل و انصاف پر مبنی سیاست کا وجود اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے۔

﴿وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۱)

ہم نے ان نبیوں کے ساتھ کتاب اور میزان بھیجا تا کہ عدل و انصاف کا اجرا کریں۔

یہ قرائن گواہ ہیں کہ سیاست کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ نفاذ عدالت کے لئے سیاسی عمل در آمد، قدرت پرستری رکھنے والے افراد ہوں جو اس امر کو انجام دیں۔

حضرات عیسیٰ روح اللہ ہوں یا ابراہیم خلیل اللہ، خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ہوں یا خاتم الادویا بقیۃ اللہ سب لوگوں میں عدل و انصاف کا نفاذ کرنے والا ہے۔ خاص طور سے عہد حاضر امام بقیۃ اللہ سے مخصوص ہے اور روزانہ کے حالات، واقعات اور حادثات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگوں نے عالمی عدالت کو قدرے درک اور یقین کر لیا ہے کہ اسلام کی ہی بساط قدرت و تمکنت ہے جو اس عدالت کو نافذ کر سکتی ہے۔

لوگ اجتماعی زندگی چاہتے ہیں

ان سب سے قطع نظر انسان مدنی الطبع ہے، ایک اجتماعی، ثقافتی زندگی گزارنا چاہتا ہے ساتھ ہی اس کے نفس میں تسلط کا بھی ایک جذبہ پایا جاتا ہے جو ہمیشہ ایک دوسرے پر فوقیت، حکومت، اقتدار جمانا چاہتا ہے، جو ظلم و زیادتی، جھوٹ، سرکشی اور قتل و غارت گری کا سرچشمہ ہے۔ واضح رہے کہ رفع اختلاف، دفع خصومات اور نظم و مساوات کو بحال کرنے کیلئے بلا شک و تردید سیاست کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ لوگ طبعی طور سے اجتماعی زندگی بسر کر سکیں لیکن درست سیاست کا نفاذ اسی وقت ممکن ہے جب معاشرہ میں درست سیاست یعنی عدالت کا اجرا ہو۔

سیاست عدالت کا نفاذ ہے

اگرچہ خدائی نمائندوں کے اختیار میں زیادہ مدت حکومت کی بانگ ڈور نہیں رہی ہے، کم مدت صحیح لیکن ایسی عدل و انصاف پر مبنی ہوتی تھی جو حکومتوں کے لئے لائق نمونہ بن گئی ہے۔ جملہ انبیاء اور ائمہؑ نے ہمیشہ اس مقصد کی خاطر جدوجہد کی ہے تاکہ ظلم و فساد اور بربریت کو مٹا کر عدل و انصاف کی حکومت تشکیل دیں۔ نتیجہ میں مترقین اس صحیح نظام کی مخالفت کرتے آئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کی کمائی پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے اور پھر انھیں پر حکومت کرتے ہیں۔ ظاہر ہیکہ صحیح نظام ربوبیت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں، جو اس عدل و انصاف کو پائمال اور اس کی مخالفت کرتے ہیں، دیکھئے قرآن نے کس حصر کے ساتھ بیان کیا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ﴾ (۱)

شیخ مفید اختصاص میں ایک طولانی حدیث ذکر کرتے ہیں:

”امام علیؑ کی خدمت میں شہادت سے ایک روز قبل کچھ لوگ حاضر ہوئے اور سب نے چند بات کی گواہی دی: (۱) امیر المومنین علی ابن ابیطالب نے زیادہ مقدار میں اموال تقسیم کیا ہے، (۲) اور وہ لوگوں کی دنیا سے تھک چکے تھے، (۳) انھوں نے اجرائے احکام کے مقابل کوئی اجرت نہیں لی، (۴) انھوں نے مسلمانوں کے بیت المال سے ناقہ کی سار بانی کرنے والے ایک شخص کے برابر مال دنیا نہیں لیا، (۵) بلکہ اپنی گاڑی کمائی سے بھی قوت لایموت سے زیادہ نہیں تناول فرمایا اور (۶) اس بات کی بھی سب نے گواہی دی کہ جس کا کوئی قریب کا

پر سان حال نہیں ہوتا تھا تو امام اس کے سب سے زیادہ قریبی ہوتے تھے (۱)

عدالت پر ایسی سچائی کیساتھ عمل کرنے والا تاریخ میں کون انسان ہوگا، جسکو نفاذ عدالت کیوجہ سے شہید کیا گیا، امام نے ایسی حکومت کو عملی طور پر پیش کیا اور قول رسول ﷺ کو اپنے عمل سے زندہ کیا، رسول نے فرمایا تھا: ”ہر شخص کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس سے سلوک کریں“ (۲) نفاذ عدالت کے لئے کچھ مقدمات درکار ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

سیاسی قدرت کی تقسیم

درست سیاست سے ملک میں مساوات قائم ہوتی ہے، جب قدرت، منصب اور دولت کی برابر تقسیم ہوگی تو اس کا مطلب حکومت، قدرت، دولت، سیاست اور قیادت سارے امور میں عدالت کی مراعات ہونی چاہئے۔ جب ہی تو لوگ حکومت سے راضی، اس کے حامی اور مددگار ہوں گے، ورنہ آئے دن احتجاجات، بغاوت، مزاحمت اور قدغن کا علم بلند ہوتا رہے گا۔

ذمہ داری کی اہلیت

رسول خدا ﷺ مستعد افراد کی صلاحیت کے مطابق تربیت کرتے، مثال کے طور پر جو کمانڈر ہونے کا سزاوار ہوتا، جو نفاذ عدل و امانت الہی کا مستحمل ہوتا اور جو مختلف علوم کے لئے مستعد ہوتا ان کی تربیت کرتے تھے۔

ابن ابی الحدید: جب متفقہ طور پر سب نے امام علی - کی بیعت کر لی، طلحہ اور زبیر خدمت امام میں آئے کہنے لگے یا امیر المؤمنین... اللہ نے آپ کو عثمان کے بعد خلافت جیسی ولایت بخشی لہذا ہمیں انہیں سے بعض کی ولایت عطا کریں۔ امام نے ان دونوں سے کہا اللہ کی تقسیم سے راضی ہو جاؤ تا کہ اپنی رائے ظاہر کروں، جان لو کہ میں اپنی

۱۔ شیخ مفید: الاختصاص، ۱۶۰۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۱۱۶، ح ۱۷۔

۲۔ علی بن عثمان راجی طرابلسی: کنز الفوائد، ج ۲، ص ۱۶۲۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

الہی امانت میں کسی کو شریک نہیں بناؤں گا مگر ایسے ساتھیوں سے جو اللہ کے دین اور اس کی امانت سے راضی ہو جائے، امام کی عادت سے باخبر، دونوں مایوس ہو گئے اور عمرہ کی درخواست کی (۱)۔

ملکی نظم اور امنیت

جیسا کہ ملک کی امنیت اور نظم و انجم وہاں کی عدلیہ اور اجرائیہ پر منحصر ہوتی ہے، جس کا تعلق اقتصادی، علمی اور انسانی سرمایہ کی درست تقسیم سے ہوتا ہے، لہذا چاہئے کہ ملک میں امن و سلامتی اور آشتی بحال کی جائے۔ لوگوں کو ان کے کاروبار اور امکانات میں سہولت دی جائے۔

تقسیم سرمایہ اور خدمات

ملک کے طبعی منابع، مخازن، معادن اور ملکیت جس سے پورے ملک کا معاشی نظام گردش کرتا ہے، یہ عادلانہ سیاست کے تحت تقسیم ہوتا کہ ملک کے باشندوں کو مطلوبہ معاشرتی حقوق، آسائش، رفاہ و امنیت ملتی رہے اور انسان چین و سکون سے زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ ایسا نہ ہونے پر پورے ملک کے نظام میں خلل ایجاد ہوگا اور تدریجاً نظام بگڑتا جائے گا۔ آج اسلامی ممالک میں حکام نظام مصطفوی کے دعویدار ضرور بنتے ہیں، مگر انھوں نے کس اسلامی معیار کی حکومت و سیاست کا اتخاذ کیا ہے؟

فقط دعویٰ مراد اور عمل تک نہیں پہنچا سکتا ہے۔ آج کتنے ممالک ہیں جو مسلمان باشندوں کو خاموش رکھنے کیلئے اسلامی حکومت کا لیبل لگائے ہوئے نعرے بھی لگاتے ہیں اور پس پشت دشمن پالیسی کو اپنے ملکوں پر تحمیل کرتے ہیں اور دشمن اپنا کام انھیں کے ذریعہ نکالتا ہے۔ لہذا صرف پروپگنڈہ سے کسی ملک کو اسلامی مملکت کا مصداق نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیا قرآن کریم سے بہتر اور بالاتر غریبوں کا قانون ہو سکتا ہے جو فقط ان کے محدود علم و تجربہ اور خواست طبیعت کے مطابق بنائے گئے ہیں؟

مالی کمزوری غلط سیاست کا نتیجہ

بعض اسلامی ملکوں میں مالی فقر و تنگی پائی جاتی ہے، اگرچہ ان کی خود مستقل اور مضبوط سیاست نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ دراصل اس کی بھی بنیادی وجہ خائن اور طاقتور ملکوں کی طرف پلٹتی ہے۔ کچھ کمزور اور محروم ملکوں کو سامراج اپنا محکوم و مطیع رکھنے کیلئے ارتقائی راہوں کی طرف بڑھنے نہیں دیتا ہے، ورنہ قدرتی خزانوں سے اسلامی ملک مالا مال ہیں، اس کے باوجود سامراج کے محتاج ہیں۔ لگتا ہے ان حکمران جماعت کو اللہ پر بھروسہ کم غریبوں کی مغرضانہ سیاست پر اعتماد زیادہ ہے۔ غرض انھیں اچھی پالیسی کے لئے مختلف پروگرام ترتیب دینا چاہئے۔

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ (۱)

تم اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور ان کافروں کی جڑ کاٹ دے۔

خدا کی حاکمیت

بہر صورت اصل حاکمیت خداوند متعال کی ہے، رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ امام معصوم کی حاکمیت بھی مسلم ہے۔ عباد الرحمن کی اسلامی حکومت میں مشارکت ہے، اس آیت کا مطلب:

﴿وَأْمُرْهُمْ شُورَايَ بَيْنَهُمْ﴾ اہل حل و عقل کی ادارت اور نظارت ہے یعنی لوگوں کی حکومت میں مشارکت کا بیان ہے کیونکہ دانشمندوں کے باہمی مشورے، خیالات، افکار اور غور و خوض کے بعد ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اگرچہ قرآنی قوانین میں تغیر ممکن نہیں ہے، لیکن قرآن کی روشنی میں ہر زمانے کے تقاضوں کو باہمی مشوروں سے پورا کیا جاسکتا ہے۔ ان کے نفاذ میں دشمن موانع ایجاد کریں تو پائنداری سے خدائی حکومت کو استحکام

.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

بخشیں اور کسی کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ اور جھڑپ نہ کریں، رہ گیا اگر کسی صورت میں خدائی حکومت برقرار نہ ہونے دیں پھر ان سے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ أَنتَهُوا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾

اہل فتنہ سے مقاتلہ کرو یہاں تک کوئی فتنہ و فساد باقی نہ رہ جائے، اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آ جائے، اور اگر یہ رک جائیں تو تم بھی رک جاؤ، کیونکہ زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے (۱)
مقصد صاف واضح ہے تاکہ کسی ظلم و فساد کا وجود باقی نہ رہے۔ امیر المومنین کے عہد حکومت میں دیکھا گیا کہ ایک گورنر نے خطا کیا، جس پر امام خود تشریف لے گئے اور اس پر اعتراض کیا۔

واقعہ سنا ہوگا کہ ایک روز جب امام اقامہ نماز کیلئے تکبیر کہنا چاہتے تھے کہ اسی اثنا میں ایک خاتون دور سے یہ کہتی ہوئی آئی کہ اے علی ابن ابیطالب! مجھے آپ سے کام ہے میرا فیصلہ کیجئے۔ امام رک گئے اور پوچھا بتاؤ کیا کام ہے؟ وہ خاتون کہتی ہے کہ ہمارے شہر میں جو گورنر بھیجا ہے وہ تو ہم پر ظلم کرتا ہے۔ امام کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ امام نے فرمایا: خدایا تو جانتا ہے کہ میں راضی نہیں کہ ان لوگوں پر کوئی ظلم کرے۔ کاغذ قلم مانگا اور اس کی معزولی کا حکم لکھ دیا (۲)

سیاسی نظریہ

سوال: یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیاست ایک اخترائی و اعتباری نظریہ ہے یا تصدیقی یا پھر ایک بنیادی نظریہ ہے۔ اور پہلے سے یہ موجود تھا کہ نہیں، یا وقت ضرورت اضطراری اور اعتباری طور پر بنالیا گیا ہے؟

جواب: انسان مشرقی اور سیویلائزڈ ہونے کے سبب اجتماعی زندگی گزارنے پر مجبور ہے، جس میں ناچار ایک سیاسی نظریہ کو بحال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ عام طور پر سماج کے لوگ اپنے امور کو بحسن خوبی چلانے کی خاطر سماج کی ذمہ داری کسی نہ کسی کے سپرد کرتے آئے ہیں، یہ صرف اعتباری حیثیت ہے۔ صرف سماج کے مسائل کو حل کرنے کیلئے وقتی طور پر یہ نظریہ قبول کیا گیا ہے۔ قرآن نے انسانوں کو سیاسی اقتدار استوار کرنے کی دعوت دی ہے بلکہ ایک معاشرتی امر بتایا ہے، خواہ تو صیہ و ترغیب کی شکل میں ہو۔ جس کو بعض آجوں سے استفادہ کیا گیا ہے لہذا اب دیکھنا ہے کہ کیا اسلام میں سیاست کا نظریہ ایک بنیادی نظریہ یا تقلیدی نظریہ ہے؟

یعنی کیا سیاست، نماز، روزہ، حج و زکات وغیرہ کی مانند اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی منزل ہے یا نہیں بلکہ عقل کل، صاحب وحی سرکار نبی نے ایجاد کیا اور اسلام نے اس کی تائید و تصدیق کی ہے؟

مثال کے طور پر معاملات میں خرید و فروخت، اجارہ، انشورینس، عہد و پیمان بہت ایسے عقلی مسائل ہیں جنہیں لوگ اپنی روزمرہ زندگی میں انجام دیتے ہیں اور یہ سب لوگوں نے اپنی روزمرہ زندگی میں اختراع کیا ہے پھر شارع نے تصدیق و تائید کر دی ہے اور عقلاء عالم نے سیاست کے باب میں جو ایک مجموعہ اصول منظم کیا ہے، اسی کو سب نے قبول اور اسلام نے بھی تائید کیا ہے؟ یا نہیں بلکہ اسلام ایک خاص نظریہ کا حامل ہے؟ (۱)

اسلام چاہتا کیا ہے

اسلام باب سیاست کے مجموعہ اصول میں اختراعی نظریہ رکھتا ہے اور یہ نظریہ فقط مشورتی اور تقلیدی نظریہ نہیں ہے۔ غیر از این علماء امامیہ کے نزدیک باب اجتہاد کھلا ہوا ہے، جو مقتضائے حال کے مطابق ہر وقت اور ہر جگہ کی جزئی سیاست کو بھی آزاد رکھا گیا ہے تاکہ لوگوں کی دستگیری ہو سکے، ایسی ہی سیاست کی تعلیم دی گئی ہے کہ جو قرآن و سنت کی روشنی میں ہو، جس سے قوموں کا مستقبل بھی روشن ہو اور دینی انسانی قد است و کرامت بھی محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ یہی نظریہ یعنی ”تھو کراسی“ خدائی حکومت کا نظریہ قرن وسطیٰ میں یورپ کے کلیسا میں مقام اثبات تک پہنچا اور کلیسا خاص طور سے کلیسا کیتھولک (Catholic) مدعی تھا کہ خدا کی جانب سے لوگوں پر حکومت کرتا ہے۔ بعض مسیحی اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح کا دین جو سیاسی مسائل سے کسی طرح میل نہیں رکھتا ہے (۱)

دراصل ہر جگہ قانون بنانے والا خدا ہے جس نے قرآنی شکل میں اصولی قانون ہمارے اختیار میں دیا ہے، اس پر تصرف کا حق رسول اور ان کے حقیقی جانشینوں کو دیا ہے۔ وہی حضرات ان قوانین کو کشف اور تطبیق کرتے ہیں۔ اب جو بتلا بہ مسائل ہیں وہ واضح ہیں، یا جو نئے رونما مسائل بتلا بہ نہیں ہیں یا جن کی جزئیات کے بارے میں علم نہیں ہے تو چاہئے اس میں اجتہاد کریں یا حاکم شرع یا مجتہدین کی طرف رجوع کریں۔

آج اسلامی پارلیامنٹ میں جو قانون بنائے جاتے ہیں وہ بھی دراصل اس بنیادی قانون کی ایک شکل ہوتی ہے، اس کی حقیقت صرف کشف و روشن کرنے کی ہے، جو عہد نبوی کے ابتدائی دور پہلی ہجری میں مرتب ہوا تھا۔ جس کو مدینہ میں آنحضرت نے نافذ کیا تھا اور تحریری دستور کی دنیا میں اس کی اولیں مثال یہی ہے (۲)

۱۔ مصباح یزدی: نظریہ سیاسی اسلام ج ۱ ص ۲۰۶۔

۲۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۱ ص ۱۱۔

سیاست ایک فریضہ ہے

مکتب اسلام میں حکومت ایک تکلیف ہے، رسولوں کا ارسال اور آسمانی کتب کے نزول کی حکمت بھی اس میں مضمر ہے۔ مثال کے طور پر آزادی ہو لیکن عقل و تفکر شریعت کے ساتھ نہ ہو تو ایک گندے تالاب کی مانند ہو جائے گا اور اگر آزادی عقل اور شریعت کے ساتھ ہو بہتی نہر اور صاف ستھرے چھلکتے پانی کی طرح اسلام روز بروز عزیز تر ہوتا جائے گا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَعْلَمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (۱)

مفسروں نے مذکورہ آیت کے ضمن میں اس آیت شریفہ کا ذکر کیا ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (۲)

اس میں حاکم اور رعایا دونوں کے حقوق کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ اس طرح کہ لوگوں کا حق ہے کہ حاکموں کو ارکان حکومت میں ایک امین کی حیثیت سے دیکھیں اور حاکموں کا حق ہے کہ لوگ بھی ذکر شدہ امر میں انھیں حکام کی پیروی کریں اور اس اطاعت و پیروی کو خدائی راہ میں اطاعت کرنا سمجھیں (۳)

۱۔ سورہ نساء، آیت ۵۸۔

۲۔ سورہ نساء، آیت ۵۹۔

۳۔ علامہ طبرسی، مجمع البیان، ج ۲، ص ۶۳، ۶۴۔

امام علی - اس سلسلہ میں اپنے آذربائجان کے نمائندہ اشعث بن قیس کو لکھتے ہیں:

”إِنَّ عَمَلَكَ لَيْسَ لَكَ بِطُعْمَةٍ وَلَكِنَّهُ فِي غُنِّكَ أَمَانَةٌ،

وَأَنْتَ مُسْتَرْعَى لِمَنْ فَوْقَكَ“ (۱)

یہ ایک عام حکم ہے جو تمام حکام کے لئے لازم العمل ہے جو تمہیں ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ کوئی لذت بخش لقمہ نہیں ہے بلکہ تمہاری گردن پر ایک امانت ہے، جس کا تمہیں اپنے اوپر کے حاکم کو جواب دینا ہے۔

اور خبردار غافل نہ رہنا کیونکہ تمہارا بھی حساب و کتاب ہوگا:

”فَالَكُمْ خُزَانُ الرَّحْمَةِ، وَتَحْلَاءُ الْأُمَّةِ، وَسُفَرَاءُ الْأَلِيْمَةِ“ (۲)

جیسا کہ تم سب (نمائندے) رعایا کے خزانہ دار ہو، قوم کے نمائندے اور ائمہ اہلبیت کے سفیر ہو لہذا ایسا

نہ ہو کہ رعایا پر حیوان و زندہ کی طرح کھالے کیلئے مال غنیمت سمجھ کر جھپٹ پڑو۔

”وَلَا تَكُونُوا عَلَيْهِمْ سَبًا ضَارِيًا تَغْلِبُهُمْ أَكْلُهُمْ“ (۳)

امام کے ان جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت بہت اہم اور حساس ذمہ داری ہے جس کو ہر کس و نا کس ادارہ نہیں کر سکتا ہے۔

جس میں تمام انسان جنہیں اللہ تعالیٰ نے جسمانی اور عقلانی سالمیت سے نوازا ہے، مشرک ہیں لیکن جس کی عقل و صلاحیت جتنی زیادہ ہوگی اس کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

”أَمَّا الْبَدْنُ فَلَقِيَ الْحَبَّةَ وَبَرَّ النَّسَمَةَ، لَوْلَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُودِ النَّاصِرِ مَا أَخَذَ اللَّهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ إِلَّا يُقَارُّوا عَلَى كِبَرِهِمْ وَلَا سَفْبِ مَظْلُومٍ لَا لَقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا وَ لَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَاسِ أُولِهَا وَلَا لَقَيْتُمْ دُنْيَاكُمْ هَذِهِ أَرْهَدَ عِنْدِي مِنْ عَفْطَةِ عَنَزٍ“ (۴)

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۷۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۱۔

۳۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۳۔

۴۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۴۔

آگاہ ہو جاؤ! اس ذات کی قسم کہ جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور صاحب روح کو خلق فرمایا، اگر حاضرین کی موجودگی نہ ہوتی اور یا ورود دگار کے حضور سے حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور تکلیف الہی نہ ہوتی جو اللہ نے علماء سے عہد لیا ہے کہ سماج کے محروم لوگوں کو ان کے حق تلف کرنے والے ظالموں کے مقابلہ میں خاموش نہ بیٹھیں (ایسا نہ ہوتا تو) میں آج بھی اس خلافت کی رسی کو انھیں کی گردن میں ڈال کر ہنکا دیتا اور اس کے آخر کو اول ہی کے کاسہ سے سیراب کرتا اور تم دیکھ لیتے کہ تمہاری دنیا میری نظر میں بکری کی چھینک (آب بینی) سے بھی بے ارزش و بے قیمت ہے۔ اس کا مطلب محروم اور کمزور لوگوں کے حق کیلئے قیام کرنا چاہئے، صرف مادی زندگی کیلئے ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ امام علیؑ نے قیام کا مقصد بتایا ہو بلکہ حقوق کے غاصبوں کے مقابلہ میں قیام کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد امام نے امت کی خیر و بھلائی کیجنا طر اس امر خلافت سے چشم پوشی کر لی اور پچیس سال بعد بھی جب یہ مقام دیا جا رہا تھا تب بھی اس سنگین ذمہ داری سے انکار کیا اور اگر قبول بھی فرمایا تو فقط تکلیف الہی سمجھتے ہوئے، فرمایا:

”خدا یا میں نے سب سے پہلے تیری طرف رخ کیا، تیرے احکام کو سنا اور قبول کیا، تیری بندگی میں تیرے رسول کے علاوہ کسی نے مجھ پر سبقت نہیں کی ہے“

یہ جملہ انتہائے اخلاص کی دلیل ہے کہ امام علیؑ تمام آسمانی اصول پر راسخ ایمان رکھتے تھے، جس پر اعتقاد رکھتے، عمل بھی کرتے، پھر امت کو دعوت دیتے تھے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:

”كُونُوا دُعَاةَ النَّاسِ بِغَيْرِ السِّنَتِكُمْ لِيُرَوْا مِنْكُمْ الْوَرَعُ

وَالْاجْتِهَادَ وَالصَّلَاةَ وَالْخَيْرَ فَإِنَّ ذَلِكَ دَاعِيَةٌ“ (۱)

لوگوں کو بغیر زبان یعنی عمل کے ذریعہ دعوت دو تا کہ تمہارے نظم و اعتدال، سعی و کوشش، نماز اور دوسری نیکیوں کو دیکھیں تو اس طرح وہ یقیناً تمہارے اعمال سے ہدایت پائیں گے۔

خوش بخت سیاست

بغیر شک و تردید اسلام انسان کی جہاں اخروی سعادت چاہتا ہے وہیں دنیاوی سماجی اقتصادی کامیابی کا بھی خواہاں ہے۔ اسی لئے زندگی کے تمام نشیب و فراز کی رہنمائی کر کے ایک ضابطہ حیات کے اصول و آئین بنائے ہیں تاکہ انسان گمراہی و حیرانی میں نہ پڑے۔

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ. يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَ يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (۱)

تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے اس کے ذریعہ اللہ انھیں جو رضائے الہی کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی مرضی سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے اسلام خوش بختی کا دین ہے، ہر زمانہ کے انسانوں کی سعادت، سالمیت، رفاہ و راحت کا معقول انتظام کیا ہے، ساتھ ہر وقت ہر لمحہ اسلام انسانوں کے اعمال و اخلاق، اچھائی و برائی پر نظارت رکھتا ہے۔ قرآنی تھیوری میں اگر کسی نے ایک فرد بشر کی ہدایت کر دی تو اس کو تمام انسانوں کو زندہ کرنے کا درجہ ملتا ہے۔

﴿كُتِبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا. وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (۲)

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۱۵/۱۶۔

۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۲۔

جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد پھیلاتے ہوں قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

جو اللہ اپنے بندوں کی خدمت گزاری پر اسقدر راضی و خوشنود ہو جس نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ:

”إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا صَيَّرَ أُمُورَ النَّاسِ إِلَيْهِ“

اللہ جب کسی بندے کیساتھ خیر و نیکی کرنا چاہتا ہے تو لوگوں کے امور پر اس شخص کو ذمہ دار بنا دیتا ہے یعنی لوگوں کی خدمت، ادارت، نظارت اور سرپرستی کرنے والا اللہ کی جانب سے خیر و بھلائی پاتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اتنی اہم ذمہ داری کے لئے کوئی معقول انتظام اور انجام نہیں ہونا چاہئے، اتنا اہم کام جس کی اللہ و رسول نے تاکید کی ہو، بغیر کسی ذمہ داری اور نظم کے ممکن ہے اور اگر ہونا چاہئے تو پھر کون کرے؟ کیا ممکن ہے ان تمام احکام و اصول کے مقابلہ میں سیاسی پہلو جسمیں پورے معاشرہ کا ادارہ کرنا شامل ہے، نظر انداز کر دیا گیا ہو؟ چونکہ انتظامی امور کو اجتماع سے الگ کرنا ممکن نہیں تو یقیناً حکومت کی ضرورت ہے۔ جبکہ دوسری جانب امام علیہ السلام نے تاکید فرمائی ہے:

”لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيرٍ“ لوگوں کا ایک حاکم ہونا ضروری ہے۔

جو معاشرہ میں خدائی حاکمیت کا نفاذ، قوموں کی مصلحت اندیشی، دین و دنیا کی رہنمائی اور لوگوں کو اس کی پیروی کا حکم دے اور معاشرتی مفاسد کی روک تھام کرے، امور دنیوی میں مشورت دیگر اقوام سے رابطہ جنگ سے پرہیز، صلح و صفا کی تلقین کرے۔ کیا یہ سارے دستور ایک وسیع نظام، سماجی انجام کا لازمہ نہیں ہیں؟

الہی حاکمیت کا ایک نمونہ جس میں رسالت اور امامت کی ولایت ہے، جسکے ضمن میں ایسی سلطنت کا قیام جس میں انسانی شرافت، حریت اور آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنا شامل ہو، الہی حکومت کے ساتھ ہی ولایت، نبوت، امامت، سلطنت، عدالت، قضاوت، نصب، عزل، تکلیف، حق، باطل، سلطنت عادل، غیر عادل، کافر مرتد، کافر ملی، جنگ و دفاع، نظام عدل میں تعاون، انفال زمین، خراج، جزیہ، مالیات، اقلیت کے حقوق وغیرہ کو قرآن سے استخراج کر سکیں۔ کیونکہ

﴿لَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ (۱)

اللہ تعالیٰ نے کافروں اور غیر متدین لوگوں کو ایمان والوں پر حکومت و فوقیت کا زہار کوئی حق نہیں دیا ہے اور جب حکمراں جماعت اپنے ملک کو کسی دوسری طاقت کے حوالہ کریں تو یقیناً وہ خیانت کر رہے ہیں۔

دینی اور سکولر حکام کی چند خصوصیت

(۱) دینی حکومت میں قائد کو انبیاءِ ائمہ یا ان کے صفات کا حامل ہونا چاہئے، حاکم شرع یا فقیہ جامع الشرائط کا تعین بھی خدائی صفات میں ہونا چاہئے جبکہ غیر دینی حکومت میں ایسا نہیں ہے۔

(۲) خدا کی جانب سے دینی رہبر ایسی حکومت چاہتا ہے کہ جو احکام خدا کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور اس پر عمل کرتا ہو، غیر دینی حکمراں اپنے مادی مفاد یا دین کو بھی اپنے مفاد کیلئے استعمال کرتے ہیں۔

(۳) دینی حکومت میں اطاعت شرعی فریضہ ہے در انحالیکہ غیر دینی حکومت میں مومنین پر ضروری نہیں ہے۔

(۴) دینی حکومت میں قائد سے معارضہ بغاوت، محاربہ اور نفاق کو بڑھانا شرعی عقاب کا موجب بنتا ہے غیر

دینی حکومت میں ایسا نہیں ہے۔

(۵) دینی حکومت میں قانون قرآن اور حدیث سے ماخوذ ہوتا ہے جو دنیا و آخرت کی سعادت کا ضامن ہوتا

ہے۔ غیر دینی حکومت اس کے خلاف خود ساختہ قانون پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۶) دینی حکومت میں سب سے اہم نگرانی احکام شریعت کا نفاذ کی عملی کوشش اور رضائے خدا کی تحصیل

کا اطمینان ہونا ہے۔

اس کا خلاصہ اس طرح کر سکتے ہیں:

دینی حکومت میں اہل سیاست قرب خدا کیلئے لوگوں کی ہدایت اور خدمت کرتے ہیں۔ عدالت کا اجرا کرتے

ہیں۔ اسلامی احکام کے نفاذ اور خدائی معاشرہ کے مقابلہ میں جو کچھ رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں انھیں عملی طور پر دور

کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتے ہیں۔

الہی سیاست کا مقصد

ملک کے ایسے اہداف اور مقاصد مد نظر ہوتے ہیں کہ جس میں لوگوں کی علمی، ثقافتی، فکری، معاشی، سماجی رشد و نمو اور استحکام ہو منجملہ ان مقاصد میں انسان کو اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی، احکام قرآن پر عمل، ابلاغ احکام، اپنی سر زمینوں سے دفاع، ملک کے حکمران اور قوم میں اتحاد، کمزوروں اور محروموں کے حقوق کا دفاع، عالمی پیمانہ کے بین الاقوامی امور میں مشارکت، افراد ملت کو علم، ہنر، صنعت، حرفت، اقتصاد اور انسانی آداب و رسومات پر مبنی بہترین زندگی بسر کرنے کے مادی، معنوی اور اعتقادی امکانات فراہم کرنا۔

اسی بناء پر سیاست کی تعریف میں کہا گیا ہے:

سیاست ایسا علم ہے جس میں انواع ریاست، سیاسیات اور اجتماعیات کے جملہ احوال و کوائف اور ضروریات کی بحث ہوتی ہے (۱)

مخلوق خدا کی خدمت

سیاست کا اہم فریضہ دینی ہدایت کی بنیاد پر امر خدا کا نفاذ کرنا ہے، اب جس اللہ نے انسان کو اپنی عظیم خلافت سے نوازا، ساتھ ہی کائنات کی وراثت اور حکومت عطا کی ہے، اگر یہ انسان ان صفات و شرائط کا حامل نہ ہو، تو ہم کیونکر اللہ کی عطا کردہ مادی و معنوی نعمتوں سے بہرہ مند اور کس طرح اس امر کو ہم زندہ کر سکتے تھے؟ اس کا منطقی جواب یہی

ہے کہ ان ساری نعمتوں کا صحیح استفادہ اسی کے قانون اور نظارت میں ممکن ہے، جس نے یہ خلق فرمائی ہیں۔ ان بنیاد پر اسلامی سیاست کے اہداف کو چند امور میں خلاصہ کر سکتے ہیں:

(۱) خدا کی مطلقہ حاکمیت

(۲) حق اور عدالت کا اجرا

(۳) آزادی، آشتی، امنیت

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیؑ کے متن کلام میں جو کلمات حکومت و سیاست کے سلسلہ میں نقل ہوئے ہیں اس میں الہی سیاست کی ایسی تصویر کشی ہوئی ہے جو عدل و انصاف کی حکومت کا کامل اور جامع ترین نمونہ ہے اور جہاں تک سیاست دانوں کے افکار و خیالات نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے لئے ایک قول نقل کرنا کافی ہوگا جس پر امام نے اپنے والی مصر جناب مالک اشتر کو حکومت سے متعلق ہدایت فرمائی ہے۔ حکومتی نظام کا ایسا قدر جامع اصول ادارت و سیاست آج تک دنیا نے نہیں دیکھا ہوگا۔

کامل ترین مصداق

امام کی یہ پانچ سالہ حکومت تمام سیاستدانوں کیلئے نمونہ عمل ہے۔ اگرچہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول ﷺ نے بڑی تاکید کی تھی اور خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کو لوگوں تک پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ

لَمَّا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَفْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (۱)

آیت کالب و لہجہ بتا رہا ہے کہ بہت سنگین ذمہ داری فرائض رسالت سے باقی رہ گئی تھی جس امر کی خاطر رسول کو اس انداز میں اللہ نے خطاب فرمایا: اگر یہ حکم نہیں پہنچایا تو گویا میری رسالت کا کوئی کام نہیں دیا۔ ساتھ ہی خدا نے مدد کا بھی وعدہ کیا، جو تقویت اور طمانیت کا سبب بھی اور نفاذ حکم کی تاکید بھی ہے۔ ہے کہ احتمالی خطروں سے مرسل اعظم ﷺ امان میں نہیں تھے۔ دشمن پہلے سے گھات لگائے ہوئے بیٹھے تھے

اتنے سارے انتظامات کے بعد حبیب خدا رسول اللہ ﷺ نے سوالا کھ حاجیوں کو جمع کیا اور اس میں اپنی رسالت، اولویت کا اقرار لینے کے بعد اپنے بعد کی سرپرستی اور ولایت کا اعلان کیا۔ اگرچہ اس امر کا انکشاف پہلے سے ہو چکا تھا۔ نزول آیت مباہلہ اور دوسرے مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ابن ابیطالبؓ کو اپنے نفس سے تعارف کرایا تھا۔ گویا نبی نے اسی وقت اپنے بعد کا مسئلہ بالکل صاف اور واضح کر دیا تھا کہ خلافت کا کوئی بھی میرے بعد امیدوار نہ رہے اور امیر المومنین علی بن ابیطالبؓ کی وصایت اور خلافت میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اس طرح کی روشن دلیلوں کے باوجود اہل دنیا مال و منال اور ملوکیت میں مصروف ہو گئے اور ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا اور اس کی سعادت کا پاس دلخاظ نہیں رکھا، رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی درست اطاعت نہ کر کے وہی لوگ عہد جاہلیت کی طرف پلٹ گئے، جو اس آیت کریمہ کا مصداق بن گئے:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَانُوا لَكُمْ مَعًا لَا تَعْلَمُونَ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾
(۱) ہم نے بہت سے ایسے جن و انس جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں، جن کے دل ایسے ہیں جس سے نہیں سمجھتے، جن کی آنکھیں ایسی ہیں جس سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں، یہ لوگ غافل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کے بارے میں علم تھا کہ دنیا میں جا کر اچھے یا برے کام کریں گے، یہاں انہی دوزخیوں کا ذکر ہے، جنہیں اللہ کے علم کے مطابق دوزخ ہی کے کام کرنے تھے۔ مثال کے طور پر شریعہ قاضی جس نے نواسہ رسول کے قتل کا فتویٰ دیا، ابو موسیٰ اشعری جس نے امام حق سے حکمیت کے سلسلہ میں عمرو عاص کے فریب میں آیا، یا دوسرے افراد جو سردار منافقین معاویہ کے فریب میں آ کر امام حق سے منحرف ہوئے، اور ان سب نے ائمہ ناری کی مدد کی، جس کی مدد سے ائمہ ناری نے لوگوں کو جہنم کی دعوت دی۔

رسول کی بے مثال شخصیت

تمام انبیاء حتیٰ اولوالعزم نبی مکلف تھے کہ آخری نبی حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہوں اور آنحضرت کے آنے کی لوگوں کو خبر دیں۔ آپ کی ذات پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کا گذشتہ آسمانی صحیفوں میں بھی ذکر ہوا ہے۔ یہاں تک کہ سارے انبیاء حضرت آدم سے ابراہیم، نوح، موسیٰ، عیسیٰؑ سب نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو بشارت دی کہ آخری زمانہ میں ایک ایسا نبی آئے گا، جس پر نبوت اور شریعت کا خاتمہ ہو جائیگا، لہذا ہم سب کو چاہئے اس کے آنے کا انتظار کریں اور ان پر ایمان رکھیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، آنحضرت پیکر بشری میں تجلی خدا، صفات و کمالات کا مظہر اور حق کا آئینہ دار تھے، تمام مراحل زندگی میں لوگوں کیلئے نمونہ اور خالق و مخلوق سے رشتہ جوڑنے کا وسیلہ تھے۔ یہاں پر رشتہ بعنوان رسالت ہے حسب ذیل آیت شریفہ میں لفظ 'احد' عام ہے۔

”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا“ (۱)

حضرت محمد ﷺ تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔

’الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ‘
جو لوگ رسول امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (۲)

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَىٰ بْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ...﴾ (۱)

جب فرزند مریم عیسیٰ نے کہا اے اولاد اسرائیل میں تم سب کیلئے اللہ کا رسول ہوں، کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں، جنکا نام احمد ہے۔
 إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتُهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۲)
 بیشک اللہ اس کے ملائکہ نبی پر درود و سلام بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر خوب درود و سلام بھیجتے رہو۔
 اس طرح اللہ تعالیٰ، ملائکہ پھر تمام ایمان والوں کو درود و سلام بھیجنے کا حکم دینا صرف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات سے مخصوص ہے۔ کسی اور نبی کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ اس کے علاوہ

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا.. (۳)

پاک ہے وہ ذات اقدس جو اپنے بندہ کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔
 یہ ایسا امتیاز ہے کہ آنحضرت کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکا ہے جس میں اللہ نے اپنے حبیب کو اپنی خاص نشانی دکھائی ہے۔

”سَوْفَ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي نَبِيٌّ اسْمُهُ أَحْمَدُ مِنْ وَلَدِ اسْمَاعِيلَ“ (۴)

عنقریب میرے بعد اولاد اسماعیل سے ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا۔

دیگر آیات و روایات گواہ ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایسی مسلم شخصیت کے مالک ہیں، جن پر تمام فرق عالم اتفاق نظر رکھتے ہیں اور ہمیشہ کیلئے آنحضرت کی سیرت پر چلنا، شریعت پر ایمان رکھنا اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے بغیر اس کے نجات ممکن نہیں ہے۔

۱۔ سورہ صف، آیت ۶۔

۲۔ سورہ احزاب، آیت ۵۶۔

۳۔ سورہ اسراء، آیت ۱۔

۴۔ محمد بن یعقوب کلینی الکافی ج ۱، ص ۲۹۳۔

اماموں کی رسالت

اللہ تبارک و تعالیٰ کا تمام شعبہ زندگی میں ایک اصولی طریقہ رہا ہے وہ یہ کہ کبھی بھی امت کی کسی فرد کو بغیر رہبری اور رہنمائی کے نہیں چھوڑا ہے۔ جس نے ہمیشہ حق و عدالت کے نفاذ اور ظلم و بے انصافی کو ختم کرنے کی تاکید کی ہے۔ جس نے سیاسی اور معاشرتی نظام کا روز اول سے بہترین آئیڈیل پیش کیا ہے اور ہر عہد میں اپنی نبوت و قیادت کو امتوں کے لئے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔

﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ..﴾ (۱)

جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے پروردگار کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتاتا ہے۔
امام رضا علیہ السلام سے فضل بن شاذان نے ایک روایت نقل کی ہے:

”أَنَا لَا نَجِدُ فِرْقَةً مِنَ الْفِرَقِ وَلَا مِلَّةً مِنَ الْمِلَلِ بَقُوا وَعَاشُوا إِلَّا بِقِيَمٍ وَرَيْسٍ لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ فِي أَمْرِ الدِّينِ وَالدُّنْيَا فَلَمْ يَجْزِ فِي حِكْمَةِ الْحَكِيمِ أَنْ يُتْرَكَ الْخَلْقُ مِمَّا يَعْلَمُ إِنَّهُ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْهُ“ (۲)

ہم نے کسی بھی گروہ اور ملت کو بغیر قیادت و رہبری کے نہیں چھوڑا ہے بلکہ ہر زمانہ کی طرح قیادت کو دین و دنیا کے لئے باقی رکھا ہے لہذا پروردگار عالم کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ اس امر کو ترک نہ کرے۔

۱۔ سورہ، مائدہ، آیت ۱۶۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۶ ص ۶۰، ج ۲۳ ص ۳۲۔

اسی طرح کی حقیقت پر مبنی یہ عبارت نقل ہوئی ہے:

”الْإِمَامُ لُطْفٌ، فَيَجِبُ نَصْبُهُ عَلَى اللَّهِ، تَخَصُّيلاً لِلْغَرَضِ“

امام کا وجود اللہ کی جانب سے اس کی مخلوق پر ایک لطف ہوتا ہے، جس کا معین اور معرفی کرنا اللہ پر ضروری ہوتا ہے تاکہ شریعت کے نفاذ کی غرض پوری ہو سکے۔ (۱)

حکیموں کا کہنا ہے:

”أَمَامٌ عَادِلٌ، خَيْرٌ مِنْ مَطْرٍ وَأَبَلٌ، وَأَمَامٌ غَشُومٌ، خَيْرٌ مِنْ فِتْنَةٍ تَدُومُ، وَلَمَّا نَزَعَ اللَّهُ بِالسُّلْطَانِ أَكْثَرَ مِمَّا نَزَعَ بِالْقُرْآنِ“ (۲)

امام عادل موسلا دھار بارش سے بہتر اور ظالم و ستمگر امام کا دنیاوی بادشاہوں کے ظالمانہ احکام نافذ ہونے سے قرآن کریم کا حکم نافذ ہونا بہتر ہے۔ اور ختم نہ ہونے والے فتنہ سے بہتر ہے

امام خمینی حکومت اسلامی اور اس کی قیادت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”فَمَا هُوَ دَلِيلُ الْإِمَامَةِ، بِعَيْنِهِ دَلِيلٌ عَلَى لُزُومِ الْحُكُومَةِ

بَعْدَ غَيْبَةِ وَلِيِّ الْأَمْرِ (عَجَّلَ اللَّهُ تَعَالَى فَرَجَهُ الشَّرِيفَ)“ (۳)

جو دلیل امامت کی ضرورت پر دلالت کرتی ہے وہی امام زمانہ صاحب امر کی غیبت کے بعد حکومت اور اس کی بقاء اور استمرار پر بھی دلالت کرتی ہے۔

عقل بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ تمام سماجی، مالی، نظامی اور حقوقی مسائل، زمانہ گذشتہ کی نسبت دور حاضر میں بڑے پیچیدہ ہو چکے ہیں یعنی ختمی المرتبت عَلَيْهِ السَّلَام پر رسالت کا خاتمہ یا آخری امام کی غیبت کبریٰ سے مسائل سوائے بڑھنے کے کم نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ غیبت کبریٰ میں حکومت کا حق فقہاء اسلام سے بہتر کس کو ہو سکتا ہے۔

عقل کا تقاضا ہے کہ اگر قیادت سے صرف نظر کر لیں تو عسرو حرج لازم آئے گا یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں

۱۔ خواجہ نصیر الدین طوسی: کشف المراد، شرح تجرید الاعتقاد ص ۳۶۲۔

۲۔ احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی: العقد الفرید، ج ۱ ص ۶۰، تحقیق، برکات یوسف ہبود۔

امام کا وجود لازم ہے، بدیہی بات ہے جب قوموں کا وجود ہوگا تو قیادت بھی ہوگی، ساتھ اس کی ایک سیاست اور حکمت عملی ہوگی جس کو سماجی زندگی سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی بات کو امام علی بن موسیٰ الرضا - فرماتے ہیں: کوئی بھی قوم و ملت بغیر رہبر یا سرپرست کے اپنی حیات کو آگے نہیں بڑھا سکتی (۱) امام جعفر صادق - اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”إِنَّ اللَّهَ أَجَلَ وَاعْظُمُ مَنْ أَنْ يَتْرُكَ الْأَرْضَ بِغَيْرِ إِمَامٍ عَادِلٍ“ (۲)

اللہ کی شان اس بات سے بالاتر ہے کہ وہ اہل زمین کو بغیر کسی امام عادل کے چھوڑ دے۔

”وَالْمُسْلِمُونَ لَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ إِمَامٍ يَقُومُ بِتَنْفِيزِ أَحْكَامِهِمْ وَإِقَامَةِ حُدُودِهِمْ وَ سَدِّ ثُغُورِهِمْ وَ تَجْهِيزِ جُيُوشِهِمْ وَ...“

امامت دین کا ایک بنیادی مسئلہ ہے، رہ گیا دنیا خوروں اور عوام الناس کا خون چوسنے والوں نے ہمیشہ امامت کے اوصاف اور جزئیات میں تحریف و ترمیم اور شبہات ایجاد کئے ہیں۔ تاریخ اسلام میں جس کی وجہ سے بڑے بڑے اختلافات رونما ہوئے ہیں، کس قدر خون ناحق بہایا گیا، کس قدر حقوق غصب ہوئے ہیں کہ آج تک جس کا بھگتان امت مسلمہ کو بھگتنا پڑ رہا ہے لہذا مسلمانوں کو قرآن و سنت کے ذریعہ اس مسئلہ میں مزید تحقیق کرنا چاہئے (۳) ایک دن آنے والا ہے جب دنیا ایک امام کی رہبری میں عالمی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرے گی۔ اہل فتنہ و نفاق نے اپنے مفاد کی خاطر اس خدائی منصب امامت میں شک و شبہات ایجاد کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: جنگ صفین میں ایسے ہی خوارج نے وحی الہی کو قلمبند کرنے والے، قرآن کے سب سے بڑے معلم اور مفسر امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے مقابل نیزہ پر قرآن بلند کر کے نعرہ لگایا: ”لَا حُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے سنا کہ خوارج کا کہنا ہے حکومت فقط خدا کا حق ہے۔ تو امام نے فرمایا:

”كَلِمَةُ حَقٍّ يُرَادُ بِهَا بَاطِلٌ“ (۱)

بات تو سچ ہے لیکن مراد باطل کی لے رہے ہیں، دراصل حکومت و حاکمیت خدا کا حق ہے لیکن کیا اس خدا نے اس کائنات میں اپنے رسول کو حق نہیں دیا ہے؟ کیا جناب سلیمان کو کائنات کی حکومت نہیں دی؟ یہ دنیاوی حکومت تو رسالت اور امامت کے اقسام حکومت کا ایک چھوٹا سا منصب ہے، جس کی بحث اس کے مقام پر ہوگی۔

امامت کی اہمیت اور عصمت کو سمجھنے کے لئے قرآن کی اس آیت کو اچھی طرح سمجھ لینا کافی ہوگا۔

وَإِذَا ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (۲)

امامت ایسا بلند مقام ہے جہاں تک حضرت ابراہیم جیسے نبی کو پہنچنے کے لئے مقام نبوت سے الوالعزم کا مقام حاصل کرنا پڑا، آخر میں متعدد امتحان کے بعد اس امامت کے بلند درجہ پر پہنچے ہیں، جب بھی اس امامت یعنی جانشینی رسول کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا ہے۔

دراصل امامت ایسی ذمہ داری کی حامل ہے جو الہی صفات و کمالات کے ضمن میں انجام دی جاتی ہے نہ کہ کوئی ایسا مقام و مرتبہ ہے جو دنیاوی شہرت و ثروت اور حکومت کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ اسی حقیقت کے آئینہ میں آج بھی کوئی عقل سلیم رکھنے والا انسان اس امامت کو بخوبی معلوم کر سکتا ہے۔

”إِنَّ الْإِمَامَةَ عَهْدٌ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مَعَهُودٌ لِّرَجَالٍ مُّسَمَّيْنَ“ (۳)

امامت اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان سے ایک بنیادی عہد و پیمان ہوتا ہے کہ جس کیلئے ہر شخص عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے امام کی اطاعت کا پابند اور ذمہ دار ہوگا۔

حکومت اسلامی کا راہ قیام

کائنات کا نظام انسانی فطرت پر استوار ہے۔ ایسی فطرت جس کو خالق کائنات نے اس کی طبیعت میں ودیعت فرمایا ہے۔ خدائی نمائندوں نے انسان کی طبیعت میں اسی فطرت کو ہمیشہ اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ فطرت کو خلقت بھی کہا ہے، توحید انسانوں کی جبلت میں شامل ہے اور اس خلقت یا فطرت کو تبدیل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر انسانوں کی تربیت، ہدایت اور تعلیم کی نشوونما خدائی نمائندوں کی زیر ولایت ہو تو ایمان اور توحید ذہنوں میں راسخ ہوتی جائے گی پھر وہ ولایت ہمیشہ کفر و شرک اور نفاق اختیار کرنے سے روکے گی۔

﴿فَطَرَتِ اللّٰهُ الَّتٰی فَطَرَ النَّاسَ عَلٰیهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیْمُ وَلٰكِنْ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (۱)

جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی مخلوق میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا، یہ وہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

اب اس فطرت کے مطابق عام لوگوں کی رہنمائی کی جائے جو عین فطرت، خواست خدا اور رسول اللہ بھی ہے لیکن جو فطرت کے خلاف سرکش اور تجاوز کرنے والے مخالفت کرتے آتے ہیں کہ انھیں سامان زندگی بڑی آسانی اور فراوانی کیساتھ حاصل ہوتی ہے جس نے انھیں سرکش و متکبر بنا دیا ہے۔ قرآنی نظام میں سرمایہ داری اور طبقہ بندی نظام نہیں ہے۔ اس میں ہر شخص کام کرتا ہے اور کوئی دوسرے کی محنت پر عیش نہیں کر سکتا۔

﴿۱۰۹﴾

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ، وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (۱)

جب بھی ہم نے انھیں قدرت و سلطنت دی تو انھوں نے نماز کا اقامہ کیا، زکات ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا ہے (لہذا آگاہ ہو جاؤ!) تمام امور کی انجام دہی اللہ کے اختیار میں ہے۔
اماموں کو بہت کم فرصت ملی، جس سے وہ سیاسی رہبری اور حکومت کا نمونہ پیش کرتے، اگرچہ امام علی کی سیاسی بصیرت نہج البلاغہ کے اقتباسات کی صورت میں ہر زمانہ کے لئے نمونہ بن گئی ہے۔ رحلت رسول کے بعد قیادت میں انحراف، نظم و نسق کی دگرگونی، اموال میں نابرابری، جاہ طلبی وغیرہ جیسی رذیل چیزیں اسلام کی ہویت اور معنویت پر قابض ہو گئی تھیں۔ مفید سودمند خیر اندیش خدا پرستانہ نمائندگی کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ فطرت کے خلاف جبر و زبردستی کی حکومت حاکم تھی۔ فطرت کو اس کی خواست کے مطابق معاشرے میں پنپنے نہیں دیا گیا۔ بقول امام کے بدویت اور جاہلیت دوبارہ پلٹ آئی اور حاکم ہو گئی۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى

أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ لَشَاكِرِينَ﴾ (۲)

اللہ اس کے رسول لوگوں کو کمال تک لے جانا چاہتے ہیں لیکن یہ لوگ ہیں جو عہد جاہلیت کی واپسی پر مصر ہیں! اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور رسول کی سیرت پر امام متقین حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کو کمال کی جانب لے جا رہے تھے، لیکن یہ لوگ تھے کہ جاہلیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی، جو واپس آنے کو تیار نہیں۔

”إِنِّي أُرِيدُكُمْ لِلَّهِ وَ أَنْتُمْ تُرِيدُونََنِي لَا نَفْسِيكُمْ“ (۳)

میں تمھیں خدا کے لئے (کمال و ہدایت اور سعادت کیلئے) چاہتا ہوں تم مجھے اپنے نفس کیلئے چاہتے ہو۔

اس کو ہم زیارت امام حسین رضی اللہ عنہ میں پڑھتے ہیں:

۱۔ سورہ حج، آیت ۴۱۔

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۴۴۔

.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ. أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَمَرْتَ بِالْعَدْلِ وَالْقِسْطِ وَدَعَوْتَ إِلَيْهِمَا
اے امام! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کا اقامہ کیا، گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے عدل و انصاف کا حکم
دیا اور لوگوں کو ان دونوں کی دعوت دی۔

امام انسانی حیات و معاشرہ اور اس کے تمام جوانب کو بہتر جانتے ہیں اور اس کے دستورات کو نافذ
کرنا، عدالت اور اس کے مقدمات کو فراہم کرنا، ان سب میں قدرت و حکومت اور نظارت کی ضرورت ہے جو
انسان کے چیطہ قدرت سے باہر ہے، خدا کا حکم نافذ کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ کام کم و بیش پیغمبروں نے اپنے زمان
و مکان کے لحاظ سے انجام دیا جیسا کہ سارے نبیوں کو سیاسی قیادت، قضاوت اور تبلیغ احکام کی ذمہ داری ہوتی تھی،
ظاہری طور پر کامیابی اور ناکامی کچھ بھی ہو لیکن انھوں نے اپنی ذمہ داریوں سے معاشرہ میں عدل و انصاف
پھیلانے کی کوشش کی، جس کا لازمہ عدل و انصاف کی حکومت کا تشکیل دینا ہے، جو ایک اہم ذمہ داری تھی۔

﴿وَكَانَ مِنْ نَبِيِّ قَاتِلٍ مَعَهُ رِثْيُونَ كَثِيرٌ أَمَّا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ..﴾ (۱)

بہت سے لوگ نبیوں کے ہمراہ جہاد کر چکے ہیں انھیں اللہ کی راہ میں تکلیفیں پہنچیں لیکن نہ تو انھوں نے ہمت
ہاری نہ ست ہوئے، نہ ہی دے اور اللہ تو صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اہل قدرت، صاحبان تخت و سلطنت نے ہمیشہ خدائی نمائندوں کی مخالفت کی ہے۔ ایسے حالات میں جب
انبیاء تشکیل حکومت میں کامیاب ہوئے تو قرآن نے ان کی حکایت اور اس کے اسرار و فوائد بھی بیان فرمائے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ
بِالْحَقِّ لِيُخَكِّمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ (۲)

دراصل لوگوں کی ایک جماعت تھی، پس اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان
کے ساتھ حق کی کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔

انسان کی فلاح و بہبودی دینی اصول اور انبیاء و ائمہ کے طریقہ پر ہی یقینی ہے۔ جس میں عدل و انصاف کا

نفاذ اور مادیاتی امور پر روحانی پہلو کا غلبہ ہو اور اسی کے ذریعہ انسان کمال حقیقی کی سیر کر سکتا ہے۔

﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾ (۱)

ہم نے خاندان ابراہیم کو کتاب و حکمت عطا کی اور انھیں بہت وسیع ملک و سلطنت کا مالک بنایا۔

یہ اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ جب بھی قوم اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتی ہے تو حکومت الہی تشکیل پانے کا پورا پورا زمینه فراہم ہو جاتا ہے۔ خاص بات یہ کہ جب بنی اسرائیل کے لوگ نبی کے پاس آئے اور دشمن سے جنگ کے لئے سردار لشکر کے انتخاب کے سلسلہ میں بات کی تو پیغمبر نے طالوت کو سرداری دی، جن میں دو بنیادی خصوصیت کو معیار قرار دیا گیا جو ہمیشہ کیلئے اہل معیار قرار پا گیا، وہ معیار حسب ذیل آیت میں موجود ہیں:

﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ (۲)

اللہ تعالیٰ نے تم میں سے اس کا انتخاب کیا ہے جس کو علمی اور جسمانی برتری عطا فرمائی ہے۔

افواج کی سرداری کا مطالبہ اور اللہ تعالیٰ کے نبی کا منطقی جواب خود بتا رہا ہے کہ جنگ میں کامیابی کا معیار علم و معرفت اور قدرت پر منحصر ہے، جو سربراہی اور دینی امور سے متعلق ہے۔

حضرت موسیٰ کی قیادت میں بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم اور شکنجوں سے نجات ملی۔ اس طرح حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور دوسرے نبیوں نے قیام فرمایا۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو اپنے زمانہ میں تشکیل حکومت میں بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ خاص بات کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں علم کے ذریعہ اس بلند مقام کو عطا کیا۔

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا﴾ (۳)

یقیناً ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا۔

پتہ چلا کہ حکومت اسلامی کی بنیادی شرط علم و قدرت اور آگہی ہے۔ اسی کے ذریعہ معاشرہ سے تمام جہالت و خرافات اور بے انصافی کا خاتمہ ہو سکے گا، انھیں بنیادوں پر عدل و حق کی حکومت کا قیام ہو سکے گا۔

﴿۱۱۲﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (۱)

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو۔

فیصلہ کرنے کیلئے قدرت اور حکومت کا اہتمام ضروری ہے ورنہ درست نفاذ نہیں ہو پائیگا۔ اس کے علاوہ بھی قرآن میں بہت سے مقامات پر حکومت کا ذکر ہے لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ خدا نے اپنے ان نمائندوں کو ہی حکومت دی ہے، جو عدل و انصاف پر مشتمل حکومت قائم کر کے منافع بشریت کو عام کرنے کی کوشش اور لوگوں میں علمی، سیاسی، سماجی اور انسانی استعداد کو کشف اور عام کر سکے۔

مال و ملک بھی خدا کا عطیہ

کچھ تنگ نظر افراد کا خیال ہے، اسلام میں مال و حکومت کی اہمیت نہیں ہے جبکہ یہ مفہوم قرآن کے خلاف ہے۔

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۚ أَن رَّاهُ اسْتَغْنَىٰ ۚ﴾ (۲)

حقیقت میں انسان اپنے آپ کو بے پرواہ (تو نگر) سمجھتا ہے۔ ہم جناب سلیمان کی حکومت و دولت سے تحقیق کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وسیع و عریض پادشاہی عطا فرمائی تو بجائے ان کے نفس میں کوئی سرکشی پیدا ہو ہر مقام پر انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا ہے۔ ایک کسان نے حکومت سلیمان پر رشک کیا تو کہا ﴿هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي﴾ اللہ کے بندے بجائے سرکشی اور غرور کے شکر خدا بجالاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی صاحب ثروت، مقام و منصب اپنے آپ کو اللہ کی ذات سے مستغنی نہیں سمجھتا ہے پھر تو وہ خدا کی جانب سے امین و صادق بن جاتا ہے لیکن جیسے ہی اس کے دل میں انانیت اور میں کا احساس ہو تو سرکش اور اپنے حدود سے خارج ہو جاتا ہے، اب چونکہ اپنے اوپر کسی کو حاکم نہیں جانتا، لہذا ذلت و رسوائی میں گرفتار ہو گیا۔

جناب داؤد ہی کے سلسلہ میں عبد ربہ اندلسی نے ایک روایت جناب داؤد سے متعلق نقل کی ہے:

”إِنِّي أَنَا اللَّهُ مَالِكُ الْمُلُوكِ، قُلُوبُ الْمُلُوكِ بِيَدِي، فَمَنْ كَانَ لِي عَلَى طَاعَةٍ، جَعَلْتُ

الْمُلُوكَ عَلَيْهِمْ نِعْمَةٌ، وَمَنْ كَانَ لِي عَلَى مَعْصِيَةٍ، جَعَلْتُ الْمُلُوكَ عَلَيْهِمْ نِقْمَةً“ (۱)

بے شک میں اللہ؛ بادشاہوں کا بھی مالک ہوں، ان کے قلوب میرے اختیار میں ہیں جو میری اطاعت کرتا ہے بادشاہت کو اسکے لئے نعمت اور جو معصیت کرتا ہے تو ملک کو اس کیلئے ذلت و قہمت بنا دیتا ہوں۔

جناب یوسف کو ایک مدت بیت المال کی ذمہ داری کے بعد مصر جیسے تاریخی ملک کی مملکت عطا کر دی۔ اللہ کے نبی نے ایک انسانی اور دینی فریضہ سمجھتے ہوئے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی جس کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نَصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (۲)

اسی طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) پر تمکنت اور قدرت دی تاکہ وہ جہاں بھی چاہیں رہیں، ہم جسے چاہتے ہیں اس تک اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور احسان کرنے والوں کا اجر و پاداش ضائع نہیں کرتے۔

قرآن نے تین دلیلوں سے پرکھنے کا معیار بتایا ہے۔ یا تو اپنے دور کے علمی و لائٹل سے اس پر غور کرو۔ یا پھر تاریخی شواہد سے دیکھو کہ سابقہ اقوام نے جب غلط طریقہ اختیار کیا تو اس کا نتیجہ کیا نکلا تھا۔ یا پھر استنتاجی طریقہ سے (Pragmatic test) اس کی صداقت کو پہچانو۔ استنتاجی طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام کو قائم ہو کر اپنے نتائج پیدا کرنے دو۔ نتائج سے خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ اس کا دعویٰ سچا ہے یا نہیں۔

حکومت کی برکتیں

جب بھی بشریت ظلم و بربریت اور سفاکیت کا نشانہ بنی، ظالموں اور سرکشوں نے آتش ظلم سے انسان کے خرمن شرافت اور کرامت کو جلانا چاہا تو خداوند عالم نے اپنے نمائندوں کو بھیج کر صاحبان کرم اور ایمان پر منت و مہربانی فرمائی اور انسانیت کو اس کے مقصد حیات پر استمرار کی ہدایت فرمائی ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا﴾ (۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین کے درمیان رسول بھیج کر بڑا احسان کیا۔

خدائی نمائندوں کے وحی آمیز بیان سے انسانی اذہان بیدار ہوئے، سوئی ہوئی فطرتیں جاگیں، قومی قبائلی تعصبات ذہنوں سے دور ہونے لگے، اس وقت اسلام تھا کہ جس نے جہالت، نفرت، کدورت اور عداوت کی جگہ روح محبت سے لوگوں کے دلوں کو معمور، مسرور اور مسحور بنا دیا، جو کسی اور طرح سے ممکن نہیں تھا۔

﴿وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ﴾ (۲)

بیشک یہ تمہاری امت متحد و منجم ایک امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہذا میرے حکم کی مخالفت سے پرہیز کرو۔

اہلبیت رسول ﷺ کی تعلیمات کے مطابق لوگ حکومت میں بڑا کردار رکھتے ہیں، جس کا سیاسی، سماجی اور دینی جواز بھی بنتا ہے۔

۱۔ آل عمران، آیت ۱۶۳۔

۲۔ سورہ مومنون، آیت ۵۲۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور سماج کی ادارت

اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول کو آشکار دعوت کا حکم ہوا تو رسول اللہ نے نظم و انضام کے لئے مختلف جماعتوں سے گفتگو کی، جو جماعتیں دور و نزدیک سے زیارت کعبہ کے لئے آئے ہوئے تھے، انھیں دعوت دی۔ اس سلسلہ میں اہل مدینہ کے دو گروہ کے ساتھ مقام ”عقبہ“ میں گفتگو کی۔ ان کے ساتھ معاہدہ ہوا تا کہ وہ اپنے شہر میں آنحضرت کو دعوت دیں اور آپ کی حمایت و اطاعت کریں (۱) یہاں سے آنحضرت کی حکومت اسلامی کا آغاز ہوتا ہے۔

آنحضرت یکم ربیع الاول سال ۱۳ ربعت ۶۲۲ء میلادی اہل یثرب کی دعوت پر کہ جسکو بعد میں مدینہ الرسول کہا گیا، ہجرت فرمائی اور قدرت مند طور پر اسلامی فوج تشکیل دی۔ مدینہ میں جنگجو اور ضدی قبائل کے درمیان نظم، وحدت اور قانونی حکومت تشکیل دی گئی۔ مدینہ کے لوگوں کو پیغمبر خوب اچھی طرح پہچانتے تھے، بچپن سے رفت و آمد تھی۔ دو قبیلہ اوس خزرج جو کہ اصل آبادی کو تشکیل دینے والے تھے، دونوں کے بیچ کدورت، دشمنی اور اختلاف کو ختم کرایا۔

یہودی، مذہب، تہذیب اور ثقافت کے اعتبار سے مڑتی تھی، عربوں کی نسبت آگاہ، شاطر اور فریبکار تھے، جو اس حکومت کے خطرناک ترین دشمن ہو سکتے تھے۔ پیغمبر ﷺ نے سب کو رام بنانے کی کوشش کی اور چند بنیادی کاموں کو انجام دیا، جس کو اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں:

(۱) مسجد النبی کی تاسیس

مدینہ آتے ہی آنحضرت نے معاذ بن عفراء، جوہل اور سہیل بن عمرو، دو یتیم بچوں کے سرپرست سے تھے، زمین کی خریداری کی اور اس پر مسجد تعمیر کرائی۔ صدر اسلام میں یہ مسجد توحہ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے تمام سماجی، سیاسی امور کے حل کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

رسول اعظم کو مسلمانوں کی معیشت، حریت کا بڑا درد تھا چنانچہ ہر طرح کے امکانات کو مضبوط کرنا چاہتے تھے

(۲) اقتصاد مدینہ کی اصلاح

پیغمبر اکرم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے اس شہر کا اقتصاد یہودیوں کے اختیار میں تھا۔ مدینہ کے اکثر لوگ کھیتی باڑی اور محنت مزدوری کرتے تھے اور ہمیشہ یہودیوں کی ماتحتی میں بسر کرتے تھے۔ مالی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان یہودیوں کے تحت تاثیر تھے، جس کی وجہ سے پیغمبر کے حکم سے مسجد کے اطراف میں بازار چھ بنوایا گیا، جس سے مسلمانوں کی معیشت کی اصلاح ہوئی۔

(۳) مدینہ کی حد بندی

کعب بن مالک کہتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھ کو بھیجا تا کہ خثیم، حیفاء، ذوالعشیرہ اور تیم مدینہ کے پہاڑوں پر جھنڈا نصب کر دوں (۱) اس طرح حکومت مدینہ کی حد بندی ہوئی۔
یقیناً رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی سیاسی بصیرت سے شہر کی حد بندی کرائی اور استحکام و انتظام کا سامان فراہم کیا۔

(۴) بھائی چارگی

مسجد کی تعمیر کے بعد مسلمانوں کے درمیان بھائی چارگی کی خاطر ایک دوسرے کیساتھ عقداخت پڑھا۔

۱۔ سید غففر علی جعفری فائزی: سیاست خارجی پیامبر اسلام ص ۲۳۔

بحوالہ: محمد حمید اللہ حیدر آبادی، الوثائق النبویہ (ترجمہ فارسی) ص ۵۶۔

بعض تاریخ نویس کے مطابق مکہ میں مہاجرین سے عقد اخوت پڑھا، جس میں ابو بکر کا عمر، حمزہ کا زید بن حارثہ، عثمان کا عبدالرحمن ابن عوف، زبیر کا ابن مسعود، عبیدہ ابن حارث کا بلال سے.. اور خود حضور ﷺ نے اپنا عقد اخوت امام علی ابن ابیطالب کیساتھ پڑھا دوبارہ مدینہ منورہ میں انصار و مہاجر کے درمیان عقد اخوت پڑھا (۱)

(۵) مسلمانوں کی مردم شماری

سب کاموں سے فراغت کے بعد مسلمانوں کے درمیان عقد اخوت کا صیغہ جاری کیا اور مدینہ میں حکومت تشکیل دی۔ مسلمانوں کی شہریت اور تعداد کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔

حذیفہ بن الیمان سے نقل ہوا ہے کہ پیغمبر نے فرمایا: مسلمانوں کی تعداد میرے لیے لکھو!

چنانچہ میں نے آنحضرت کیلئے لکھا کہ یہاں پر ایک ہزار پچاس مسلمان ہیں، اس کے باوجود بھی ہم ڈریں؟ کیونکہ ہم میں سے دیکھا گیا ہے کہ کچھ خوف کے عالم میں نماز پڑھتے ہیں۔

عبدان نے ابو حمزہ، اس نے اعمش سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار پانچ سو تھی (۲)

(۶) اسلام کی نشر و اشاعت

ہجرت کے بعد جب حضور مدینہ منورہ تشریف لائے آس پاس کے قبائل اور آبادیوں میں اسلام کی تبلیغ کی اور بعض مبلغین کو ان علاقوں میں قرآن کی تبلیغ و تعلیم کے لئے بھیجا۔

(۷) انتظامی امور

جاہلیت کے دور میں قبیلہ کے جداگانہ سردار تھے، جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں پھیلے ہوئے تھے اور ان میں حمیری، بکر، تغلب، شیبان، بنو حنیفہ، ہوازن، اوس خزرج، ثقیف و قریش کی الگ الگ ٹولیاں تھیں، جو شب و روز خانہ جنگی اور شرارتوں میں مبتلا رہتی تھیں، پہاڑوں صحراؤں میں جرائم پیشہ ور لوگ ساکن تھے، جنگی روک تھام کیلئے احکام بنائے گئے۔

۱۔ رسول جعفریان: تاریخ سیاسی رسول خدا، ص ۴۳۲۔

۲۔ محمد احمد اللہ حیدر آبادی، الوثائق النبویہ (ترجمہ فارسی) ص ۵۶/۵۷۔

(۸) بیرون ملک میں سفراء کا بھیجنا

حکومت اسلامی کی بنیاد رکھنے کے بعد حکمرانوں سے مکاتبات، سفراء کے ذریعہ ارتباط قائم کر کے بہت سے معاشرتی اور سیاسی عہد و پیمان پر عمل درآمد ہوا۔ خاص طور سے کسریٰ، ایران کے بادشاہوں، قیصر روم مقوش سلطان مصر نجاشی حبشہ کے فرمانروا اور دوسرے حکمرانوں کو جسے تاریخ نے ثبت کیا ہے مکاتبات قائم کئے۔ مثال کے طور پر رفاعہ بن زید کو نمائندہ کے طور پر اس نامہ کے ہمراہ بھیجا جس میں مکتوب تھا:

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (هَذَا كِتَابٌ) مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ لِرِفَاعَةَ بْنِ زَيْدٍ اِنِّیْ بُعِثْتُ اِلٰی قَوْمِهِ عَامَّتِهِ وَ مَنْ دَخَلَ فِيْهِمْ يَدْعُوْهُمْ اِلٰی اللّٰهِ رَسُوْلُهُ فَمَنْ اَقْبَلَ مِنْهُمْ فَفِیْ حِزْبِ اللّٰهِ وَ حِزْبِ رَسُوْلِهِ وَ مَنْ اَذْبَرَ فَلَهُ اَمَانٌ شَهْرَيْنِ“

عہد رسول ﷺ کے بعض مکتوبات اموی عہد میں پیغمبر اعظم ﷺ کے نام سے شروع کئے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر: ”مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَلَانٍ اِلٰی فَلَانٍ“

دوسری مثال،، نبی اکرم ﷺ کا خط بادشاہ حبشہ کے نام، لکھا گیا جس کو تاریخ طبری میں نقل کیا ہے (۱) اسی طرح شاہ کسریٰ کے سلسلہ میں آیا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، ”مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ اِلٰی كِسْرٰی عَظِیْمِ فَارَسِ“ (۲)

اکثر رسائل جو حکومت اموی کے بڑے پایہ کے حکمرانوں کے نام لکھے جاتے تھے... وہ حاکموں کے نام سے شروع ہوتا تھا پھر مرسل اعظم ﷺ کا اسم مبارک ذکر ہوتا تھا (۳) سرکار انبیاء نے خطوط کی وثاقت کے لئے مہر کا استعمال کیا چنانچہ ایک ہی دن میں آپ نے روم و فارس کے شہنشاہوں، حبشہ و قبط کے بادشاہوں حارث بن ابی شعر غسانی بادشاہ شام اور ہوزہ بن علی بادشاہ کو خطوط لکھے۔ ان تمام خطوط کا مفہوم ایک تھا اگرچہ الفاظ مختلف رہے ہوں کیونکہ سبھی خطوط کا واحد مقصد تو حید اور اسلام کے پرچم وحدانیت کے تحت اہل توحید کا جمع ہوتا تھا۔

۱۔ محمد جریر الطبری: تاریخ الطبری، ج ۲ ص ۶۵۲۔

۲۔ تاریخ الطبری ج ۲ ص ۶۵۳۔

۳۔ النظریۃ السیاسیۃ ص ۱۲۷۔

رسول اللہ ﷺ کا عہد سیاسی

حضور اکرم ﷺ سے پہلے جزیرۃ العرب میں کوئی معقول حکومت نہ تھی۔ قبائلی نظام ان خطوں میں حاکم تھے، اقتصادی حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے بڑی طاقتیں ان مناطق کی طرف متوجہ نہ تھیں۔ دراین اثنا مطلع آفاق پر خورشید رسالت جلوہ گر ہوا۔ جسکا نور کسی خطۂ ارض میں محدود نہ رہ سکا۔

ربیع الاول ۶۲۲ء میں لوگوں کی دعوت پر مدینہ منورہ (یثرب) تشریف لا کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جس کا لائحہ عمل آسمانی افکار کی روشنی میں تیار کیا اور اس کے استحکام کیلئے اصول و ضوابط کو عملی طور پر استوار کر لیا، الہی حکومت کے ضمن میں سیاسی قیادت کا بھی مسئلہ زیر بحث آیا، جس میں سماجی قیادت کی بہترین مثال قائم ہوئی جو سب سے پہلے رسول ﷺ کی ذات گرامی قرار پائی۔

پیغمبر اسلام ﷺ کا بنیادی منشور

حکومت کی کارکردگی شروع ہوئی جس میں سیاست کا بنیادی منشور یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی ولایت کے مقابلہ میں کسی دوسری طاقت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلِحُوا“ کے موقف پر جو مسلمانان عالم عہد رسول سے اپنے موقف پر باقی ہیں، مسلسل اور بے شمار قربانیاں دی گئیں، نسل ہا نسل کا قتل عام ہوتا رہا، بستی کی بستی تباہ کر دی گئی لیکن اس الہی موقف میں آج تک سوائے افزائش و ارتقا کے کوئی جھول یا کمی نہیں دکھائی دی۔ اس کلمہ کے ذریعہ نوع انسانیت کو معبود حقیقی کی طرف دعوت دینا تھا جس میں نہ جنگ اور نہ ہی فتنہ و فساد کا اشارہ ملتا ہے بلکہ سب کو انسانیت بحال کرنے کی

.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

دعوت تھی۔ خاص طور سے اس مقصد پر آنحضرت کے اہلیت سختی کے ساتھ پابند رہے ہیں۔

رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ نے حکومت اسلامی کی تشکیل دی۔ قیادت اور ادارت کی ذمہ داری خود سنبھال کر بڑے بڑے شہروں میں نمائندے بھیجے، جن میں عتاب بن اسید کو مکہ کا امیر، باز کو یمن کا، اور سائب بن عثمان کو مدینہ کا حاکم منصوب کیا۔ اسی طرح آنحضرت نے چھ افراد کو منجملہ حضرت امام علیؑ، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب کو امور قضاوت کیلئے معین فرمایا۔ فوج کو ادارہ کرنے نیز اس کی تقسیم و تنظیم کے قانون بنائے، مالی امور کا ادارہ کرنے کے لئے حذیفہ بن یمان کو صدقات کا منشی بنایا گیا، معاذ بن جبل کو جزیہ کی جمع آوری کا مسئول معین کیا (۱) سفراء کو بھیج کر وقت کے نامور سربراہان مملکت کے ساتھ مکاتبات قائم کئے، نظامی اور دفاعی عہد ناموں پر دستخط کی، دہشت گردوں اور سارقوں سے مقابلہ اور اس کی روک تھام کی۔ ہر جگہ آشوب گر، اختلاف کرنے والوں کے فیصلہ کی عدالت گاہ کا قیام وجود میں آیا، اس طرح کی بہت سی دیگر کاروائیاں تھیں جس کو حضور نے اپنے مبارک ہاتھوں سے انجام دیا تھا۔

حضور نے ملکی انتظامات میں حکام، ولایت، عمال کا تقرر، امیر لشکر، ائمہ کا تقرر، زکاۃ اور جزیہ وصول کرنے والوں کا اہتمام، مقدمات کا فیصلہ، غیر قوموں کے معاملات کی دیکھ ریکھ، فرامین و تعزیرات کا اجرا کرنا اور احتسابات کا کام خود انجام دیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں جس الہی معاشرہ کی تشکیل دی اس کے مجمل اصول و حجتہ الوداع کے خطبہ میں موجود ہیں۔ اس میں بنیادی حقوق انفرادی اور اجتماعی فرائض کے بارے میں اشارات ذکر ہیں جیسا کہ دائرہ معارف میں نقل ہوا ہے:

”مسلمانوں (میں اہل سنت) کے چوتھے خلیفہ امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ کے بعد سیاست کا انداز مختلف ہو گیا جو کہ کم و بیش بیسویں صدی تک چلتا رہا۔ ریاست کے اصولی نظریہ کے ساتھ سیاست اور حکمرانی کے طریقے بھی مختلف اور متنوع ہوتے گئے“ (۲)

۱۔ دکتر حسین خلیفہ، حجتہ الاسلام والمسلمین احمد خلیفہ: مدیریت در اسلام۔

۲۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۱۱، ص ۳۸۵۔

مختصر کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ اور امام علیؑ کی حکومت و خلافت کا پچیس سال کا وقفہ نہایت پردرد گذرا ہے۔ تاریخ اسلام کی اس سیاہ ترین تاریخ کا ذکر بہت کم کیا جاتا ہے، مورخین عدا ترک کر دیتے ہیں، اور اس وقت کی جنگ و جدال اور جنجال کو پس پردہ رکھا، اسی طرح حکومت و اقتدار میں منافقانہ فتنہ و فساد کو برملا نہیں کرنا چاہا۔ اس وقت کے بارے میں عبدالکریم مشتاق لکھتے ہیں؛ کہ ان کی تفصیلات کا اخفا ہی حکمت عملی ہے (۱)

مرسل اعظم ﷺ کا اپنے معبود سے انس

چالیس سال تک رسول اللہ ﷺ زحمت، صعوبت، رنج و بلا میں کمال صبر و شکیبائی کے ساتھ اپنے مقصد میں مصروف رہے، جس کے نتیجہ میں امانت، صداقت، کردار کی پاکدامنی کا اعلان دشمن نے خود کیا اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قوم کو اللہ تعالیٰ کی یکتائی، اس کی وحدانیت کے پرچم تلے لانے کی سعی و تلاش اور مسلسل کوشش کرتے رہے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اس کو تمام چیزوں پر مقدم کرتے اور ہر سال ایک مدت ”جبل النور“ اور غار ”حراء“ میں عبادت کرتے تھے۔

امیر المومنین علی ابن ابیطالب فرماتے ہیں:

”وَلَقَدْ كَانَ يُجَاوِرُ فِي كُلِّ سَنَةٍ بِحَرَاءَ فَأَرَاهُ وَلَا يَرَاهُ غَيْرِي“ (۲)

رسول خدا ﷺ ہر سال جبل نور اور غار حراء میں اقامت پذیر ہوتے تھے، میں ان کو دیکھتا اور سوائے میرے کوئی بھی آنحضرت کو نہیں دیکھتا تھا۔

بعثت رسول اکرم ﷺ

کتب سیرت و تاریخ میں ذکر ہے کہ جیسے جیسے بعثت کا وقت قریب آتا گیا آنحضرت عبادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طرف زیادہ مائل ہوتے گئے۔

۱۔ یار رسول اور غار ثور ص ۴۰۔

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ قاصعہ ۱۹۲۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر منت واحسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا ہے۔ ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم منت جس کا خود تذکرہ کیا ہے، اس سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ جیسی نعمت ہے۔

غار حراء سے آ کر کعبہ کاسات طواف کرتے، شب میں دیر سے سوتے اور صبح بہت جلد مستعد ہو کر عبادت میں مشغول ہو جاتے اور جب مکہ کے اطراف و اکناف راستہ چلتے تو ”السلام علیک یا رسول اللہ“ کی آواز سنائی دیتی تھی، جب دائیں بائیں دیکھتے تو ہاتف غیبی کے آثار نہیں دکھائی دیتے تھے۔ یہ حالت تین سے چھ مہینے تک چلتی رہی یہاں تک ایک دن نورانی فرشتہ صحیفہ کے ساتھ ظاہر ہوا اور کہا ”پڑھیے“ (۲)

چنانچہ الہی سیر و سلوک کے بلند ترین مرتبہ پر پہنچے اور علم (تعلیم و تعلم) و دین (پروردگار کے نام سے) اور روز قیامت جیسی تہذیب سے شناخت ہوئی۔ غرض کہ ۶۱۰ء میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۴۔

۲۔ علامہ طبری: مجمع البیان ج ۱ ص ۵۱۴۔ تاریخ اسلام ص ۵۹/۶۰۔

ولایت الہی کا سزاوار

قیادت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے جس لب و لہجہ میں اسکی تاکید فرمائی، دیگر امر کی اتنی تاکید نہیں کی ہے کیونکہ ولایت اسلام کی بنیاد ہے اور اسکو باطل ہمیشہ اپنی پوری قدرت سے ناکام بناتا رہے گا:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ...﴾ (۱)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔ اللہ لوگوں (منافقوں، دشمنوں) سے تمہاری مدد کرمائے گا۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۲)

(جبکہ اس ولایت کا ابلاغ ہو گیا تو جان لو!) آج ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام جیسے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔

اپنے اختلاف کو اللہ و رسول پر چھوڑ دو، تاکہ خدا و رسول کا حکم نافذ ہو سکے۔

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ

تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (۳)

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۶۷۔

۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۴۲۔

۳۔ سورہ نساء، آیت ۵۹۔

اگر کسی چیز میں اختلاف کرو! تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہی بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

لہذا جس نے حکم خدا سے سرپیچی، روگردانی اور مخالفت کی وہ دین سے خارج ہوا۔

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (۱)

اے رسول کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو کیونکہ اگر روگردانی کی توجان لو کہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

امام رسول کی مانند سماجی قیادت کا ذمہ دار ہوتا ہے ہرگز ہرگز یہ عہدہ کسی ظالم سرکش اور متجاوز کو نہیں مل سکتا ہے!

﴿لَا يَنَالُ عَهْدَ الظَّالِمِينَ﴾ (۲)

کون امام؛ ظالم یا مظلوم؟

جو شخص انسانی اصول اور قوانین کی پیروی اور اس پر عمل نہ کرے اور ان قوانین پر باقی نہ رہ سکے یعنی اپنی خواست نفسانی یا مطالبہ شیطانی پر کنٹرول نہ کر سکے، یقیناً وہ ظالم ہے۔ ایسے انسان نے دو ظلم کیا ہے، ایک ظلم اپنے نفس کے ساتھ کیا اور اس نے اپنے نفس کو مشوش و مضطرب بنایا، شرف انسانی کو خیانت، چوری، سرکشی، ظلم و تعدی سے مجروح کر لیا ہے، جس کی وجہ سے نفسیاتی طور پر وہ خود مضطرب اور اس کا ضمیر بھی حیران و پریشان رہتا ہے۔ دوسرے ذات خدا، ولی خدا پر ظلم کیا ہے، اپنے عہد و پیمان پر باقی نہیں رہا ہے اور خواہشات نفسانی کی پیروی کر کے خدا کی نافرمانی کی ہے جبکہ ظلم صرف شرک کرنے کو نہیں کہتے بلکہ انسان ظلم و ستم کرنے اور خواہشات نفسانی پر کنٹرول نہ رکھ سکے وہ معاشرہ کے اجتماعی امور کی کیسے بانگ ڈور سنبھال سکتا ہے؟ کس طرح لوگوں کو یقین دلا سکتا ہے کہ میں صحیح رہبری کروں گا اور وہ بھی جب ایک ایسا رہبر ہو جو شرک جیسے عظیم گناہ میں آلودہ ہو؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا ہے کہ کسی ظالم شخص کو اپنا عہدہ امامت نہیں دے سکتا!

﴿۱۲۵﴾

وہ شخص جس نے شرک کیا یعنی غیر خدا کے سامنے جھک گیا یہ ایسا ظلم ہے جسے خدا ہرگز معاف نہیں کر سکتا ہے،

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (۱)

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (۲)

اگر دو شخص ہوں ایک ہدایت، اصلاح و درستگی کی طرف لے جائے اور دوسرا کجی، بے راہ روی اور گمراہی کی طرف لے جائے تو کون سی قیادت لوگ پسند کریں گے؟

﴿أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ﴾ (۳)

جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ پیروی کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو خود راستہ معلوم نہ ہو؟ جس کو خود ہی راستے کا علم نہ ہو وہ دوسروں کو کیا راستہ بتائے گا، اس کی شخصیت مشکوک ہو جاتی ہے، عام لوگ بھی اس پر یقین نہیں کرتے اور ایسا تو ہر معاشرہ میں دیکھا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی مشکل ایسے افراد سے تھی، جو اپنے قوم و قبیلہ اور عہد جاہلی کے سردار، سرمایہ دار تھے، منجملہ ابو جہل و ابوسفیان... اسی فہرست سے تھے۔ وہ سب رسول کی ہمراہی میں محروم لوگوں کی روز افزوں گرفت اور اسلام کی چپنتی ہوئی طاقت سے خوف زدہ تھے۔ ان ظالموں کی نظروں کے سامنے ظلم اور بے انصافی کا گلا گھونٹا جا رہا تھا اور ان کی حکومت و ڈکٹیٹر کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ ایک خاص بات یہ کہ آپ کسی بھی معاشرہ میں چلے جائیں لوگ شروع سے جس کو متدین، مؤمن اور نیک دیکھتے ہیں اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ فطری بات ہے، جو شخص خیانت کرتا ہے، اس سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ یہ نہایت پسندیدہ طریقہ رہا ہے، خداوند عالم نے ذریت جناب ابراہیم میں امامت باقی رکھنے کا وعدہ اسی شرط پر کیا ہے۔ ورنہ بدیہی بات ہے کہ جو رہبر خود پابند اصول نہ ہو وہ دوسروں کو کیا اصول کی ہدایت کرے گا؟

۱۔ سورہ لقمان / آیت ۱۳۔

۲۔ سورہ نساء / آیت ۴۸۔

۳۔ سورہ یونس / آیت ۳۵۔

قائد معصوم ہوگا

انسان میں خطا کا امکان پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے ایک ضابطہ بنایا جاتا ہے، خاص طور سے بڑی پوسٹ حساس مقام اور صاحب منصب کیلئے دستور بنایا جاتا ہے۔ نص قرآنی ہے کہ سماج کا سب سے بڑا قائد معصوم ہو!

اب کیوں کہتے ہیں کہ معصوم کا انتخاب ممکن نہیں ہے؟ یہ تو عقلاء عالم کا نہایت پسندیدہ طریقہ کار رہا ہے! غرض کہ عدالت ایک اندرونی ملکہ ہے، چند افراد ہیں لیکن نہیں معلوم کس کے نفس میں عدل و اخلاص زیادہ ہے، گھر خاندان میں ایک دوسرے کو نہیں جانتے کہ اس کا نفس کیا چاہتا ہے؟ جہاں خود اپنے نفس کیلئے پتہ نہیں، اپنے قبضہ میں نہیں ہے، وہیں پر باپ کو اپنی اولاد کے بارے میں دوسروں سے زیادہ پتہ ہوتا ہے کہ کون زیادہ متقی، متدین اور پرہیزگار ہے۔ پتہ چلا عدالت و تقویٰ قابل پیمائش نہیں لیکن آثار و اندازہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ شریعت میں ایسے موارد ہیں جہاں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر امام جماعت کیلئے عدالت شرط ہے۔ یہ عدالت محسوس اور مشاہدہ کی چیز ہے یا نہیں؟ شخص امام کی رفتار و گفتار، کردار نیز ظاہری عادات و انصاف اور اخلاق سے عوام الناس کو اس کی عدالت کا یقین ہو جاتا ہے۔ قضاوت کے لیے عدالت شرط ہے، اسلامی نظام میں لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ معلوم کریں یہ شخص عادل ہے لیکن عصمت ایک امر خفی ہے، لوگوں سے کہا جائے تو ممکن نہ ہوگا لیکن دوسرے بہت سے ظاہری آثار و افعال ہیں جن کے ذریعہ مقام عصمت تک پہنچا جاسکتا ہے۔ آج تک نہ سنا گیا ائمہ اہل بیت نے اپنی زندگی میں کوئی گناہ کیا ہو جسکی وجہ سے گناہ کے اثرات مرتب ہو سکے ہوں۔

صاحب عصمت انسان کی نظر میں مال یتیم کا کھانا آتش جہنم کھانے کے مساوی ہے، ایسا نہ فقط آخرت میں بلکہ اسی دنیا میں جو مرتکب گناہ ہوتا ہے اس گناہ کے آثار کو درک و محسوس کرتا ہے۔ زنا، شراب جیسے گناہوں کی قباحت اس کے آثار کو دنیا ہی میں دیکھتا ہے۔

﴿وَسِيرَى اللَّهِ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تَرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ..﴾ (۱)

عنقریب اللہ اس کا رسول تمہارے اعمال کو دیکھ لیگا پھر ظاہر و باطن جاننے والے کے پاس پلٹا دئے جاؤ گے

امام علی ابن ابیطالبؑ فرماتے ہیں:

،،أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ أَحَقَّ النَّاسِ فِي هَذَا الْأَمْرِ أَقْوَاهُمْ،،

(۱) یہ امر مسلمانوں کی قیادت، خلافت اور امامت کبریٰ کا ہے، جس میں قائد کی قدرت تدبیر اور صوابدید پر منحصر ہے، جس کی پہلی شرط ہے کہ سیاست اور دیانت میں تدین اور سابقہ اچھا ہو درست سلجھا ہوا نظر یہ رکھتا ہو، کبھی شرک نہ کیا ہو، شریعت کے احکام کا عالم ہو، استنباط و اجتہاد کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے ہر باب اور ایک ایک جزء میں ملک کی اندرونی اور بیرونی سیاست سے بخوبی واقف ہو، عبادت اور معاملات سب میں حکم خدا کو جانتا ہو۔ غیر مسلم مملکت سے انسانی حقوق، تجارتی معاملات کیسا ہونا چاہئے۔ اگر غیر مسلم اسلامی ملکوں میں نفوذ پیدا کرنا چاہتے ہوں تو سیاست کیسی ہوتا کہ اسلام کی ہویت، حمیت، شوکت اور عظمت کو کوئی ضرر نہ پہنچے...

امام خدائی مقاصد کو استمرار دینے والا، پیغمبروں کا وارث ہوتا ہے۔ جس کی اہم ترین ذمہ داریوں میں ایک یہ ہے کہ وہ سماج میں اسلامی اقتدار کو بحال کرے۔ ائمہ کی ولایت اور پیروی کے سلسلہ میں قرآن کی تاکید ہے:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ (۱)

تم لوگوں کا ولی اور سرپرست فقط خدا، اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، وہی نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔

ولی کے معنی ہیں دوسری چیز کا پہلی چیز کے بعد بغیر فصل (ساتھ ہی) ہونا۔

راغب کے مطابق دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آئے جو ان میں سے نہ ہو (۲) اسی وجہ سے اللہ پھر رسول اور رسول کے فوراً بعد علی ابن ابیطالب کو ولی اللہ اور رسول اللہ کا وصی بلا فصل کہا جاتا ہے۔

.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

غلام احمد پرویز نے یہ لغوی معنی بتایا ہے، اسی سے ملتا جلتا مفہوم آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں معنی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں یہ آیت ولایت امامت پر دلالت کرتی ہے۔ جو اللہ اور رسول اللہ کی ولایت سے متصل ہوتی ہے، لہذا اتمام امور میں امام تصرف کا حق رکھتا ہے۔ (تفسیر آلوسی، روح المعانی ج ۶ ص ۱۶۷)

امامت کی تعریف میں کہا گیا:

”الامامة رياسة عامة في امور الدين والدنيا خلافة عن النبي“

امامت دین و دنیا کے امور میں ایسی قیادت ہے کہ جو پیغمبر اسلام ﷺ کی نیابت میں ہوتی ہے۔ یہی آنحضرت ﷺ کے مقاصد کو استرار بھی عطا کرتی ہے۔

ظاہری بات ہے کہ ۲۳ رسالہ زمانہ ابلاغ، احکام اسلام کی وسعتوں کے لحاظ سے کافی نہ تھا: استاد شہید مطہری کے بقول پیغمبر اسلام اس ۲۳ رسال میں اسلام کے تمام مسائل کو لوگوں تک اجمالی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں نہیں پہنچا سکے لہذا پیغمبر کی طرف سے ایسے افراد معین ہوں جن میں معنوی پہلو بھی ہوں رسول نے تمام حقائق کو ان کے لئے بیان کیا ہو اور وہ بھی ایسے ہوں جو تمام سوال کا جواب دہ ہو سکیں (۱) اور امام علی علیہ السلام اس خصوصیتوں کے حامل اور بدرجہ اتم سزاوار تھے۔

ولایت الہی کا سزاوار

قیادت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے جس لب و لہجہ میں اسکی تاکید فرمائی، دیگر امر کی اتنی تاکید نہیں کی ہے کیونکہ ولایت اسلام کی بنیاد ہے اور اسکو باطل ہمیشہ اپنی پوری قدرت سے ناکام بناتا رہے گا۔ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ...﴾ (۱)

اے رسول جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔ اللہ لوگوں (منافقوں، دشمنوں) سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (۲)

(جب اس ولایت کا ابلاغ ہو گیا تو جان لو!) آج ہم نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام جیسے دین ہونے پر راضی ہو گیا۔

اپنے اختلاف کو اللہ و رسول پر چھوڑ دو، تاکہ خدا و رسول کا حکم نافذ ہو سکے۔ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (۳)

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۶۷۔

۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۔

﴿۱۳۰﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

مقریزی کے حوالہ سے:

”إِنَّهُ لَمَّا خَيْرٌ، اخْتَارَ أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا عَبْدًا وَلَمْ يَخْتَرْ أَنْ يَكُونَ نَبِيًّا مَلِكًا...“

بیشک رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کیلئے اختیار دیا گیا کہ نبی، بندہ خدا رہوں یا نبی، بادشاہ دنیا تو نبی نے بندگی خدا کو قبول فرمایا اور بادشاہی کو ٹھکرا دیا۔

”وَأِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْإِصْلَاحِ فِي أُمَّةٍ جَدَّتِي، أُرِيدُ أَنْ أَمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ

الْمُنْكَرِ وَ أَسِيرَ بِسِيرَةِ جَدَّتِي وَ أَبِي عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ“ (۱)

امام حسینؑ نے اپنے قیام اور تحریک کا جو بنیادی مقصد بیان فرمایا ہے، ان میں بعض یہ ہیں:

(۱) اپنے جد نامدار رسول کے امت کی اصلاح کرنا اور یہ اسی شان سے انجام پائے جس طرح آپ کے جد

رسول اللہ کرتے تھے۔ بڑی واضح بات ہے کہ جن امور کا نفاذ یعنی شریعت الہی کی تنفیذ رسول اللہ چاہتے تھے وہ آنحضرت کے ۲۳ سالہ حیات میں ممکن نہ تھا، لہذا ضرورت تھی کہ آنحضرت کے بعد اس کی صحیح تفسیر و توضیح ہو، جس کو رسول اور علی جیسا ہی کوئی انجام دے سکتا ہے۔ اس اعلیٰ اور اکمل جامع الصفات شخصیت حسین ابن علی کے علاوہ کیا کوئی دوسری ہو سکتی ہے؟ (۲) معروفات کا امر کرنا اور منہیات سے روکنا (۳) سیرت پیغمبر اعظم پر اور سیرت امیر المومنین پر عمل کرنا ہے۔

ظاہری بات ہے کہ سیرت رسول اللہ ہی علی مرتضیٰ کی سیرت ہے لیکن دونوں کا ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ مقصد

رسالت کے سلسلہ کو رسول کی ظاہری حیات کے بعد امام ہی انجام دینے والے ہیں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ (۲)

یہ سب عام مسائل ہیں جو مصلحت اور اسباب و برہان کی بناء پر جزئی احکام بدل جاتے ہیں۔ رہ گیا یہ ایسے

احکام الہی کے علاوہ ہیں جو کتاب و سنت میں ہیں اور نسخ نہیں ہوتے (۳)

۱۔ الفتوح ج ۵ ص ۲۱۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار ج ۴ ص ۳۲۹۔

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔

۳۔ میزان: ج ۴ ص ۱۲۱۔

رسول اللہ کے بعد غلط سیاست

رحلت حضرت رسول گرامی ﷺ کے فوراً بعد انصار و مہاجر کے بااثر افراد سقیفہ کی طرف دوڑے اور تجہیز و تکفین کی بھی پرواہ نہ کی۔ ان لوگوں نے اس بات کی توجیہ یوں کی ہے:

”جلدی کرنے کی وجہ امت کے درمیان تفرقہ کا خوف تھا“

اس بات پر شیعہ سنی کا اتفاق ہے کہ (۱) رسول خدا ﷺ نے سقیفہ جیسی کوئی انجمن تشکیل دینے کے لئے نہیں کہا تھا (۲) جو بات سقیفہ میں زیر بحث آئی تھی وہ علی ابن ابیطالب کی خلافت اور ان کے متعلق رسول کی سفارش کا تذکرہ کیونکہ کسی اور کے متعلق خلافت کی کوئی ایسی سند نہ تھی (۳) اگر دوسروں کے لئے کچھ کہا ہوتا تو یقیناً اہل سقیفہ اس قول رسول سے استناد کرتے (۴) اگر تفرقہ کے خوف سے ایسا کیا گیا تو کیا علی مرتضیٰ داماد اور نفس رسول اللہ نہیں تھے، وہ آنحضرت کے غسل و کفن میں مشغول تھے نیز سلمان، ابوذر، مقداد، عمار، عباس، ابن عباس اور باقی خاندان بنی ہاشمی کے افراد عامل تفرقہ تھے یا رسول خدا ﷺ کے مقصد سے اختلاف رکھتے تھے؟

اصل بات یہ ہے کہ اہل سقیفہ رسول اللہ کے ارشادات کو بخوبی جانتے تھے اور جو مطالب آنحضرت نے اپنی جانشینی سے متعلق فرمائے تھے، آگاہ تھے۔ اہل سقیفہ کو خوف تھا کہ لوگ صاحب حق کو ہی ترجیح دیں گے وہ لوگ سقیفہ کی طرف بھی نہیں جائیں گے۔ لہذا امام علی علیہ السلام نے پیغمبر اعظم ﷺ کے جنازہ کو بغیر غسل و کفن اور دفن کے نہیں چھوڑا۔ رسول خدا کا گلی کو چہ اور مسجد و منبر پر بارہا تاکید کرنا کہ میرے بعد علی ابن ابیطالب میرے جانشین ہوں گے، ان کے بعد میرے فرزند جو علی و فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے، پھر حدیث ثقلین اور علی و فاطمہ اور حسین علیہ السلام کے بارے میں بارہا تاکید کو لوگ نہیں بھولیں گے۔ لیکن یہاں سے نقشہ ہی بدلنے

لگتا ہے۔

عزالدین ابو حامد معتزلی ایک جملہ خلیفہ اول سے اس طرح نقل کرتے ہیں:

پیغمبر اکرم ﷺ نے رحلت فرمائی جبکہ زمانہ جاہلیت سے کوئی زیادہ فاصلہ نہیں گذرا تھا، میں ڈرا کہ لوگ فتنہ و آشوب میں گرفتار نہ ہو جائیں، اسوجہ سے دوستوں نے خلافت کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی (۱)

مدینہ سے باہر بغیر جانشین معین کئے نہیں جاتے تھے!

عزالدین ابو حامد لکھتے ہیں: میں نے ایک روز اپنے استاد سے کہا میرے لئے بہت دشوار ہے کہ میں اس بات کو قبول کر لوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کی جانشینی کے تعارف میں کوتاہی کی ہو اور اپنی پیروی کرنے والوں کو بغیر کسی سرپرست چھوڑ دیا ہو جبکہ آنحضرت کی یہ سنت تھی کہ مدینہ سے باہر نکلنا ہوتا تو بغیر جانشین معین کئے نہیں جاتے تھے، جبکہ کوئی خاص فاصلہ بھی نہیں ہوتا تھا اور حضور خود با حیات تھے لیکن جب اپنی رحلت سے مطمئن تھے، آئندہ کے حوادث کو ملاحظہ نہیں فرما رہے تھے کہ اس کے بارے میں عزم مصمم کرتے، جانشین معین نہ کرتے!! جبکہ سارے مسلمان آنحضرت کو صاحب عقل و فکر کامل جانتے ہیں، غیر مسلمان بھی دوراندیش، متفکر اور اپنے وقت کا نابغہ جانتے تھے، جب ہی تو امت کو ادارہ کرنے اور دین اور دنیا پر مشتمل آئین کو تشکیل دیا۔

استاد نے جواب دیا: مطلب کچھ اسی طرح کا ہے جو تم کہہ رہے ہو!!

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کیلئے جانشین معین فرمایا اور لوگوں کو ان کی پیروی کا حکم دیا لیکن جب صحابیوں نے آنحضرت کی پیروی نہیں کرنی چاہی تو اس موضوع میں اپنے لئے پیروی کرنا واجب نہیں جانا (۲)

یہیں سے مسلمانوں کے ایک فرقہ نے تحریک چلائی کہ ائمہ اہلبیتؑ کی پیروی ضروری نہیں اور جو کچھ پیروی و اطاعت کا مسئلہ ہے وہ معنوی و علمی امور میں کرنی ہے۔

۱۔ شرح نہج البلاغہ، ج ۶، ص ۳۲۔

۲۔ نہج البلاغہ، ج ۱۲، ص ۸۳۔

﴿۱۳۳﴾

امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہے: بعد رسول جب امام علی علیہ السلام کے خلاف اتحاد کیا گیا جس پر امام علی علیہ السلام نے رسول خدا کی باتوں سے استناد اور استدلال پیش کیا، جس پر امام علی علیہ السلام کی دلیل و برہان پر تصدیق اور تائید ہوئی لیکن کہا گیا: ”یہ سب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فسخ کر دیا تھا“

آنحضرت نے فرمایا تھا کہ خداوند عالم نے ہم اہل بیت علیہم السلام کو عظمت دی ہے، لوگوں میں سے ہم کو منتخب کیا ہے اور دنیا کو ہمارے لئے نہیں چاہا ہے۔ خدا ہمارے لئے نبوت اور امامت کو جمع نہیں کرتا ہے۔

چار افراد کی جھوٹی شہادت

اس امر کی کچھ افراد نے گواہی بھی دی جنکے نام اس طرح ہیں:

عمر، ابو عبیدہ، معاذ بن جبل، اور سالم، غلام ابی حذیفہ۔ ان کی جھوٹی گواہی نے مسئلہ کو لوگوں کے لئے مشکوک بنادیا۔ لوگوں نے تائید بھی کر دی، جس نے لوگوں کو پیچھے کر دیا اور امامت کو اس کے اصل مقام سے جو خدا نے معین کیا تھا جدا کر دیا، ہمارے حق، ثبوت اور دلیل سے انصار نے نزاع و اختلاف کر لیا اور خلافت ابو بکر کے لئے ثابت کر لی گئی۔ ابو بکر نے بھی عمر کو واپس کر دی، اس طرح ان کی قدردانی بھی کی گئی (۱)

غرض بنی امیہ اور بنی عباس نیز معاویہ، سفاح جیسے حکمرانوں نے ائمہ علم و حکمت اور صاحبان ولایت حقہ کو ان کے دنیاوی مقام و منصب سے محروم رکھا۔ ان کی منزلت میں وارد صحیح حدیثیں جیسے حدیث سفینہ، غدیر اور ثقلین کے مقابل اپنی من مانی حدیثیں گڑھ لیں اور قرآن کی غلط تاویل کر کے معارف اسلامی و مفاہیم دینی کو مسخ کر ڈالا گیا۔

ابن ابی الحدید نے ابو جعفر نقیب کا ایک قول نقل کیا ہے:

سادہ لوح لوگوں نے صحابیوں کو اکثریت سے دیکھا کہ امام علی علیہ السلام کو خلافت سے منع کر دیا گیا ہے سمجھے کہ یقیناً رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے خاص حکم ہے، جس حقیقت سے وہ سب جاہل تھے، آنحضرت نے گذشتہ سفارش جو امام علی علیہ السلام کی امامت کے بارے میں کی تھی، اس پر پردہ پوشی کی ہے۔ خاص طور سے ابو بکر نے کہا: رسول اللہ نے

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

فرمایا ہے کہ ”امام قریش سے ہوں گے“ لوگوں نے گمان کر لیا امام کے انتخاب میں آزاد ہیں، قریشی کا ہونا کافی ہے جو بھی چاہے امام ہو سکتا ہے۔ عوام کا خیال تھا کہ حکمراں جماعت ہم سے زیادہ معلومات رکھتی ہے، اس وجہ سے بھی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں کسی خاص رد عمل اور مخالفت کا موقف نہیں اختیار کیا (۱) اے کاش! رسول اللہ ﷺ کے بعد ان تمام حالات کا درست اور دقت سے مطالعہ، تحقیق و تفحص کیا جاتا اور مسلمانان عالم خاص طور سے دانشمند طبقہ گہرائی تک پہنچتے اور سوچتے کہ اسلام کا یہ سیاہ دور کیوں وجود میں آیا؟ آنحضرت کے بعد امام علیؑ اور امام حسن مجتبیٰؑ کی عملی زندگی میں یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کو حکومت و سلطنت سے الگ رکھا گیا پھر بھی ائمہ اہلبیت ہی تھے جو الہی قیادت کا نمونہ بنے رہے کیونکہ ہر موجودہ حکومت کے انحرافات، کج فہمی، ضعف اور غیر اخلاقی باتوں کی اصلاح فرماتے تھے اور ہر مسئلہ کو عملی طور پر انجام دیتے رہے۔ امام علیؑ کا پنج سالہ دور حکومت، علم سیاست و حکومت میں منہج سیاست بن گیا ہے۔

ایک مذموم کوشش

امام علیؑ سے لیکر آخری امام حضرت مہدی تک سبھی ائمہ رسول کی طرح امت کیلئے ہدایت کا چراغ ہیں۔ اسی وجہ سے حضرات ائمہ کے حرم مبارک کو مسمار و منہدم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کیونکہ وہ ظاہری حیات میں نہیں پھر بھی ان کا حرم مطہر اسلامی آثار اور الہی شعائر کی حیثیت سے انسانوں کی ہدایت اور معنویت کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔

جنت البقیع ہو یا سامرہ کا حرمین امین یا سرداب امام زمانہ (عج) یا امام کے نائب دوم کی قبر مع گنبد کے واقع در بغداد امریکہ و متحدہ افواج نے منہدم کیا، بے احترامی کی، یہ سب اسی عناد و کینہ اور شیطانی سیاست کا مقصد ہے۔ گیارہ اماموں کی عمر مبارک کا تقریباً پچپن سالہ دور ایسا گزرا ہے، جو سیاسی بحران سے دوچار تھا، ان ادوار میں حضرات ائمہ کا سطح نظر خدائی سیاست کے اصولوں پر مبنی ہوتا، کسی دباؤ، سختی اور ہجوم سے کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی بلکہ ہمہ وقت لوگوں کی خدمت، ان کی نجات کو زیادہ ترجیح دیتے تھے، جس کا مختصر لفظوں میں خلاصہ یہ ہے:

﴿۱۳۵﴾

۱. چونکہ ان کا مقصد انسانی پیکر میں خدائی صفات مجسم کرنا تا کہ انسان ان صفات حمیدہ میں خود کو مجسم کرے اور خدائی حکومت کا مطیع اور دوسروں کے ناحق تسلط سے دستبردار ہو جائے۔

۲. لوگوں کی ایسی تربیت کرنا جس سے بندوں میں صفات حسنہ رچ بس جائیں اور معاشرہ دینی و دنیاوی سعادت کا حامل بن جائے۔

۳. معاشرہ میں امن و سلامتی کا ایسا ماحول پیدا ہو سکے کہ جس سے شیر و گوسفند، چرند و پرند سب ایک ساتھ رہ سکیں۔ رہ گیا کس دور میں کون سی ہدایت، تربیت و سیاست کا نفاذ ہو اس کا تعین لوگوں کی کوشش تلاش اور فہم پر ہے، اسی لحاظ سے ائمہ اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں چونکہ خلافت و حکومت میں یہ طریقہ رہا ہے کہ لوگ امام کے ہاتھوں اپنی بیعت کریں اور امام بھی عوام الناس کی آمادگی اور ان کے تعاون سے حکومت کے اصول کو نافذ کر سکے۔

امام کی پیروی لازم ہے

قرآن نے انسانی شعبہ حیات میں اپنے نبی اور ان کے بعد ائمہ کی پیروی کو لازم بتایا ہے:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (۱)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول و صاحب امر کی اطاعت کرو۔

اطاعت و پیروی کا مقصد فقط روزہ، نماز، حج و زکات ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کی اصل روح رواں امام وقت کی پیروی کرنا ہے۔ معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کرنا جس میں روزہ نماز اور تمام احکام کے نفاذ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ سارے احکام کی تنفیذ کا ماحول اسی وقت سازگار ہوگا جب لوگ اللہ اس کے رسول اور صاحبان امر کی سرپرستی اور حاکمیت کے سچے پیروکار بن جائیں۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ اطاعت جدا، رسول اور اولی الامر کیلئے لفظ اطاعت جدا آیا ہے، جداگانہ آنے کا سبب واضح ہے کہ خداوند متعال اور رسول و ائمہ کی نوع اطاعت میں فرق ہے۔ اس آیت کے متعلق حضرت امام خمینیؑ کا نظریہ ملاحظہ فرمائیں:

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

قرآن نے ایک مطلب کو بیان کیا ہے، پیغمبر اسلام بھی احکام خدا کی حیثیت سے اس کی وضاحت کرتے ہیں اسی طرح دوسرا حکم جس میں پیغمبر حاکم ہونے کی حیثیت سے حکومت کے قانونی امور بھی بیان کر سکتے ہیں، مثال کے طور پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ لشکر اسلام فلاں مقام پر جا کر جنگ کرے۔

واضح ہے کہ قرآن میں حکم آیا ہے، پیغمبر یا امام حاکم ہونے کی حیثیت سے اس حکم (مصادیق) کو بیان کریں گے۔ ایسے حکم کو حکومتی (یا سیاسی) قانون کہتے ہیں (۱)

دینی کاموں میں ایسے امور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو عطا کئے ہیں، ذیل آیت میں امام فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

فَقَالَ: نَزَلَتْ فِي عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَالحَسَنِ وَالحُسَيْنِ (ع): فَقُلْتُ لَهُ أَنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ: فَمَا لَهُ لَمْ يَسْمَعْ عَلِيًّا وَ أَهْلَ بَيْتِهِ (ع) فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ؟ فَقَالَ: قُولُوا لَهُمْ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ (ص) نَزَلَتْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَلَمْ يَسْمَعْ اللَّهُ لَهُمْ ثَلَاثًا وَلَا أَرْبَعًا حَتَّى كَانَ رَسُولُ اللَّهِ هُوَ الَّذِي فَسَّرَ ذَلِكَ لَهُمْ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِ الزَّكَاةُ وَلَمْ يَسْمَعْ لَهُمْ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمًا حَتَّى كَانَ رَسُولُ اللَّهِ هُوَ الَّذِي فَسَّرَ ذَلِكَ لَهُمْ، وَنَزَلَ الْحَجَّ فَلَمْ يَقُلْ لَهُمْ طُوفُوا أُسْبُوعًا حَتَّى كَانَ رَسُولُ اللَّهِ فَسَّرَ ذَلِكَ لَهُمْ، وَنَزَلَتْ:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

وَنَزَلَتْ فِي عَلِيٍّ وَالحَسَنِ وَالحُسَيْنِ (۲)

مذکورہ آیت امام علی امام حسن و امام حسین علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سوال کرنے والے نے پوچھا قرآن میں علی بن ابیطالب کا نام ذکر نہیں ہوا ہے؟ فرمایا: ان سے کہو! رسول اللہ کو نماز کا حکم ہوا لیکن اللہ نے نہیں بتایا کہ ۳ رکعت یا ۴ رکعت پڑھو، غرض اللہ کے رسول نے اس کی وضاحت فرمائی، اسی طرح زکات کا حکم نازل ہوا وضاحت نہیں کی ہر چالیس درہم سے ایک.. حج کا حکم آیا نہیں بتایا کہ سات طواف کرو۔ یہاں

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ.

حضرت ابراہیم نے اپنی ذریت میں امامت کی دعا فرمائی، اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا: ظالم کو عہدہ امامت نہیں ملے گا لیکن وہی مقام اللہ نے رسول کی ذریت کو عطا کیا جو علم و ایمان میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ یہ امامت خلافت الہی، خلافت رسول، مقام امیر المومنین اور حسن و حسینؑ کی میراث ہے۔ اسی امامت سے اسلام کی جڑیں مضبوط اور اس کی شاخیں بڑھتی ہیں۔ امام سے نماز، زکات، روزہ، حج، جہاد کامل، مال غنیمت اور صدقات کے احکام و حدود کا اجرا ہوتا ہے اور مناطق کے حدود، اس کے اطراف کی حفاظت ہوتی ہے۔ امام ہی اللہ کے حلال کو حلال، حرام کو حرام، اس کے حدود کو معین کرتا اور دین خدا سے دفاع کرتا ہے۔

شیعہ نظریہ کے مطابق علم کلام میں امامت اصول کا ہی ایک جزء مانا گیا ہے لیکن سنی مکتب میں امامت فروع کا ایک حصہ ہے کیونکہ امامیہ امامت کو علم کلام سے اور سنی علم فقہ میں بحث کرتے ہیں۔

اس فرق کا راز یہ ہے شیعہ کا اعتقاد ہے کہ امامت نبوت کی ہی جانشینی ہے۔ اور نبوت مخلوق کا کام نہیں ہے بلکہ خالق کا کام ہے۔ اگر کوئی چیز خدا سے مربوط ہو تو وہ بحث اعتقادی اور کلامی ہوتی ہے۔ یعنی،، یجب عن اللہ،، نہ،، علی اللہ،، اللہ پر لازم ہے کہ نبی بھیجے اور اسی طرح اللہ کے ذمہ ہے کہ نبی کے لئے جانشین معین کرے۔ لہذا چاہئے کہ قانون صرف خدا کی طرف سے ہو۔ اس وجہ سے مسئلہ امامت میں کلام خدا کے ذمہ ہوتا ہے نہ کہ لوگوں کے ذمہ اور وہ علم جو خدا کے کاموں کے بارے میں بحث کرتا ہے، علم کلام ہے۔ لیکن جو لوگوں کی رائے سے امام بناتے ہیں اور سقیفہ تک امام کو پہنچا دیتے ہیں، امام کو انتخاب سے بناتے ہیں جبکہ امام انتصاب سے یعنی خدا کے ذریعہ بنتا ہے۔ انھوں نے مسئلہ امامت کو خدا سے لیکر لوگوں کے ذمہ سوپ دیا اور جو علم مخلوق کے بارے میں بحث کرتا ہے، وہ علم فقہ ہے۔ (۱)

.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

زبردست منصوبہ

صدر اسلام سے ہی بنی امیہ نے شدت پسندی اور دہشت گردی کی تحریک چلائی، جو عرب کی رائج سرداری، استکباری طریقہ پر مبنی تھی اور جیسے جیسے فاصلہ بڑھتا گیا اس سازش و منصوبہ بندی میں اضافہ ہوتا گیا۔ دوسری جانب مرسل اعظم ﷺ کی راہ کو آگے بڑھانے کے لئے اہلبیت عصمت و طہارت علیہم السلام نے جواثیر، فداکاری، قربانی اور جانفشانی کا ثبوت دیا ہے اس کا ادراک عام انسان کے لئے مشکل ہے۔ آج ہدایت، تربیت اور معنویت کا ماحول اور انسانیت میں جو حقانیت کا شعور بیدار ہوا ہے وہ سب کرشمہ اہلبیت ہی کا مرہون منت ہے۔ اہلبیت رسول نہ ہوتے تو اسلام کی جو حیثیت شکل و صورت باقی ہے نہ رہ پاتی کیونکہ بنی امیہ کے اصل قیام کا مقصد یہی تھا کہ انبیاء و ائمہ اور اولیاء خدا کی ولایت و امامت کو کسی بھی صورت سے ختم کر دیا جائے، یا کم از کم بدل دیا جائے۔ امید ہیکہ آئندہ اہل علم و تلاش اور صاحبان تحقیق مزید حقائق کا انکشاف کریں گے۔

رسول کے بعد کی سیاسی سرگرمیاں

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جس دن سے اسلامی حکومت تشکیل دی، دشمن اسی دن سے حریصانہ منصوبہ بنانے لگا تھا۔ چنانچہ کچھ سیاسی افراد جن کے دل ایمان و ایقان سے خالی تھے، اسلام قبول کر کے مسلمان کی سند کا اعزاز حاصل کیا اور اپنے ناپاک عزائم میں مصروف ہو گئے، نتیجہ میں دہشت اور قتل و سازش کا بازار گرم ہو گیا تھا

(۱) اقتدار اور حکومت کا زمانہ

رسول اللہ (ﷺ) کی رحلت کے ۲۵ سال بعد امام علی علیہ السلام کا بیچ سالہ دور حکومت، دراصل رسول اسلام کی حکومت کا وہی سلسلہ تھا جس کی پیروی کرنے کی ضرورت تھی۔ اگرچہ امام نے رسول کی مانند ساری توجہ اسلام کے استقرار و استحکام میں صرف کی اور معاشرہ میں الہی افکار و معارف کے نفوذ کی خاطر سکوت میں گزارا، پچیس سالہ خاموشی کی زندگی میں بھی اپنے حریفوں، غاصبوں اور منافقوں کی مدد کرنے سے دریغ نہیں کیا، اس سے لوگوں پر خود بخود حقائق روشن ہوتے گئے اور اتنے عرصہ میں لوگ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ سوائے علی ابن ابیطالبؑ کے دوسرا حق و عدالت کی قیادت نہیں سنبھال سکتا ہے ورنہ آج ہی کیونکر سارے مسلمان متفق ہو گئے تھے؟

اس سے پہلے کی خلافت کیلئے شش نفرہ کمیٹی پر بھی اتفاق نہیں ہو سکا تھا۔ اس وقت کی خلافت کے انتخاب کا بھی یہی حال تھا جو آج کل غربی ڈموکریسی نظام کا ہے بلکہ یہ نظام قدرے بہتر ہے کہ اس میں ایک طریقہ کار پر اکثریت کی مشارکت تو ہوتی ہے جو بعد رسول اوائل کی تین خلافت میں نہیں تھا۔ انصار الگ خلافت کے دعویدار تھے، مہاجرین کا جدا گانہ نظریہ تھا پھر جھٹ پٹ حضرت عمر کا حضرت ابوبکر کی تقریر پر بیعت کر لینا اور اس

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

کے بعد انصار کو وزارت کی ہری جھنڈی دکھا دینا۔ ان سب کے مقابلہ میں امیر المومنین امام علی کا اس طرح انتخاب ہوا کہ جس کی تاریخ عالم میں آج تک کوئی مثال نہیں مل سکی۔ بزرگان قبائل، رجال وقت، اہل علم اور کثیر تعداد میں مسلمان امیر المومنین علی ابن ابیطالب کے پاس آئے اور خلافت کی درخواست کی، شروع میں آپ نے خلافت قبول کرنے سے انکار کیا، جم غفیر میں لوگ پسے جا رہے تھے لہذا حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ مسجد تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول پر درود اور سلام کے بعد فرمایا:

”اَنْ اَكُوْنَ وَزِيْرًا خَيْرٌ مِنْ اَنْ اَكُوْنَ اَمِيْرًا“

”میرے لئے تم لوگوں پر امیر ہونے سے بہتر یہی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وزیر ہوں“ (۱)

یہ ایک طرح کا انکار تھا یا جواب کہ جس طرح مجھ کو گذشتہ خلافت میں چھوڑ دیا تھا، آج بھی میرے حال پر چھوڑ دو، مجمع کے جم غفیر نے اصرار کیا، رسول اسلام ﷺ کا واسطہ دلایا۔ امام کے دروازے پر مسلمانوں کی اتنی کثرت تھی کہ امام علیؑ فرماتے ہیں: فرزند رسول اللہ (امام حسن اور امام حسین علیہما السلام) مجمع میں کچلے جا رہے تھے۔

جناب امیرؑ کا خلافت سے انکار کی وجہ

۱. چونکہ امام علی کو نہایت بحرانی حالات میں خلافت دی جا رہی تھی، رسول اللہ ﷺ کے بعد مناسب ایام گزر چکے تھے، سنت رسول کی جگہ دشوار ترین حالات اموال کی جمع آوری، ہوا و ہوس، مقام و منصب، بدعت اور طبقاتی امتیازات کا دور تھا۔ غرض جو تھا اپنے خاص مقاصد کی تکمیل و تحریص میں لگا تھا۔

۲. لوگوں کے اصرار پر امام کا خلافت قبول نہ کرنا تا کہ اس بات کو لوگ محسوس کر لیں کہ اس امر خلافت میں امام کے ساتھ قیام کرنا چاہئے تھا، جس میں لوگوں نے کوتاہی کی تھی۔

۳. صرف لوگوں کی رغبت سے خلافت قبول کرتے تو گذشتہ تمام ذمہ داریوں، بد اعمالیوں اور مشکلوں کا امام کو سامنا کرنا ہو گا اور ہوا بھی یہی کہ سفیانی عناصر خون خواہی عثمان کا حیلہ بنا کر امام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا

۴. خلافت قبول کرنے میں تاخیر کی تا کہ لوگوں کو زیادہ غور و فکر کا موقع مل سکے، احساسات سے کام نہ لیا

جائے، موقعیت کو دیکھتے ہوئے بیعت کریں اور جو قدم اٹھائیں، وہ ٹھوس ہو اور اس پر ثابت قدم رہیں۔

۵۔ جناب امیرؓ کی سیاست کا بنیادی اصول تھا، فن حکمرانی مگر پابندی احکام کے ساتھ، چنانچہ دیکھا گیا، پر آشوب دور میں بھی اپنے اصولوں سے سودا بازی نہیں کی ہے، کسی سیاستدان کا اپنے اختیار کردہ موقف پر قائم و دائم رہنا سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے۔ امام نے ایسی مثال قائم کی کہ سر مو بھی اصول سے کبھی تجاوز نہیں کیا (۱)

بے مثال ڈموکراسی کا نمونہ

ایسی بہترین ڈموکراسی یا جمہوریت کی مثال دنیا والوں کے پاس یا تاریخ عالم میں نہیں دیکھی گئی ہے۔ راقم التحریر نے تاریخ میں جب اس بات پر دقت کی تو سجد حیرت ہوئی کہ ابھی چند سال قبل امام علیؑ کے خلاف کوئی نوع مخالفت باقی نہیں بچی تھی جو امام پر روار نہ رکھی گئی ہو ہر ممکن کوشش تھی کہ آپ کا نام لینے والا روئے زمین پر کوئی باقی نہ رہ پائے۔ امام کے اکثر حامیوں کو موت کی گہری نیند سلا دیا گیا تھا، اسلامی ملکوں میں مناہر سے امام کو ناسزا کلمات کہے جانے کا رواج بنایا گیا۔ ایسے گھٹن کے ماحول میں جبکہ کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آزادی سے امام علیؑ کا نام لے، عجیب و غریب ذرائع ابلاغ اور میڈیا استعمال کیا گیا تھا، نہایت منافقانہ طریقہ کار سے معاویہ بن ابوسفیان تخت خلافت پر قابض ہوا۔ بنی امیہ کی تحریک کو قوت دی، جن کا سیاسی موقف تھا کہ حقیقی ولایت کی اہمیت مفہوم اور مصادیق کو ختم کر دیا جائے۔ ابن ابی الحدید نے ابو جعفر نقیب کا قول نقل کیا ہے، کہ قریش کو امام سے سخت عداوت تھی، جس پر ابن ابی الحدید اظہار حیرت کرتا ہے: ”کیونکہ بعد از وفات رسول امام علیؑ کو فوراً قتل نہیں کیا گیا،“ کہتا ہے کہ میں نے ابو نقیب سے پوچھا: مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ بعد وفات رسول امام علیؑ اتنی طولانی مدت تک قریش کے کینہ کے باوجود زندہ کیونکر رہے؟

معاویہ بن ابی سفیان نے اصحاب و تابعین کا ایک بڑا گروہ تیار کیا تا کہ غلط اور قبیح روایتیں امام علیؑ کے متعلق گڑھی جائیں جس سے امام کے بارے میں نازیبا کلمات کہے جائیں تاکہ لوگ ان سے اظہار تنفرد و بیزاری کریں اس مقصد کے لئے دنیا پرست لوگوں کو رغبت دلانے کیلئے بہت زیادہ رقم صرف کی۔ جن میں ابو ہریرہ، عمرو عاص

اور مغیرہ بن شعبہ، تابعین سے عروہ بن زبیر وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے (۱)

امام علیؑ کی جب شہادت ہو گئی دور دراز تک یہ خبر پھیلی کہ حضرت کو مسجد کوفہ میں حالت نماز میں شہید کر دیا گیا تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا کیا حضرت علی ابن ابیطالب بھی نماز پڑھتے تھے؟

بنی امیہ نے ایسی سیاسی فضا ایجاد کر دی تھی۔ لیکن پچیس سال کا عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ایسی موقعیت پلٹ آئی کہ ساری امت خانہ امام علی پر جمع ہو گئی۔ جم غفیر کا آنا بتاتا ہے کہ کچھ حقائق آشکار ہو چکے تھے، جس سے یہ جرأت پیدا ہوئی گئی تھی۔ لیکن افسوس سارے مخالف اور جاہ طلب کا اجماع اس بات پر تھا کہ کسی طرح یہ آئین پنپ نہ سکے، ہر ممکن لوگوں کو مادیت تک محدود رکھا اور لوگ بھی رسول اور قرآن کی مانند ولایت کو درست نہ سمجھ سکے۔

اگرچہ آج دانشور حضرات، حریت پسند، اہل علم تعصبات کے جاہلانہ بندھن سے نکلنے کی کوشش میں ہیں۔ امامت رسالت اور ولایت کے حقیقی مصادیق کی تلاش و جستجو میں پیش رو ہیں، صاحبان ولایت کے مخالفوں کی سازشوں، انکی سیاست کے مقابلہ میں ائمہ کے کردار کی شفافیت کا ادراک اور سچائی کا انکشاف بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ منجملہ ایک اور ثبوت کہ اقوام متحدہ سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ:

امیر المومنین امام علیؑ نے ایک حاکم کی حیثیت سے اپنے مصری گورنر، مالک اشتر کو جو عہد نامہ لکھا تھا، وہ حقوق بشر پر مشتمل اتنا جامع مکتوب، بے مثال اور کامل ترین منشور ثابت ہوا ہے کہ اقوام متحدہ کے متعلقہ شعبہ میں سب سے کامل و اکمل حاکم کی حیثیت سے (امام علیؑ کے خط کو جو مالک اشتر کو لکھا) ثبت کر دیا گیا ہے (۲)

یہ امام کی ایک وصیت جو مصر کے گورنر کو لکھی تھی، جس کا اعتراف کر لیا گیا، ورنہ امام کے تمام ارشادات الہی افکار پر مبنی حکومت و سیاست کے ایسے منشور ہیں جس کو مکمل سمجھنے میں ابھی بھی نہ معلوم کتنا وقت درکار ہے۔

(۲) صلح و آشتی کا عہد

امام علیؑ کی پچیس سالہ خاموشی اور قرآن کی جمع آوری کے بعد پوری امت نے امام کو بیعت کیلئے مجبور کیا

۱۔ مرتضیٰ عسکری، نقش ائمہ در احیای دین، ج ۶، ص ۴۱/۴۲ (۲) ابن ابی الحدید شرح ۸۸/۱۲۔

اور آپ کی پنج سالہ الہی حکومت کے بعد امام حسنؑ کی چھ مہینہ کی حکومت، جس کے آغاز میں معاویہ کے ساتھ مصلحت عامہ کی بناء پر اجباری صلح کرنی پڑی۔ جس میں امام نے نانا کی صلح حدیبیہ کی مانند عہد و پیمان پر دستخط کیا۔ صلح کی کچھ شرطیں (۱) صلح کی شرط پر پابندی: صلح کے متعلق کبھی نہیں سنا گیا کہ امام حسنؑ نے عہد شکنی کی بات کی ہو، جبکہ معاویہ نے عہد و پیمان کی رعایت نہیں کی۔ امام حسن اور اہلبیت رسولؑ کے چاہنے والوں کا قتل عام اور ان کے ساتھ بدترین سلوک روارکھا اور صلح نامہ کے شرائط پر پابند نہ رہ سکا۔ شیعہ سردار اور بااثر قبائل امامؑ کے پاس مدینہ آئے اور امام کی حمایت و ہمراہی میں معاویہ کیساتھ اعلان جنگ کیا، جنہیں بعض اسماء یہ ہیں:

حجر بن عدی کنڈی، مسیب بن نجیہ اور خود سلیمان بن عمرو وغیرہ۔ سلیمان بن عمرو نے امام کی خدمت میں معاویہ سے جنگ لڑنے اور مکمل حمایت کا اعلان کیا، اور بتایا کہ میں نے معاویہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”میں نے لوگوں سے جو وعدہ کیا ہے.. جن شرائط کو قبول کیا ہے.. ان سب کو اپنے پیروں تلے چکلتا ہوں“ (۱)

”ابوالفرج اصفہانی کے بقول: ”معاویہ جب یزید کیلئے بیعت لے رہا تھا تو اس کیلئے ”امام حسنؑ“ اور سعد بن ابی وقاص کی بیعت سے زیادہ گراں کچھ نہ تھا، لہذا پوشیدہ طور پر ان دونوں کو زہر دوا دیا“ (۲)

واضح ہو گیا تھا کہ معاویہ کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ انسانی اصول پر کئے گئے عہد و پیمان کی مراعات بھی نہیں کی۔ نتیجہ میں معاویہ نے اپنے مفاد کو خطرہ جان کر امام حسنؑ کو زہر سے شہید کروا دیا گیا۔

انحراف کا زمینه

یہاں پر ہم جائزہ لیں گے کہ کس طرح لوگوں میں انحراف اور بد عملی پھیلانی گئی:

(۱) تہذیب و ثقافت کے ذریعہ: کسی بھی تہذیب و ثقافت کی ترویج کا کام آسان نہیں ہوتا ہے کہ چند دہائی میں گوشہ و کنار عالم میں نفوذ کر جائے، ابھی تک اسلامی تہذیب مدینہ الرسول میں لوگوں کے ذہنوں میں نفوذ نہیں کر سکی تھی کہ لوگ پائنداری سے پیروی کرتے، وہ بھی معاویہ و ابوسفیان کی زہریلی تبلیغات کے ہوتے ہوئے۔

۱۔ شیخ راضی آل یاسین: صلح امام حسنؑ، ص ۳۵۲/۳۵۳۔

۲۔ شیخ راضی آل یاسین: صلح امام حسنؑ، ترجمہ، آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای، ص ۳۵۶۔

﴿۱۳۳﴾.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

(۲) قبیلہ وار زندگی کا رواج: اس وقت لوگ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے، ہر قبیلہ کا ایک سردار ہوتا اور جو وہ فیصلہ کرتا سارے افراد قبیلہ پیروی کرتے تھے۔ عہد رسول اکرم کے بعد معاویہ نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا اور آسانی سے قبیلوں کو اسلام اس کی حقانیت سے منحرف کیا۔

(۳) ضعیف الایمان: اسلامی قلمرو خاص طور سے شام میں دینی تربیت کا اثر نہ تھا۔ مدینہ کے لوگ جو براہ راست رسول اللہ سے ہدایت و تربیت پا رہے تھے، انھوں نے بھی واقعہ غدیر بھلا دیا تھا اور شام سے تو معاویہ نے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ انحراف و گمراہی کو بڑھاوا دینے کی خاطر بیت المال کا دروازہ کھول دیا تھا۔

(۳) سکوت کا پرورد زمانہ

معاویہ کی دس سالہ حکومت کے دوران امام حسن اور امام حسینؑ کی خاموشی کا زمانہ گذرا۔ اس کا سبب اسلام کی اخلاقی اور قانونی حیثیت سے گذشتہ عہد و پیمان پر باقی رہ کر اسلام اور مسلمانوں کو تفرقہ اور خونریزی سے تحفظ دینا تھا۔ یہ زمانہ حکومت معاویہ کی طرف سے اہلبیت رسول اللہؐ اور ان کے چاہنے والوں پر گھٹن، خوف و دہشت کا دور تھا۔ کسی میں جرات نہ تھی، مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں سے ملاقات کر سکے اور اپنے دینی یا دنیاوی امور میں امام سے ہدایت و رہنمائی حاصل کر سکے۔

ایک طرف اپنے منصوبہ کے تحت جو ابوسفیان سے ہی ان کی اسلام دشمنی تحریک کا سلسلہ چلا آ رہا تھا، وہ دراصل ولایت کی بیخ کنی کرنی تھی، دوسری جانب بتدریج فروعات دین کی اہمیت کم کرنے کیلئے کبھی دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز پڑھائی، کبھی جمعہ کی نماز بدھ کے دن پڑھائی، کبھی شراب پی کر مستی کی حالت میں نماز پڑھائی۔ بدعت و خرافات اور بیت المال کا ناجائز استعمال کیا گیا، بنی امیہ کی بازی گری کا تماشا ایسے مسلمان دیکھ رہے تھے، جو ابھی تازہ اسلام لائے تھے اور اسلامی مسند خلافت پر بیٹھے ہوئے ایسے شخص کو دیکھ رہے تھے جو اپنے کو خلیفۃ المسلمین کا دعویٰ بھی کر رہے تھے۔

اب اگر اہل بیت کی الہی سیاست نہ ہوتی تو قریب تھا کہ دشمن اسلام کی جامعیت، معنویت اور ولایت ختم کر کے شریعت محمدی ﷺ کو مٹانے میں کامیاب ہو جاتے لہذا امام حسن کی صلح کا اتنا فائدہ ہوا جتنا سورج کے

چمکنے سے زمین اور اس پر بسنے والوں کو ہوتا ہے۔

(۴) جنگ اور قیام کا دور

شرائط صلح میں دوسری شرط اکثر مؤرخوں کے بقول یہ تھی کہ معاویہ کو اپنی جانشینی کیلئے کسی کو معین کرنے کا حق نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ اب امام حسن ؓ یا آپ کے بعد امام حسین ؓ جو ہر اعتبار سے خلافت کے حقدار ہیں، ان تک خلافت پہنچ جائے گی، جب مختلف شہروں سے لوگ شام میں جمع ہو گئے، معاویہ نے خطبہ پڑھا، احنف بن قیس مجمع میں تھے، اس کے بارے میں ضحاک بن قیس فہری کو بلا کر معاویہ نے کچھ سمجھایا۔

معاویہ کی چال بازی

جب میں منبر پر جاؤں اور کچھ بیان کروں تم اجازت لیکر اٹھو، اجازت دوں تو خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور یزید کا نام لو اور جس قدر ممکن ہو تعریف کرو نیز مجھ سے درخواست کرو کہ میں اس کو اپنا ولیعہد بنا دوں۔ اس کے بعد عبدالرحمن بن عثمان ثقفی، عبید اللہ بن مسعدہ ی فزاری، ثور بن معن سلمی، عبداللہ بن عصام اشعری کو طلب کیا اور حکم دیا کہ جیسے ضحاک بات پوری کرے یہ سب اٹھیں اور اس کی تصدیق کریں۔ یہ جماعت اٹھی اور یزید کی تعریف کرنے لگی۔ احنف بن قیس کھڑے ہوئے اور معاویہ کی خواست کے برخلاف لوگوں کو حقائق کی طرف متوجہ کیا۔ یہ بھی بتایا کہ معاویہ نے امام حسن ؓ کو زہر سے شہید کروا دیا، تاکہ یزید کی خلافت کا زمینه فراہم ہو سکے (۱)

چنانچہ جب یزید بن معاویہ نے کھلم کھلا اسلامی اصول کی بیخ کنی کرنی شروع کر دی، حلال محمدی کو حرام اور حرام محمدی کو حلال کرنا شروع کر دیا تو اسے رسول امام حسین ؓ نے اسلام کو تحفظ دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

جب معاویہ کی اتخاذ کردہ سیاست کے تحت اسلام کے اصول میں تحریف شروع ہو گئی۔ احکام قرآن کی ہتک حرمت ہونے لگی۔ جبکہ صلح کی شرطوں میں یہ شرط تھی کہ معاویہ کو اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کا حق نہیں ہوگا پھر بھی معاویہ نے اپنے مرنے سے پہلے تلوار کے بل بوتے پر یزید کو نام زد خلیفہ بنا دیا۔ بزرگ شخصیتوں نے

﴿۱۴۶﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

اختلاف و احتجاج کیا لیکن طاقت و تلوار کے زیر سایہ اسکا بیٹا یزید مسند خلافت پر قابض ہوا، اب یزید بن معاویہ نے کھلم کھلا اسلام اور انسانی عہد و پیمان کی خلاف ورزی شروع کر دی، ظلم و بربریت اور بے عدالتی عام ہو جانے، اسلامی اقتدار خطرہ میں پڑ جانے اور یزید کا امام حسین ؑ سے بیعت کا مطالبہ کرنے پر امام ؑ نے کربلا جیسا زبردست دفاعی مورچہ بنانے کا عزم مصمم کر لیا۔

ادھر یزید بن معاویہ نے اپنے آبا و اجداد کی پیروی کی اور کوفہ، بصرہ، شام کے تمام شاہراہوں کی ناقہ بندی کر کے سارے شہروں میں سیکورٹی سخت کر دی گئی تھی، اندرون شہر کسی نے آواز اٹھائی تو فوراً قتل کر کے اس کے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا جاتا، ساتھ ہی ظلم و جور کے حامی اہل حرص و ہوس کو بیت المال سے مالا مال کر دیا جاتا۔ آخر میں امام اور ان کے اہل حرم جن میں بوڑھے، بچے اور خواتین بھی تھیں، کربلا میں جہاں ہر طرح کی بے سروسامانی تھی، ہر طرف صحرا و بیابان تھا، لشکر کشی کر دی، امام کی مدد کرنے والوں کی راہوں کو مسدود کر دیا گیا، دو محرم کو چاروں طرف سے امام حسین ؑ اور آپ کے ساتھیوں کو محاصرہ میں لے لیا گیا، ساتویں محرم تک ممکنہ آب و آذوقہ ختم ہو جانا یقینی ہو گیا، تو کئی دنوں بھوک و پیاس اور وحشت میں رکھا پھر دسویں محرم روز عاشورا حملہ کر دیا، جنگ ہوئی۔ جس میں مردوں کو شہید اور خواتین و بچوں کو اسیر بنا کر کوفہ و شام تشہیر کرایا اور پروپگنڈہ کیا کہ اس جماعت نے خلافت مسلمین پر خروج کیا تھا۔

حق اور باطل کا فیصلہ

اس معرکہ کربلا میں امام حسین ؑ کو فتح ہوئی، یہ ایسی فتح ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں کیونکہ یہاں شخص یا شخصیت کی جنگ کا مسئلہ نہیں بلکہ دو مکتب حق اور باطل کا مسئلہ تھا۔ ایک جانب اسلامی اقتدار و ہویت اور حق کے اصول کا مسئلہ تھا۔ دوسری جانب باطل جس کی نمائندگی روز اول سے ابو جہل، ابولہب، ابوسفیان، معاویہ اور یزید وغیرہ کر رہے تھے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی ولایت کے دشمن تھے اور اپنے غلبہ کی کوشش میں مشغول تھے لیکن امام حسین ؑ نے شہادت و ایثار جیسی قربانی دیکر باطل سیاست اور اس کے غلط مقاصد کو شکست دی لہذا نواسہ رسول نے تا ابد اسلامی اقتدار اور اصول کے ساتھ اپنے نانا رسول اللہ کی مثالی شخصیت کو تحفظ دیا۔ حکومت یزید کے عہد میں

مسجد دمشق میں امام زین العابدینؑ کا خطبہ ملاحظہ فرمائیں:

یزید امام کو اجازت نہیں دے رہا تھا لیکن جب لوگوں کے اصرار سے امام منبر پر آئے اور فرمایا:
... جو مجھے پہچانتا ہے پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا ہے اس کیلئے بیان کرتا ہوں۔

اے لوگو! میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں، میں زمزم و صفا کا فرزند ہوں، ... میں بنت رسول اللہ فاطمہ زہراؑ کا فرزند ہوں... امام کے بیان سے لوگوں میں شعور کی کرن پھوٹی گئی اور شور گریہ بلند ہوتے ہی مؤذن سے اذان کے لئے کہا گیا، اذان شروع ہوئی امام خاموش ہو گئے لیکن جب مؤذن نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو امام نے فرمایا:
اے لوگو! بتاؤ کہ یہ رسول اللہ میرے جد ہیں یا یزید کے؟

اگر یزید کہے میرے جد ہیں تو جھوٹا ہے اور کفر کیا اور اگر کہے کہ میرے جد ہیں تو پھر ان کی عترت کو کیوں قتل کیا ہے؟ (۱)

اس طرح یزید نے شکست کا اعتراف کیا اور یہی وہ مقام تھا جب کہا کہ مجھے نہیں معلوم تھا!
کچھ نا فہم یزید ملعون کی حمایت میں اس بات کو درست باور کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ شام میں تھا اس کو کیا خبر، کربلا میں کون سا حادثہ پیش آیا؟ یہ تو ان لوگوں نے ایسا کیا جو وہاں موجود تھے۔ بقول شخصے یہ لوگ کتوں کی بھی عقل نہیں رکھتے ہیں! کیونکہ کتے پر جب کوئی پتھر مارتا ہے تو وہ پتھر پر حملہ نہیں کرتا ہے بلکہ وہ پتھر مارنے والے پر حملہ کرتا ہے، ایسا کہنے والوں کی عقل میں نہیں آیا کہ اصل دشمن کون تھا؟ اصل منصوبہ بنانے والا یزید بن معاویہ اور اس کے آباؤ اجداد تھے اور قتل و قید کرنے والے اس کے آلہ کار تھے۔

(۵) علوم و معارف کا زمانہ

واقعہ کربلا کے بعد امام سجادؑ کیلئے کھل کر قیام کرنے کے حالات نہ تھے کیونکہ کربلا میں نواسہ رسول ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد ظالم حکمران کچھ زیادہ ہی بے باک ہو کر اسلامی میراث کو نابود کر رہے تھے کیا

کیا ظلم و ستم روارکھا گیا، جسارت اتنی بڑھی کہ خانہ کعبہ پر حملہ ہوا، غلاف کعبہ جلایا گیا، خانہ خدا پر آگ کے گولے پھینکے گئے، خانہ خدا میں گھوڑے باندھے گئے، مدینہ رسول جیسا مقدس شہر کئی دنوں تک شراب و زنا کیلئے آزاد کر دیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں ہزاروں ناجائز بچے پیدا ہوئے۔

یزید معاویہ ہی کا بیٹا تھا، معاویہ بن ابی سفیان کو خلفاء ثلاثہ نے اپنے دور خلافت سے ہی چھوٹ دے رکھی تھی جو پیغمبر اکرم ﷺ کے علاوہ امام علیؑ کی حکومت کا سب سے بڑا حریف اور امام حسنؑ کا جانی دشمن تھا۔ معاویہ کو،، وحیۃ العرب،، عرب کا سب سے بڑا دھوکہ باز کہا گیا۔

حکومت و اقتدار کیلئے ایسی مکر و فریب کی چال چلی ہے جو رہتی دنیا تک ذلت کا سبب اور اسلام کی حقانیت کے لئے روڑھا بن گیا۔ یوں ہی غربی سیاستدان نہیں کہتے اور پیرس کے ایک اہم پارک میں معاویہ کا مجسمہ نصب ہوا تھا کیونکہ بقول ان اہل غرب کے اگر معاویہ نہ ہوتا پھر تو اسلام نے پیرس کو مسخر کر لیا ہوتا۔ آٹھویں ہجری میں فتح مکہ پر حضرت رسول اعظم ﷺ نے ایسے لوگ جو آپ سے جنگ کیلئے آئے تھے، آزاد کر دیا تھا منجملہ ابوسفیان بھی تھا۔ جسکی وجہ سے اس خاندان کو (ابناء الطلقاء) کہا گیا۔ امام علیؑ نے بھی اس سلسلہ میں فرمایا ہے:

وَمَا لِلطَّلَاقِ وَابْنَاءِ الطَّلَاقِ وَالتَّمْيِيزِ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَتَرْتِيبَ دَرَجَاتِهِمْ وَتَعْرِيفَ طَبَقَاتِهِمْ،، (۱)

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کی ذریت میں امام زین العابدینؑ تھے، جن کا موقف یہ دیکھا گیا کہ آپ نے لوگوں کو ادعیہ، اذکار، استغاثہ، ذکر کر بلا، اپنے بابا کی یاد، بھائی، بھتیجوں کی مصیبت کا بیان کیا کرتے تھے۔ آپ نے دعاؤں کے ذریعہ معارف اسلامی کی حفاظت اور فروغ علم کے ساتھ سیرت اہلبیت اطہارؑ کی جانب توجہ موڑ دی، یہ ہدایت کا انداز نہایت بے مثال اور جداگانہ دکھائی دیا، جس کی آنے والے زمانہ میں اشد ضرورت بھی تھی، آنے والی امتوں کیلئے ایسے مفاہیم و طریقہ کار کی ضرورت تھی، جن ادعیہ، اذکار، معارف اور مختلف علوم کو امام سجاد، امام باقر اور امام صادقؑ نے لوگوں تک پہنچایا اور اتنا استوار کر دیا کہ ہر زمانے میں حکومتیں

﴿۱۴۹﴾

حقیقی اسلام کے افکار و معارف کو مٹاتی رہیں لیکن سوائے فروغ، پھلنے پھولنے کے کوئی کمی نہیں آئی اور ہمیشہ آپ کی سیرت معارف و معالم کا شاہراہ بنی رہی۔ آپ ملاحظہ فرمائیں امام کی دعا کا ایک ایک جملہ مستقبل ساز اور انسان ساز ہے۔

ابو حمزہ ثمالی نے امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے جو دعائے حمزہ ثمالی سے مشہور ہے۔ مفاتیح الجنان میں یہ دعا ذکر ہے جو عام طور سے رمضان مبارک میں پڑھی جاتی ہے:

”اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَاخْتِمْ لِيْ بِخَيْرٍ وَاكْفِنِيْ مَا اَهَمَّنِيْ مِنْ اَمْرِ دُنْيَايَ وَآخِرَتِيْ، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ مَنْ لَا يَرْحَمُنِيْ، وَاجْعَلْ عَلَيَّ مِنْكَ وَاقِيَةً بَاقِيَةً، وَلَا تُسَلِّبْنِيْ صَالِحَ مَا اَنْعَمْتَ بِهِ عَلَيَّ، وَرَزُقْنِيْ مِنْ فَضْلِكَ... اَللّٰهُمَّ اَحْرِسْنِيْ بِحِرَاسَتِكَ، وَاحْفَظْنِيْ بِحِفْظِكَ، وَاکْلَانِيْ بِكَلاَنِكَ“

خدایا محمد و آل محمد پر درود و سلام نازل فرما اور میری عاقبت ختم بخیر ہو، میری دنیا و آخرت میں جو امر مہم ہو وہ میرے لئے کفایت فرما، میرے اوپر جو رحم نہ کرے اسے مجھ پر مسلط نہ کرنا، مجھ پر اپنی طرف سے ایسے نگہبان کو جو ہمیشہ نگہبانی کرے قرار دے، مجھ کو جو بہترین نعمتیں عطا فرمائی ہیں واپس نہ لے... خدایا مجھے اپنی حراست میں محفوظ رکھ، اور اپنی حفاظت اور اپنی حمایت کے زیر سایہ محافظت فرما۔

اے کاش!! لوگ سامراج اور اسلام نما اسلامی مملکتوں کے سربراہوں کی منافقانہ سیاست کو سمجھ لیتے جو ہر لمحہ حقیقی علوم و معارف کے سد باب میں مصروف ہیں، لوگ سامراجی سازشوں کو سمجھ لیتے کہ ہر مخلص و مؤمن اور متدین انسان کو نظام سے اپنا حریف سمجھ کر دور پھینک دیتے ہیں، حساس پوسٹوں اور اہم مواقع پر عالم نما، فریب کار، سامراجی سیاست کے نفاذ کرنے والے افراد بٹھادئے گئے ہیں۔ بغیر شک و تردید ہمارے ائمہ اہل بیت کے طریقہ کار کو اپنا کر اس پر عمل کرنے کی آج اہل عالم کو سخت ضرورت ہے۔

حکومت کی تقسیم و تحفظ

قرآن نے اقوام عالم کے استحکام سے متعلق تفصیلی پروگرام دیا ہے، جس پر اللہ کے نمائندوں نے عمل کیا اور ہمیں سکھایا بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں قوموں کا عروج و زوال محض اتفاقی اور حادثاتی نہیں ہوتا بلکہ ایک محکم قانون کے مطابق ہوتا ہے۔

﴿وَأَمَّا مَنِّفَعُ النَّاسِ فَيَمْكُتُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ﴾ (۱)

جو لوگوں کو نفع دینے والی چیز ہوتی ہے زمین میں ٹھہری رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اس طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔ یعنی جو جتنا انسانیت کے لئے نفع بخش کام کرے گا اسی مقدار میں اسے دنیا میں بقا اور دوام نصیب ہوتا ہے۔ حالانکہ عالم کون و مکان میں اللہ کے منتخب بندوں کا دخل ہونا اور ان کو حکومت کا حق بھی ہوتا ہے، توجہ فرمائیں:

﴿هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا﴾ (۲)

استعمار کے معنی آباد کرنے کے ہیں۔ اللہ عظیم ہمارے لیز مین کو تمام امکان کیساتھ خلق کیا تاکہ تم اپنے اختیارات سے اس کو آباد کرو، حکومت کرو لیکن اجنبی اور استعمار آئے اور کہا زمین تمہاری، آب و ہوا تمہارا لیکن ہمارے لئے کام کرو یعنی ہماری نوکری کرو، یہ استعمار کا معنی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحیح و سالم حکومت کے جو شرائط اور امتیاز اللہ نے تمہیں عطا کئے تھے، اس حق کو استعمار نے تم سے سلب کر لیا اور اب اپنا غلام بنا لیا ہے، اب تم ان کے محتاج بن گئے۔ اے انسانوں اگر تم نے سعی، جدوجہد کی ہوتی تو استعمار اور سامراج تم پر غالب نہ آ پاتے؟

۱۔ سورہ رعد، آیت ۱۷۔

۲۔ سورہ ہود، آیت ۶۱۔

(۱) تکوینی حکومت

عالم طبیعت کی تمام چیزیں ایک دوسری چیز پر حاکم ہوتی ہیں جیسے انسان کا پانی کے بغیر زندہ نہ رہ پانا، یہاں پر مردو حال سے خالی نہیں ہے، یا کہ خدا براہ راست اس کی پیاس بجھا دے یا پھر پانی پینے سے پیاس بجھائے۔ گویا پانی کو ایک طرح کی حاکمیت حاصل ہے۔ اس طرح چاند سورج کا ٹکنا، ہواؤں کا چلنا، فصلوں کا آنا اور نباتات کا اگنا، حیوان کی نسل کا سلسلہ آگے بڑھا، ہر مخلوق کو ایک نوع ہدایت سے سرفراز فرمایا جیسے انسان کے بچہ کا ایک خاص مدت میں پیدا ہونا اور دنیا میں آتے ہی احساس گرسنگی پر گریہ کرنا، مچھلی یا مرغی کے بچہ کا پیدا ہوتے ہی رزق تلاش کرنا... اللہ نے ان کی فطرت میں ایک خاص ہدایت کو حاکم بنایا ہے، جس سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

کچھ لوگ غلط پروپگنڈہ کا شکار ہیں، ائمہ اہل بیت کے ساتھ رسول جیسی عظیم شخصیت کو یہود و نصاریٰ کے اشارہ پر مسخ کرنا چاہتے ہیں حالانکہ عام بات ہے، مرکزی بجلی سے کسی کے گھر میں بجلی ڈائریکٹ سپلائی نہیں ہوتی کیونکہ گھر کے الیکٹرونک وسائل اس مرکزی بجلی گھر کی نسبت نہایت کمزور ہوتے ہیں چنانچہ بجلی سپلائی کرنے والے چھوٹے چھوٹے وسائل بناتے ہیں تاکہ اس بجلی کا درست استفادہ ہو سکے اور اللہ ”نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ ہے، اس نے اپنے خاص نبیوں کو جن میں حضور گرامی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان رابطہ بنایا تاکہ بشریت خداوند متعال کی ذات صفات سے استفادہ کر سکے۔

(۲) تشریحی حکومت

عالم کون و مکاں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ قوانین بنائے ہیں، کچھ لوگوں کو ان پر اختیار دیا ہے تاکہ مخلوقات پر تصرف کرتے ہوئے، مخلوق خدا کی خدمت کر سکیں، منجملہ نبیوں اور ہادیوں کا مخلوق خدا کی ہدایت اور حکومت کی ذمہ داری سنبھالنا۔ اسی طرح ماں باپ کو بچوں کی پرورش، تربیت اور سرپرستی کا حق ہوتا ہے۔

(۳) اعتباری حکومت

بعض چیزوں کے مفادات اور مضرات کا علم نہ ہونے کے سبب آپس میں ایک قسم کا عہد و پیمان کیا جاتا ہے جو معمولاً

﴿۱۵۲﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

ہر جگہ، ہر مذہب اور ہر مکتب فکر میں رائج اور نافذ ہے۔ حکومتوں کا وجود عام طور پر اسی زمرے میں آتا ہے اور حکومت کی بنیادیں ایک دوسرے کے ساتھ اعتماد و ارتباط اور عہد و پیمان پر ہی باقی رہتی ہیں۔

اصل کے اعتبار سے امامت کے بارے میں (عبدالعزیز بن مسلم سے جامع مسجد میں) جب لوگوں نے موضوع امامت کے سلسلہ میں اختلاف کیا تو امام نے فرمایا: ”جَهْلُ الْقَوْمِ وَخَدَعُوا عَنْ أَذْيَانِهِمْ“ قوم نے جہالت سے کام لیا اور اپنے عقائد میں فریب کھا گئے ہیں، اکمال دین کا امامت جزء ہے، فرماتے ہیں: امامت ایسا مقام ہے کہ خداوند متعال نے مقام نبوت کے بعد جناب ابراہیم علیہ السلام کو یہ درجہ عطا کیا ہے۔ اسکو ابراہیم کی ذریت میں قرار دیا ہے:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ﴾ (۱)

یہاں تک پیغمبر اسلام کو امامت ارث میں ملی اور ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۲)

یہ مقام امامت مخصوص پیغمبر کو ملا، پیغمبر ﷺ سے امام علی علیہ السلام کو ملا۔ امام رضا علیہ السلام امام کی تعریف کرتے ہیں:

”إِنَّ الْإِمَامَ زُمَامَ الدِّينِ وَنِظَامَ الْمُسْلِمِينَ وَصَلَاحَ الدُّنْيَا وَعِزَّ الْمُؤْمِنِينَ. الْإِمَامَ أَسَّ السَّلَامِ النَّاسِ وَفَرْعَهُ السَّامِيَّ بِالْإِمَامِ تَمَامَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ وَتَوْفِيرِ الْفَقْرِ وَالصَّدَقَاتِ وَأَمْضَاءِ الْحُدُودِ وَالْإِحْكَامِ وَمُنْعِ الثُّغُورِ وَالْإِطْرَافِ، الْإِمَامَ كَالشَّمْسِ الطَّالِعَةِ الْمُجَلَّلَةِ بِنُورِهَا لِلْعَالَمِ وَهُوَ بِالْأَفْقِ حَيْثُ لَا تَنَالُهَا الْأَبْصَارُ وَالْإِنْدِي الْإِمَامَ الْبَدْرَ الْمُنِيرَ وَالسَّرَاجَ الزَّاهِرَ وَنُورَ الطَّالِعِ وَالنَّجْمَ الْهُدَى فِي غِيَابَاتِ الدُّجَى وَالِدَّلِيلَ عَلَى الْهُدَى وَالْمُنْجَى مِنَ الرَّدَى، الْإِمَامَ مُطَهَّرَ مِنَ الذُّنُوبِ مُبَرَّءَ مِنَ الْعُيُوبِ، مَخْصُوصَ بِالْعِلْمِ، مُؤَسَّسَ بِالْحِلْمِ، الْإِمَامَ وَاحِدَ دَهْرِهِ لَا يَدَانِيهِ أَحَدٌ وَلَا يُعَادِلُهُ عَالِمٌ وَلَا يُوجِدُ لَهُ بَدَلَ وَلَا لَهُ مِثْلٌ وَلَا نَظِيرٌ،“

۱۔ سورۃ انبیاء، آیت ۷۳۔

۲۔ سورۃ آل عمران، آیت ۶۸۔

﴿۱۵۳﴾

بیشک امام؛ دین کا سربراہ، مسلمانوں کو ادارہ اور نظم دینے والا، دنیا کا مصلح، مومنین کی عزت، اسلام کی اساس اس کی جڑوں اور شاخوں کو ہر ابھرا رکھنے والا ہے، اسی کے ذریعہ نماز زکات روزہ حج اور جہاد کامل ہوتا ہے، خراج و صدقات میں زیادتی ہوتی ہے، احکام و حدود کا اجرا ہوتا ہے، ملک کے حدود اور اس کے اطراف میں تجاوز نہیں ہوتا ہے، امام ایسا چمکتا ہوا سورج ہے جس کا نور سارے عالم پر چھا جاتا ہے اور ایسے افق پر مستقر ہوتا ہے کہ وہاں تک کسی کی نظر نہ ہی کسی کی دسترسی ممکن ہے، امام بدر کامل چمکتا ہوا چودھویں کا چراغ، ابھرتا ہوا نور، ستارہ ہدایت تاریک راتوں میں راہنما اور ہلاکت سے نجات دینے والا ہے۔ امام علیہ السلام ہر گناہ سے پاک، ہر عیب سے منزہ، علم سے مخصوص حلم میں مشہور ہوتا ہے۔ امام یکتا زمانہ، یگانہ روزگار ہوتا ہے، کوئی اس کا ہم پلہ نہیں، کوئی دانشمند مقابلہ نہیں کر سکتا اس کا کوئی بدل، مثل و نظیر نہیں ہوتا ہے۔

اس روایت کے آخر میں امام علیہ السلام دو خصوصیت بیان کرتے ہیں:

”فَهُوَ مُوَفَّقٌ مُّسَدَّدٌ مُّوَيَّدٌ قَدْ أَمِنَ مِنَ الْخَطَا وَالزَّلَالِ خَصَّهُ بِذَلِكَ لِيَكُونَ ذَٰلِكَ حُجَّةً عَلَى خَلْقِهِ شُهَدَاءَ عَلَى عِبَادِهِ فَهَلْ يَقْدِرُونَ عَلَىٰ مِثْلِ هَذَا فَيَخْتَارُونَهُ فَيَكُونُ مُخْتَارَهُمْ أَهْلُهُ الصِّفَةُ“

جب خداوند متعال بندوں کی فلاح و بہبودی کیلئے تدبیر کرتا اور کسی بندہ کا انتخاب کرتا ہے تو اس کے متعلقہ امور میں تائید کرتا ہے، خطا و لغزش سے حفاظت کرتا ہے، یہ اس لئے تاکہ مخلوق خدا پر حجت ہوں، بندگان خدا پر شاہد ہوں، کیا لوگ خود بخود اس طرح کے انتخاب پر قدرت رکھتے ہیں تاکہ اس صفات و کمال کا حامل امام انتخاب کر سکیں؟

حکومت اسلامی کے قوانین

آج ترقی یافتہ دور میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جس انسان نے سمندر کی گہرائیوں سے لیکر آسمان کی بلندیوں اور اس کے گرد و پیش کے مقامات کی چھان بین کر لی ہے تو کیا وہ انسان اپنے روزمرہ قانون زندگی کو خود بنانے سے عاجز ہے؟ جو انسان آئیٹم اور etoreny کے سینے میں اتر گیا ہو، جس نے اصول و عقائد اور اندیشہ کا تجزیہ کر لیا ہے، ذرات عالم کی تحقیق کی یا مشغول ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ مسائل کو حاصل نہیں کر سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ اسلام اور دیگر مکاتب فکر کی قانون گذاری میں فرق ہے۔ اسلام کی قانون گذاری دوسرے مکاتب فکر کے برخلاف ایسی مصلحتوں پر مبنی ہے جس کو خالق انسان ہی بخوبی جان سکتا ہے۔ کچھ کو سمجھنا ہماری توانا سے باہر ہے صرف ہم خدا اور رسول کے کہنے سے تسلیم کرتے ہیں۔ ہماری فکر کے مطابق اگر ہمیں اس کے اسباب و علل کا علم ہو جائے پھر تو اس قانون کی وسعت میں ایک طرح کی محدودیت لازم آئے گی۔ نیز اس کی مخالفت پر سزا یقینی ہو جائے گی جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم نہایت رحمان و رحیم ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ہم سرکار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشاد گرامی کا سہارا لیتے ہیں:

”اَيُّهَا النَّاسُ ! اَنْتُمْ كَالْمَرِيضِ وَ رَبُّ الْعَالَمِينَ كَالطَّبِيبِ فَصَلِّحْ

الْمَرَضَىٰ فَيَمَّا يَعْلَمُهُ الطَّبِيبُ لَا مِنْهَا يَشْتَهِيهِ الْمَرِيضُ“ (۱)

اے لوگو! تم مریض کی مانند ہو اور پروردگار دو جہاں طبیب و حکیم ہے لہذا بیمار کی مصلحت و بھلائی کو طبیب ہی بہتر جان سکتا ہے نہ کہ مریض خود اپنی مرضی سے سمجھ سکتا ہے۔

شیعہ مسلک میں امارت اور سیاست کا بہترین نمونہ اہلبیت کی سیرت طیبہ رہی ہے، حکم خدا سے فردی و اجتماعی حیات میں انھیں حضرات کی تاسی ضروری ہے اور وہی حضرات حق ولایت بھی رکھتے ہیں۔

”وَجَعَلَ لِرَاسِ كُلِّ أَمْرِ مِنْ أُمُورِكَ رَأْسًا مِنْهُمْ“ (۱)

تم اپنے تمام امور میں ایک امام کا انتخاب کرو۔

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (۲)

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (۳)

اس طرح کی بہت زیادہ نص اور ثبوت کے باوجود رسول کے بعد سے لوگ خاص طور سے دنیا کے سیاسی رنگ اور ڈھنگ میں ڈھل گئے اور مختلف فرقہ و مذاہب میں مسلمان بٹ گیا۔ شیعہ اسی وقت سے رسول اکرم ﷺ کے دینی اقتدار اور ان کے جانشینوں سے منسوب ہیں۔

حضرت امام علی علیہ السلام کو حق حکومت میں سب سے مستحق جانتے ہیں اگرچہ یہ دنیاوی حکومت، الہی ولایت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، جو اہمیت ہے تو صرف اس لئے تاکہ حق و عدالت کا سماج میں نفاذ ہو سکے۔

”لَا يُقَاسُ بِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَحَدٌ وَلَا يُسَوَّى بِهِمْ مَنْ جَرَتْ نِعْمَتُهُمْ عَلَيْهِ أَبَدًا. هُمْ أَسَاسُ الدِّينِ وَعِمَادُ الْيَقِينِ، إِلَيْهِمْ يَفِيءُ الْعَالَمِيُّ، وَبِهِمْ يُلْحَقُ التَّالِي، وَلَهُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ وَلِيهِمُ الْوَصِيَّةُ وَالْوَرَاثَةُ، الْآنَ إِذْ رَجَعَ الْحَقُّ إِلَى أَهْلِهِ، وَنُقِلَ إِلَى مُنْتَقِلِهِ“ (۴)

امت کے کسی شخص کو خاندان رسالت سے موازنہ نہیں کرنا چاہئے، جو اہلبیت کی نعمتوں کے پروردہ ہیں کبھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ کی عترت ہی دین کی اساس اور یقین کا ستون ہیں۔ غلو اور شتاب کرنے والوں کو چاہئے ان کی طرف واپس آ جائیں اور پیچھے آنے والوں کو چاہئے کہ ان سے ملحق ہوں۔ انھیں کیلئے ولایت و سرپرستی مخصوص ہے۔ رسول اللہ کی وراثت و خلافت انھیں سے متعلق ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ مکتوب ۵۳۔

۲۔ سورہ نساء، آیت ۵۹۔

۳۔ سورہ احزاب، آیت ۶۔

۴۔ نہج البلاغہ، خ ۲۲

سیرت نبی ﷺ میں سیاست.....

اب حق صاحب حق کو واپس مل گیا اور ابھی تک جو اپنی جگہ سے دور ہو گیا تھا، وہ اپنی جگہ پلٹ آیا ہے۔ میرا مقام؛ خلافت و حکومت میں چکی کی کھوٹی جیسا ہے لیکن جب عاقبت کو دیکھا تو صبر کر لیا جو کہ عقل و خرد سے زیادہ قریب ہے (۱)

”فَلَمَّا مَضَىٰ تَنَازَعُ الْمُسْلِمُونَ الْأَمْرَ مِنْ بَعْدِهِ فَوَاللَّهِ مَا كَانَ يُلْقَىٰ فِي رُوعِي وَلَا يَخْطُرُ بِيَالِي أَنْ الْعَرَبَ تُزْعِجَ هَذَا الْأَمْرَ مِنْ بَعْدِهِ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ وَلَا أَنَّهُمْ مُنَحُّوهُ عَنِّي مِنْ بَعْدِهِ، فَمَا رَاعَنِي إِلَّا أَنْثِيَالُ النَّاسِ عَلَىٰ فَلَانٍ يُبَايِعُونَهُ فَأَمْسَكْتُ يَدِي حَتَّىٰ رَأَيْتُ رَاجِعَةَ النَّاسِ قَدْ رَجَعَتْ عَنِ الْإِسْلَامِ يَدْعُونَ إِلَىٰ مُحَقِّقِ دِينِ مُحَمَّدٍ“ (۲)

جب مرسل اعظم ﷺ جانب پروردگار روانہ ہو گئے، مسلمان بعد رسول حکومت کیلئے درگیر ہو گئے، خدا کی قسم نہ تو اس فکر میں تھا اور نہ ہی ذہن میں خطور ہو تھا کہ عرب بعد رسول اہل بیت کا حق واپس لیں گے اور مجھے روک دیں گے، جس چیز نے مجھے نگراں بنادیا، لوگوں کا فلاں کی جانب سرعت سے بڑھنا تا کہ اس کی بیعت کریں۔ میں نے ہاتھ کھینچ لیا، یہاں تک کہ دیکھا کہ ایک جماعت اسلام سے واپسی چاہتی ہے تا کہ دین محمد کو نابود کر دے۔ علماء نے اسلامی معاشرہ کی اسٹیلش کے لئے دو قانون وضع کئے ہیں منجملہ علامہ طباطبائی۔

(۱) ثابت (۲) متغیر جو ڈموکراسی کی شاہت رکھتا ہے (۳)

(۱) ڈموکراسی میں حکم ثابت جس کو قانون اساسی کہتے ہیں، اس میں کوئی تبدیلی مجلس مشاورت اور مجلس سنا کو حق نہیں ہوتا ہے، صرف ملت اپنے آراء یا ایک مجلس مبعوث کے ذریعہ کسی بند کو قانون اساسی سے حذف کر سکتی ہے (۲) حکم غیر ثابت؛ جزئی اور ایسے قوانین جو مجلس مشاورت اور مجلس سنا میں بنائے جاتے ہیں۔ علامہ کی ایک تشریح ملاحظہ فرمائیں: اسلام میں ڈموکراسی کا معنی لوگوں کے درمیان قدرت کا زیادہ سے زیادہ تقسیم کرنا ہے (۴)

۱۔ نہج البلاغہ، خ ۳۷۔

۲۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۶۲۔

۳۔ عیسیٰ ولائی مبنی ص ۶۵، حاشیہ پر۔

۴۔ عیسیٰ ولائی، مبنی ص ۶۵، ح ۶۵۔

اسلامی قوانین کی جامعیت

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَنْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (۱)

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، اہل یقین کیلئے اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ عرب میں لوگ قبائلی نظام کے مطابق زندگی بسر کر رہے تھے، جہاں ہر قبیلہ کا ایک رئیس اپنے خاندان کو ادارہ کرتا تھا، قبیلہ کے فخر و مباہات کا یہ عالم تھا کہ عموماً جنگ قتل و غارت اور ناجائز قبضہ کی صورت پیش آتی تھی آرام و سکون اور امنیت ناپید تھی، ساری فکر خود نمائی، قبیلہ کی بڑائی، کسی قیمت پر دوسرے قبیلہ کو تسلیم نہ کرنا، حد یہ کہ ایک قبیلہ کے خدا کو دوسرے قبیلہ کے پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے لئے دوسرا خدا گڑھ لیتے تھے۔ ایسی تہذیب، آداب و رسومات میں اسلام ظہور کرتا ہے اور نعرہ بلند کرتا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (۲)

اے لوگو! اپنے پروردگار کے احکام کی مراعات کرو! جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے جوڑا بنا کر ان سے بہت سے مرد اور خواتین پیدا کیا۔

”أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ آبَاءَكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ لَأَدَمُ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ“

اَنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجَمِيٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی“ (۱)

اے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی نسل سے ہو، آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے عزیز اور بلند وہ ہے جو تمہارے درمیان تقویٰ، نظم اور اعتدال میں بڑھا ہوا ہے عرب کو عجم پر اور نہ ہی عجم کو عرب پر کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر جو تقویٰ و نظم میں بڑھا ہوا ہو۔
مولا امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

”فَلَوْ رَخَّصَ اللّٰهُ فِی الْکِبَرِ لِأَحَدٍ مِّنْ عِبَادِهِ لَرَخَّصَ فِیْهِ لِخَاصَّةِ أَنْبِیَآئِهِ

وَأَوْلِیَآئِهِ وَلَکِنَّهُ سُبْحَانَهُ کَرَّهَ أَلَيْهِمُ التَّکَابُرَ وَ رَضِیَ لَهُمُ التَّوَاضُّعَ“ (۲)

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو فخر و مباہات کی رخصت دی ہوتی تو خاص طور سے اپنے انبیاء اور ان کے اولیاء کو رخصت دیتا لیکن اس پاک و پاکیزہ خدا نے ان خاص بندوں سے بھی فخر و مباہات کو ناپسند کیا اور اپنے خاص بندوں سے انکساری اور اچھا اخلاق پسند کیا۔

اسلام آیا اور جو کچھ بھی ان کے قبائلی فخر و مباہات اور خرافاتی رسم و رواج تھے، حسب نسب، رنگ روپ، قوم، قبیلہ ذات پات، مال، ثروت، مقام اور مکان کی وجہ سے فخر و مباہات سب کو باطل قرار دیدیا۔

”مَنْ فَاتَهُ حَسَبَ نَفْسِهِ لَمْ يَنْفَعُهُ حَسَبَ آبَائِهِ“

جو خود کسی شخصیت اور علمیت کا حامل نہ ہو، باپ اور خاندان کا رشتہ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے۔

”فَاعْتَبِرُوا بِمَا أَصَابَ الْأُمَمَ الْمُسْتَكْبِرِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنْ بَاسِ اللّٰهِ وَصَوْلَاتِهِ“ (۳)

لوگو! تم سے پہلے ظالم امتوں پر ان کے اعمال سے عقاب و سختیاں پڑ چکی ہیں، اس سے عبرت حاصل کرو۔

”إِلَّا، فَالْحَذَرَ الْحَذَرَ مِنْ طَاعَةِ سَادَاتِكُمْ وَكِبْرَائِكُمُ الدِّينَ تَكْبَرُوا عَنْ حَسْبِهِمْ، وَتَرَفَعُوا

فَوْقَ نَسَبِهِمْ، وَآلَقُوا الْهَجِيْنَةَ عَلٰی رَبِّهِمْ“ (۴)

۱۔ ابوالقاسم پایندہ: نہج الفصاحۃ، ج ۱، ص ۲۱۱، ح ۱۰۴۴۔

۲۔ نہج البلاغہ، ۲۳۴۔

۳۔ نہج البلاغہ، خ ۱۹۲۔

۴۔ نہج البلاغہ، خ ۱۹۲۔

﴿۱۵۹﴾

خبردار، ہرگز! ایسے سیدوں (اہل منصب و مقام) اور بزرگوں کی پیروی سے پرہیز کرو، جو اپنے حسب پرناز کرتے ہیں، اپنے نسب پر فوقیت جتاتے ہیں اور ناروا کاموں کو اللہ کی طرف نسبت دیتے ہیں (۱) امام محمد باقر - فرماتے ہیں:

”أَصْلُ الْمَرْءِ دِينُهُ وَحَسَبُهُ خَلْقُهُ وَكِرَمُهُ تَقْوَاهُ وَإِنَّ النَّاسَ مِنْ آدَمَ شَرَعَ سِوَاءَ“ (۲)

جناب آدم سے لیکر آج تک لوگ انسانیت کی نظر سے ایک جیسے ہیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں داخل ہوئے۔ لوگوں نے محبت اور قربت کے سبب احترام کرتے ہوئے آگے جگہ دی، ان کے بعد حضرت عمر داخل ہوئے، محبت رسول کو آنحضرت سے قریب بیٹھا دیکھ کر کہا:

یہ کون عجمی ہے جو عربوں میں آ کر بیٹھ گیا ہے؟

رسول خدا (کو یہ بات بڑی ناگوار لگی) منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

”أَنَّ النَّاسَ مِنْ عَهْدِ آدَمَ إِلَى يَوْمِنَا هَذَا مِثْلُ أَسْنَانِ الْمُشِطِّ، لَا فَضْلَ لِلْعَرَبِيِّ عَلَى الْعَجَمِيِّ وَلَا لِلْأَحْمَرِ عَلَى الْأَسْوَدِ إِلَّا بِالتَّقْوَى، سَلَمَانٌ بَحْرٌ لَا يَنْزِفُ، وَكَنْزٌ لَا يَنْفَدُ، سَلَمَانٌ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ سَلْسَلٍ يَمْنَحُ الْحِكْمَةَ وَيُؤْتِي الْبُرْهَانَ“ (۳)

لوگ عہد آدم سے آج تک کنگھی کے دانہ کی طرح ہیں...

اسی کتاب کے اصل متن میں آیا ہے کہ عمر کے جواب میں سلمان فارسی نے فرمایا:

میں سلمان ایک بندہ خدا کا بیٹا ہوں، گمراہ تھا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ ہدایت پائی، بینوا تھا ان کے ذریعہ بے نیاز ہوا، غلام تھا ان کے وسیلہ سے آزاد ہوا، یہ ہے میرا حسب اور نسب (۴)

۱۔ نوح البلاغہ خ ۱۹۲۔

۲۔ شیخ عباس قمی: سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۳۳۸۔

۳۔ شیخ مفید: الاختصاص، ص ۳۴۱۔

حاکم کا رعایہ سے سلوک

امیر المومنینؑ اپنے حکومتی، سیاسی، نظامی، اخلاقی دستور العمل کو اس طرح لکھتے ہیں:

”فَإِنَّ حَقَّ عَلَى الْوَالِي أَلَّا يُغَيِّرَهُ عَلَى رِعْيَتِهِ فَضْلٌ نَالَهُ وَلَا طَوْلٌ خُصَّ بِهِ وَ

أَنْ يَزِيدَهُ مَا قَسَمَ اللَّهُ لَهُ مِنْ نِعَمِهِ دُنُوًّا مِنْ عِبَادِهِ وَعَطْفًا عَلَى إِخْوَانِهِ“ (۱)

رسول اللہ ﷺ کی ذریت طیبہ سے امام رضاؑ کی سیرت کے بارے میں آپ کے خادم کا بیان ہے:

”أَذْخَلَ جَمَعَ حَشَمِهِ كُلَّهُمْ عِنْدَهُ الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ فَيُحَدِّثُهُمْ وَيَأْنَسُ بِهِمْ وَيُونِسُهُمْ وَكَانَ إِذَا

جَلَسَ عَلَى الْمَائِدَةِ لَا يَدْعُ صَغِيرًا وَلَا كَبِيرًا حَتَّى السَّائِسَ وَالْحَجَّامَ إِلَّا قَعَدَهُ مَعَهُ عَلَى مَائِدَتِهِ“ (۲)

امام رضاؑ جب تنہا اور روزمرہ مسائل سے فارغ ہوتے، تمام اطرافیوں، چھوٹے بڑے سب سے گفتگو کرتے، سب سے انس و محبت کرتے اور جب دسترخوان پر بیٹھتے خورد و کلاں یہاں تک کہ خدمت گزاروں اور حجام کو بٹھاتے تھے۔

قیادت کی ذمہ داری

بندہ خدا علی ابن ابیطالب (امیر المومنینؑ) کی جانب سے مسلح گارڈ، بارڈر کے پاسبانوں کے نام:

حمد و ثنائے خدا نیز درود و سلام کے بعد، بیشک دایوں کیلئے واجب ہے کہ اگر اموال پر دستری ہو یا کوئی نعمت ہاتھ لگے تو اس میں کسی رد و بدل، کمی زیادتی کئے بغیر اموال کو زیادہ سے زیادہ بندگان خدا تک پہنچائیں۔

”أَلَا وَإِنَّ لَكُمْ عِنْدِي إِلَّا اخْتَجِزْ دُونَكُمْ سِرًّا إِلَّا فِي حَرْبٍ...“ (۳)

آگاہ ہو جاؤ تمہارا حق میرے اوپر یہ ہے کہ اسرار جنگی کے علاوہ کوئی راز تم سے نہ چھپاؤں اور کوئی کام سوائے احکام شرعی کے مشورہ نہ کروں۔ تمہارے حقوق کو ادا کرنے میں تاخیر نہ کروں۔ اور برابر کا سلوک کروں۔

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ، ۵۰ ص ۵۶۲۔

۲۔ مجلسی، محمد باقر: بحار الانوار ج ۴ ص ۱۶۳۔

۳۔ نہج البلاغہ، نامہ، ۵۰ ص ۵۶۲۔

اقتصادی مسائل

”مِنْ عَبْدِ اللَّهِ عَلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى أَصْحَابِ الْخَرْجِ ...“

”وَاعْلَمُوا أَنَّ مَا كُفِّتُمْ بِهِ يَسِيرًا وَأَنَّ ثَوَابَهُ كَثِيرٌ ...“

مال کی جمع آوری کرنے والوں کے نام

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرماتے ہیں: جس شخص نے روز قیامت کو یاد نہ کیا تو وہ اپنے لئے کوئی زاد سفر نہیں بھیج سکا، آگاہ ہو جاؤ کہ جس امر کے ذمہ دار بنائے گئے ہو وہ اگرچہ چھوٹی فہم داری ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کا صلہ و ثواب بہت زیادہ ہے۔ اگر خداوند عالم نے ظلم وعدوان، جس میں عقاب ہے، منع نہ کیا ہوتا جبکہ اس کے ترک میں کوئی عذر نہیں تھا لہذا لوگوں کے ساتھ اپنے نفس کی طرح انصاف کرو۔ ان کی حاجت روائی میں صبر و شکیبائی سے کام لو کیونکہ تم لوگوں کے خزانہ دار ہو (۱)

”هَذَا مَا أَمَرَ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ عَلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ“ ثُمَّ أَعْلَمَ يَا مَالِكُ أَنِّي قَدْ وَجَّهْتُكَ إِلَى بِلَادٍ قَدْ جَرَتْ عَلَيْهَا.. وَأَشْعِرُ قَلْبَكَ الرَّحْمَةَ لِلرَّعِيَّةِ وَالْمُحَبَّةَ لَهُمْ وَاللُّطْفَ بِهِمْ وَلَا تَكُونَنَّ عَلَيْهِمْ سَبْعًا ضَارِيًا تَغْتِمُ أَكْلَهُمْ فَإِنَّهُمْ صِنْفَانِ إِمَّا أَخْ لَكَ فِي الدِّينِ أَوْ نَظِيرٌ لَكَ فِي الْخَلْقِ“ (۲)

اے مالک جان لو! میں نے تمہیں ایسے شہر کی طرف بھیجا ہے، جہاں پر تم سے پہلے اہل انصاف یا سرکش و ظالم لوگوں نے حکومت کی ہے، لوگ تمہارے امور کو بھی ایسے دیکھیں گے جس طرح تم اپنے سے پہلے حکام کو دیکھو گے، وہ سب تمہارے بارے میں وہی کہیں گے جو تم ان کے بارے میں کہو گے۔

امام علیؑ کا بہترین موقف

رسول اللہ ﷺ امام علیؑ سے فرماتے ہیں:

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۱، ص ۵۶۲۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۳، ص ۵۶۳۔

”اِنَّكَ تَسْمَعُ مَا اَسْمَعُ وَتَرَىٰ مَا اَرَىٰ اِلَّا اِنَّكَ لَنْتَ بِنَبِيٍّ وَلَكِنَّكَ وَزِيْرٌ اِنَّكَ لَعَلٰی خَيْرٌ“ (۱)

اے علی ابن ابیطالب! ہر وہ کلام جو میں سنتا ہوں تم سنتے ہو، جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تم دیکھ رہے ہو سوائے اس کے کہ تم میرے بعد نبی نہیں ہو لیکن تم میرے وزیر ہو اور بیشک خیر پر ہو۔

چنانچہ امام نے رحلت رسول کے بعد جب خلافت میں کھینچا تانی شروع ہوئی تو فرمایا:

”میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں وزیر رسول اللہ رہوں“

جسوقت امیر المومنین علیؑ کی بیعت ہوئی اور امام نے قبول فرمایا نیز لوگوں کی داد و ستد میں افزائش ہوئی تو امام اپنی سیاسی شخصیت کی وضاحت فرماتے ہیں: مجھے دوسرے سیاستدانوں اور حکمرانوں پر قیاس نہ کرو، ایسا مت کہنا کہ ایک حاکم گیا دوسرا حاکم آ گیا، میں ان میں سے نہیں ہوں۔ وہ دوسرے حکام ہوں گے جنہوں نے تملق کو پسند کیا، تمہاری تعریفوں اور خوشامد گوئی کو دوست رکھتے ہو گئے اور رعایا سے اسکا انتظار رکھتے ہیں، میں ایسا نہیں ہوں۔ دوسرے حکام خوش نہیں ہوتے کہ حق بات کو ان کے سامنے کہا جائے یا کوئی ان کو امر بالمعروف اور نہی ازمنکر کرے ان کی خطاؤں اور عیوب کو بتائے لیکن مجھے ویسا مت گمان کرنا۔ خیال نہ کرنا حق بات کہنا مجھ پر گراں گزرے گا کیونکہ جو حق بات سننے سے ناخوش ہو بدرجہ اولیٰ حق پر عمل کرنے سے ناخوش ہوگا۔

امیر المومنین خلافت سے پہلے حیات گرامی رسول میں کوئی بھی خطبہ نہیں دیا، کوئی خط یا خطاب نہیں فرمایا، اگر ہے تو شاذ و نادر، زیادہ تر کلام پنج سالہ دوران حکومت کا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ ایسا عظیم خطیب جو خطابت پر زبردست مہارت رکھتا ہو، جسکو شہنشاہ خطابت ”امیر کلام“ کہا گیا ہے (نہج البلاغہ خ ۲۳۳) ان تمام سالوں میں

۱۔ (نہج البلاغہ خ القاصعہ) مالک اشتر نخعی: سرزمین یمن کے بیشہ نامی قریہ میں پیدا ہوئے آپ کا تعلق مذحج قبیلہ سے تھا مالک اشتر سے مشہور ہوئے، آپ کے پدر یغوث بن نخع تھے، مالک نخعی سے بھی معروف ہوئے۔ مالک اشتر پہلے شخص تھے جنہوں نے امام علیؑ کی بیعت کی اور کوفہ کے لوگوں کو جنگ جمل کیلئے تیار کیا، جنگ جمل میں مالک کی شجاعت و لیاقت کا بڑا شہرہ ہوا، جنگ صفین میں بنیادی کردار پیش کیا، صرف شجاعت میں نہیں بلکہ ایمان، عبادات اور پرہیزگاری میں مشہور ہوئے اور ۳۸ ہجری قلمزم نامی قریہ جو مصر کے راستے میں واقع تھا، معاویہ کے جاسوسوں کے ذریعہ زہر سے شہید ہوئے۔ (نہج البلاغہ، ص ۵۶۵۔ حاشہ نامہ ۵۳، ترجمہ: محمد دشتی)

﴿۱۶۳﴾

خاموش بیٹھنے والا جسکو حد سے زیادہ خدا داد صلاحیت حاصل تھی لیکن قبل از خلافت ظاہر نہیں کیا اور ناگہاں وقت ضرورت اس آتش فشاں کا جوالا جوش میں آیا اور ایسے بیش بہا گوہر پارے سینہ اقدس کے بحر قلزم سے باہر آئے، جو مافوق کلام بشر اور تحت کلام خالق بن جاتے ہیں۔

سیاست میں امام کا موقف کہاں، اور عہد حاضر میں حکومت اور حکمران جماعت کا موقف کہاں؟ آج کے سیاستدانوں کا طریقہ کار شاطرانہ، عیارانہ اور لوگوں کو مختلف طریقوں سے اپنی طرف ملتفت کر کے حکومت و اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ امیر المومنین امام علیؑ کا نظریہ حکومت جو مختلف بیان سے ماخوذ ہے، حسب ذیل عناوین میں معنون ہوتا ہے:

۱. خدائی فرمان کی پیروی اور اس کے قانون کا نفاذ کرنا ہے۔
۲. اسلامی اخلاق و عادات اور تہذیب و ثقافت کی ترویج کرنا۔
۳. ممتاز علوم و فنون اور معلومات جس کی قرآن نے تائید کی ہے، عام کرنا ہے۔
۴. سماج میں عدالت کا نفاذ کرنے کی عملی جدوجہد کرنا ہے۔
۵. خدائی خصوصیات کو اتنا عام کرنا تا کہ وہ انسانی پیکر میں رچ بس جائے۔
۶. ایسی سیاست جسکو حکومت کا مقصد بنایا گیا ہو اس سے مقابلہ کرنا۔
۷. باطل کی تائید و حمایت اور منافقت سے پرہیز کرنا ہے۔
۸. سیاسی مقاصد میں حرص و ہوس اور ذاتی منفعت سے پرہیز کرنا۔
۹. شائستہ اور متدین لوگوں کو حکومتی امور کیلئے منصوب کرنا۔
۱۰. جنگ و جدال، ملکوں پر ناجائز قبضہ اور ہتک حرمت سے پرہیز کرنا۔
۱۱. الہی مقاصد کے مطابق حکومت بنانا تا کہ دنیاوی رفاہ و راحت اور دوسری ساری سہولت میں بہشت کا نمونہ بن جائے۔

اسلامی تحریکیں

جب لوگوں کو مفید اور کارآمد بنیادی فکر معلوم ہوگئی کہ کون سا راستہ فطرت اور شریعت سے زیادہ قریب ہے، اگرچہ نام جو بھی ہو لیکن اسلامی بیداری مسلمانوں میں پیدا ہو چکی تھی، اصلاح طلبی ہو، وحدت مسلمین ہو، اسلامی بیداری، استعمار سے مقابلہ یا حق طلبی... بعض تحریک کے نتیجہ میں اسلامی اقتدار کا نمونہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے، اگرچہ سامراج نے ان تحریکوں کو ناکام بنانے کا اپنا منصوبہ فعال کر رکھا تھا۔ جو ہمہ وقت اسلامی ملکوں کی تقسیم و تحصیل میں مصروف تھے۔ آپ اس بات کا تجزیہ کر سکتے ہیں کہ جب دنیا کے سامنے اسلامی حکومت کی قدرت آئی تو دو مسلک و حکومت نمایاں ہوتی ہیں، ایک صفویہ حکومت جن کا دعویٰ تھا کہ انھوں نے رسول اللہ اور ان کے اہل بیت کی سیرت و سیاست پر اسلامی حکومت بنائی ہے، یعنی شیعہ حامی حکومت تھی۔ دوسری عثمانی حکومت جو سنی مذہب کی حامی تھی۔ ظاہر میں یہ دونوں حکومتیں ایسی تھیں جو غیر اسلامی طاقتوں کیلئے مانع بنی ہوئی تھیں، لیکن دیگر اقوام و ملل کی نیشنلزم تحریک نے ان دونوں کے استقلال کو ختم کر دیا۔ اور اپنے مفاد کی خاطر دوسری طاقتوں سے محرمانہ تعلق بھی برقرار کر رکھا لیا، جس کی مثال صلاح الدین ایوبی نے حکومت فاطمی کے ساتھ کیا تھا، کہ بے پناہ قدرت کے باوجود بغداد کی حکومت اور سامراج کے تعاون سے فاطمی حکومت کا سقوط ہو جاتا ہے۔ سامراج کو سنہرا موقع مل جاتا تھا اور وہ اپنی منمانی اسلامی ملکوں کا استحصال کر لیتے تھے اور مسلمانوں کی تقسیم بندی اور عقائدی اختلاف کی وجہ سے انھیں ناکارہ بنادیتے تھے۔ ہر زمانے میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ افغانستان میں اسلامی احزاب تاسیس پائی، ترکیہ میں حزب رفاه جو پہلے حزب،،سلامت ملی،، تھی اس کی جگہ،،اسلامی حزب،،

الجزائر میں،، جہہ نجات اسلامی،،

سوڈان میں حزب جنبش قومی اسلامی سوڈان، حسن ترابی کی قیادت میں،

مصر میں اخوان المسلمین کی طرح اکثر مملکت میں لوگوں کی مرضی سے اسلامی حزبیں بنیں اور خاص بات یہ کہ انتخابات میں اکثر ملکوں میں بہترین کامیابیاں نصیب ہوتی آئی ہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان، جماعت اسلامی افغانستان، حماس فلسطین اور حزب اللہ لبنان وغیرہ کامیاب اسلامی جماعتوں کا نمونہ ہیں۔ جس میں معاشرہ ادارہ کرنے کی بھرپور صلاحیت پائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ پارٹیاں غریبوں سے ملکر ملک و ملت کیساتھ خیانت کرنے کو آمادہ نہیں، اس لئے بڑی طاقتوں کو پسند نہیں ہیں کہ یہ پارٹیاں برسر اقتدار یا سرگرم عمل رہیں۔ ان کی سیاست کئی جہت سے بھی ہوتی تھی۔ مرزا آقا خان، مرزا زین الدین مراغہ ای، سرسید احمد خان معتقد تھے کہ اسلام میں اصلاحات ہونا بہتر ہے، شیخ محمد عبدہ وغیرہ جو معتقد تھے کہ اسلام عصر حاضر کے تقاضوں کا جواب دہ ہے۔

لیکن رفاعہ طمطاوی اس یقین پر تھے کہ لبرالزم کو اسلام کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

اسلامی تحریک اور انقلاب کے بعد اس فکر کو تقویت ملی کہ اسلام عصر حاضر کے ساتھ سازگار ہے اور آج ہماری زندگی کی تمام مشکلوں کے حل کی صلاحیت رکھتا ہے، نیز اسلام کا آراء مفید سیاست اور عدل و حق پر مبنی حکومت تشکیل دینے کی توانائی رکھتا ہے۔ ہر زمانہ میں نہ معلوم کتنی تحریکیں وجود میں آئیں، جن میں سیاسی اور مختلف مقاصد کی ترویج کینا طر قیام کیا ہے، جن میں چند کا بطور مثال اشارہ کرتے ہیں:

سلفیہ کی تحریک

اس کی بنیاد بڑی قدیمی رہی ہے، جس کا سلسلہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ)، ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) علما حنبلی اہل سنت تک پہنچتا ہے۔ ابن تیمیہ، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ دہلوی کو اس فرقہ میں پیش قدم دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ فرقہ ”سلف صالح کی پیروی“ کے نام پر متاخرین کے نظریات کی ترویج کرتا ہے۔ سلفی مذہب حنبلی اور وہابیت کی تاسی کرتا ہے۔ ان کا صوفیوں سے قبور کی زیارت کے مسئلہ پر مقابلہ ہوا تھا، سلفیوں نے انھیں ”قبوریون“ کہا ہے (۱)

﴿۱۶۶﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

وہابیت کی تحریک

اس مذہب کا پیشوا محمد بن عبد الوہاب نجدی (م ۱۷۰۳ء/ ۱۷۸۲ء) ہے، جس کی مقام عیینہ عربستان میں پیدائش ہوئی۔ مخالفوں نے وہابی کہا اور اس کے ماننے والوں کو موحّد کہا گیا ہے۔ احمد بن حنبل (۱۶۴ھ/ ۲۴۱ھ) ابن تیمیہ کی مانند اس نے بھی زیارت قبور کی سخت مخالف کی ہے۔ سوائے اللہ کی ذات کے کسی کا ذکر نہیں کرنا چاہئے، اگر مرسل اعظم ﷺ، اولیاء الہی یا فرشتہ خدا کا ذکر نماز میں آجائے تو موجب شرک ہوگا۔ جو سرا سر قرآن و سنت اور اعمال و عبادات کے خلاف ہے، آپ ملاحظہ فرمائیں: مسلمان نماز میں کیا پانچ وقت نہیں کہتے ہیں؟

”السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ“

ان کا کہنا ہے کہ غیر اللہ کیلئے شفاعت کا عقیدہ رکھنا کفر ہے، جو قرآن کی آیتوں کے خلاف ہیں:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (۱)

بغیر اذن خدا کون ہے جسے شفاعت کرنے کا اختیار ہے (اس وجہ سے اگر کوئی شفاعت کرتا ہے تو اس کے شفاعت کرنے سے خدا کا اختیار کم نہیں ہو جاتا ہے، دراصل شفاعت اذن خدا سے ہوتی ہے یعنی اس کا مالک خداوند عالم ہے) ﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ﴾ (۲)

اسکی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے (دوسری آیتوں میں بھی شفاعت سے متعلق بیان آیا ہے کہ غیر از خدا شفاعت کر سکتے ہیں۔

﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ...﴾ (۳)

اس دن جس دن کسی کی سفارش کام نہیں آئے گی، سوائے اسکے جسے اللہ حکم دے...

۱. سورۃ بقرۃ آیت ۲۵۵۔

۲. سورۃ یونس آیت ۳۔

۳. سورۃ طہ آیت ۱۰۹۔

جمال الدین افغانی کی تحریک

موصوف ۱۸۳۸ء/۱۸۹۷ء میں شرق عالم کے پیش قدم رہبروں میں شمار ہوتا ہے جو خود ایک نہضت، قیام کرنے والے، تنہا ایک قوم تھے۔ ترک و ایران، ہندوستان اور افغانستان کی قومیں ابھی تک اس جیسی شخصیت پر فخر کرتی ہیں۔ چند ملک منجملہ ہندوستان میں تعلیم کی غرض سے مقیم رہے، سیاسی کارکردگی کے بعد بھی ہندوستان تشریف لائے لیکن حکومت ہندوستان نے سیاسی میدان ان پر تنگ کر دیا تھا، اسوجہ سے مصر کے راستہ قسطنطنیہ روانہ ہوئے۔ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۳ء ایک مناظرہ ”اسلام اور علم“ کے عنوان سے انجام پایا اور ۱۳۰۲ھ میں اپنے شاگرد محمد عبدہ مصر کی ہمراہی میں ہفتہ وار مجلہ ”العروۃ الوثقی“ نکالا۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو غریبوں کے عقائد اور اختیار سے نکال کر آزادی دینا تھا۔ اس پر برٹش حکومت نے فوراً مصر اور ہندوستان میں پابندی لگوادی۔ جس سے مزید معلوم ہوا کہ جہاں اسلام کو متحد ہو کر قومی یکجہتی سے اپنے دین و مذہب اور ملک کا دفاع کرنا چاہتے تھے۔ مذکورہ مجلہ عروۃ الوثقی میں جمال الدین کا ایک بیان ملاحظہ فرمائیں:

”ملک کا دفاع کرنا قانون طبیعت، فریضہ حیات انسانی ہے، یہ انسان کی خوراک پوشاک کی خواہشوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ ملک کے خائن سے متعلق کہتے ہیں:

”میری رائے فقط یہی نہیں کہ جو ملک کو مال کے مقابل بیچ دیتے ہیں وہی خائن ہوتے ہیں بلکہ اس سے بڑے خائن جو اپنی سرزمین میں دشمن کو مستقر ہونے دیں، جو قدرت رکھتے ہوں کہ دشمن کے مقابلہ میں عکس العمل کا مظاہرہ کریں اور وہ ڈر سے بیٹھ جاتے ہیں، خائن ہیں۔“ (۱)

یہ چند مثالیں تھیں جن کو نمونہ کے طور پر بیان کیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری تحریک اسلام یا مسلمانوں کے دفاع میں ہی نہیں وجود میں آئی ہیں بلکہ دیگر اغراض و مقاصد کیلئے بنائی جاتی ہیں۔ ہر زمانے میں خود دشمن نے اسلام کی تباہی کے لئے اور مسلمانوں کے قتل و غارت کیلئے تحریکیں بنواتے آئے ہیں اور خود ہی ان کا ادارہ کرتے ہیں۔ جس کو آج آسانی سے افغانستان، عراق، لبنان اور دوسرے ملکوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

شیعہ تحریک اور کارنامہ

جب پیغمبر اکرم ﷺ مدینہ میں مستقر ہو گئے، دینی اعتقادات کو جو اصل مقصد بھی تھا، سیاسی استحکامات اور شہری انتظامات کے حکومتی ڈھانچے میں شامل کیا۔ دس سالہ حکومتی عرصہ میں آنحضرت کو چھوٹی بڑی اسی لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا، رسول خود جنگوں کی قیادت کرتے یا اپنی جگہ کسی کو بھیجتے اور بہت سے دیگر اقدام کرنے پڑتے، جیسے قضائی امور، زکات و صدقات کی جمع آوری، اجتماعی امور کو نظم دینے کا مسئلہ آنحضرت کے حکم سے انجام پاتا تھا۔ لیکن رسول کی رحلت کے بعد اصل جانشینی میں اختلاف ہوا جس کے نتیجہ میں سقیفہ بنی ساعدہ تک مسئلہ پہنچا۔ پھر رسول اللہ کی طرح ایک مرکزی حکومت پر اتفاق نہیں ہوا۔ ابوبکر نے دو سال اسلام کی ترویج اور مرکزی حکومت کی توسیع کی غرض سے شام و عراق.. پر چڑھائی کی۔ عمر نے وفانہ کی، چنانچہ زندگی میں ہی عمر بن خطاب کو حکومت کے لئے منتخب کیا۔ جس میں مصر، ایران، شام اور افریقہ کی فتح ہوئی۔ روم اور ایران کی طولانی اور خستہ کن جنگ اور اپنے حکمرانوں سے بیزار لوگ اسلام کی طرف مائل ہو گئے اور ہر پہلو سے اسلام کو ادارہ کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ سیاسی دیوان، ادارے اور مختلف ارکان دولت کا انتظام عمل میں آیا۔ اصول و عقائد جسکو حضور نے بنیادی مقام دیا تھا، فراموش کر دیا گیا۔ اب یہاں سے شیعہ مذہب کی تاریخ سامنے آتی ہے، جو نہایت خوں چکاں رہی ہے۔ مظلومیت اس کی شناخت بن گئی، اقلیت کے سبب عالمی پیمانہ کی بڑی قوموں کے مقابلہ میں چرچہ کم رہا ہے لیکن کچھ خصوصیتیں ایسی ہیں جو بغیر شک و تردید دوسری قوموں میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ اہل تحقیق کو انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ بعض خصوصیت کی بناء پر یہ قوم ہمیشہ ظالم و جابر اور سامراج کی دشمنی، ظلم و بربریت کا نشانہ بنی رہی ہے۔ ان کی تحریکیں کم و بیش فکر کر بلا سے ہم آہنگ ہیں، بعض دیگر تحریکیں جیسے زیدیہ، اسماعیلیہ، آل بویہ.. ان

سب کا قیام دینی، سیاسی، تہذیبی امور کیلئے ہوتا تھا۔ چند کو ذکر کرتے ہیں، جن خصوصیت کی بناء پر شیعہ قوم، دنیا کی زندہ، متحرک اور کامیاب قوم محسوب ہوتی ہے اور یہی چیز دوسری قوموں کیلئے مخالفت کی وجہ بھی بنی ہوئی ہے۔

امتیازی خصوصیت

(۱) دین اور دنیا سے متعلق علمی و ارتقائی امور میں عقل اور اجتہاد کا دخل ہوتا ہے جو دنیا کے دیگر مذاہب اور مکاتب فکر سے ممتاز ہے۔

(۲) زمانہ کے امام ہدیٰ، حجت خدا، وصی رسول اللہ حضرت بقیۃ اللہ جو بقاء کائنات کا سبب ہیں، ان کی محبت اور انھیں کی زیر سرپرستی عدل و انصاف کے قیام کا منتظر ہونا ہے۔

(۳) اعلم دوراں حاکم شرع یا ولی فقیہ، زمانہ غیبت میں لوگوں کا ناصرون نظر اور لوگ بھی ان کی پیروی و تقلید کرتے ہیں کیونکہ ان کا حکم اور فتویٰ قرآن، رسول اور ائمہ کے بیانات نیز عقل و دلیل کی روشنی میں ہوتا ہے، ایسا نہ ہو تو وہ حکم شریعت نہیں ہوگا اور اس اعلم کی کوئی تقلید یا پیروی نہیں کرے گا۔

(۴) ولایت الہی، فطری و قانونی حاکمیت خدا و رسول کے قائل ہیں آنحضرت کے بعد امام معصوم جانشین رسول ہیں کیونکہ وہی حضرات خواست خدا و رسول کو بہتر جاننے سمجھنے اور اس کی محافظت کرنے والے ہیں۔

(۵) اپنے معاملات، اختلافات میں عدل و انصاف قرآن اور سیرت اہلبیت کے ذریعہ حل کرنا ہے۔

(۶) لوگوں کا اسلام کے حقیقی وارث اور محافظ اہل بیت رسول اللہ کی اطاعت و محبت کا دعویٰ، جس کے بعد خود اعتمادی، اللہ اس کے خاص بندوں پر بھروسہ، دنیائے فانی کے بعد عالم آخرت سے رابطہ مضبوط کرنا ہے۔

(۷) اوراق تاریخ میں قوم تشیع کا تباہ و حق و انصاف اور آسمانی قوانین کے صحیح نفاذ سے ہوتا آیا ہے اس قوم نے ہمیشہ ظلم و بربریت اور نا انصافی کا مقابلہ کیا ہے، جو انبیاء و ائمہ کی سیرت رہی ہے لہذا باطل پرست طاقتیں اس قوم سے خوفزدہ رہی ہیں اور اس کے نمائندوں سے ظالم حکمرانوں میں جذبہ انتقام بھی پایا گیا ہے۔

(۸) اس قوم کے اعتقاد میں دنیاوی زندگی آخرت کی زندگانی کا ایک جزء یا پیش خیمہ محسوب ہوتا ہے، اس وجہ سے سوائے اللہ کی قدرت و طاقت کے دنیاوی سیاست اور ستنگروں کی کوئی خاص توجہ نہیں کی ہے۔

مشرق وسطیٰ عالمی اقتصاد

میڈل ایسٹ میں، ایران عراق، کویت، فلسطین، بحرین، ترکیہ، سوریہ، لبنان، اردن، عربستان، قطر، امارات متحدہ عربی، یمن، مصر اور عمان اور ان میں خاص طور سے خلیج فارس (persian gulf) کے مناطق کی ستر فیصد آبادی شیعہ مسلمان سے تشکیل پاتی ہے۔ جہاں دنیا کا تین حصہ تیل کا بہترین ذخیرہ ہے۔

فرانسوا تو ال کے بقول:

خلیج فارس کے پچھتر فیصد تیل کے ذخائر، اسی منطقہ کی ستر فیصد شیعہ آبادی کے اختیار میں ہے۔ یہ خلیج فارس جو دنیا کے ارتباط کا شاہراہ ہے، اقتصادی، ثقافتی اور دینی کون سا کردار نہیں ادا کر سکتا ہے؟ (۱)

بعد رسول ﷺ شیعہ تاریخ کا تجزیہ

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اہل تحقیق کے لئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حقیقت میں یہی قوم ہے جو تعلیمات رسول کی درست نمائندگی کر رہی ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانہ سے آج تک اسلام کی حفاظت میں شیعہ قوم، قتل، قربانی اور ایثار و فداکاری کا سنگین بوجھ اٹھاتی چلی آ رہی ہے۔ ہر زمانہ میں اس قوم نے جان و مال کی سخت قربانی دے کر اسلام کی اصل ماہیت حقیقت یعنی خدائی ولایت کے ساتھ رسول اعظم اور معصوم اماموں کی بھی ولایت اور حاکمیت کا تحفظ کیا ہے۔

﴿۱۷۱﴾

صدر اسلام سے ہی منافقین اس حقیقی راہ اور بنیادی فکر کو ختم کرنے کے درپے تھے، اس ظریف نکتہ کو مورخین سرسری طور سے ذکر کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں پھر بھی اہل حق ان مطالب کی گہرائی میں اتر کر مطالب کا استخراج کر ہی لیا کرتے ہیں۔ بعض نکات کا اشارہ کیا جا رہا ہے:

۱. پیغمبر اسلام کو آخری وقت میں جب شدید مرض، ضعف اور نکاہت لاحق ہو گیا تھا، جس سے جان بر ہونے کی امید کم تھی اس وقت آپ نے قلم دوات مانگا کہ ایسا مطلب مرقوم کر دوں جس کے بعد قوم گمراہی میں نہ پڑ سکے، آنحضرت کو قلم دوات نہیں دیا گیا، ستم ہالائے ستم آنحضرت ﷺ پر ہریان کا بہتان لگایا گیا۔

۲. جنگ تبوک کے راستے میں پہاڑ سے گزرتے ہوئے بلندی سے منافقین کی ایک جماعت نے پتھر گرا کر ناقہ رسول کو منحرف کرنا چاہا، رہ گیا قبل اس کے کہ وہ اپنی بدنیتی میں کامیاب ہوتے، جبرئیل امین نے اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچادی اور آنحضرت اس قتل کی سازش سے امان میں رہے۔

۳. آخر عمر میں حضور کا قبرستان سے گزر ہوا تو شہداء بدر اور احد کو اس طرح خطاب کرتے ہیں:

تمہارے لئے یہ شہادت مبارک رہی، تم نے بعد کے ناگوار حالات کو اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ اس جملے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ روز بروز حالات کتنے سخت ہوئے جا رہے تھے، جن کا مقابلہ آنحضرت کے اہل بیت کو کرنا پڑا۔

۴. اللہ کے رسول نے اسامہ کی سرکردگی میں لشکر اسلام کو بھیجا تھا لیکن خاص خاص لوگوں نے آپ کے حکم سے سرپچی کی۔ یہ حضور کی حیات کے آخری واقعات تھے کہ اہل دنیا اپنی خواہش کے مقابلے میں حکم خدا اور رسول کی کوئی اعتنا نہیں کر رہے تھے۔ آنحضرت کی بڑی تاکید تھی حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم پر سب کو جمع کیا، اپنے بعد ولایت اور حکومت کو ادارہ کرنے کا اعلان کیا، جو حاضر نہیں تھے ان کو بھی دوسروں کے ذریعہ پیغام پہنچایا لیکن لوگوں نے کیا کیا؟ بہت سے قریش دور جاہلیت کی طرف پلٹ گئے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (۱)

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اب اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید کر دئے جائیں تو کیا تم اپنے سابقہ حالت کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ یعنی اسلام کو چھوڑ کر جاہلیت اور کفر اختیار کر لو گے؟

﴿أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ (۱)

اگر اللہ تعالیٰ انھیں اٹھالے یا کفار قتل کر دیں تو کیا تم ایمان لانے کے بعد اٹلے پاؤں پھر جاؤ گے اور کافر ہو جاؤ گے؟ صاف واضح ہے کہ آنحضرت کے عہد سے ایسے حالات اور علامات پائے جا رہے تھے کہ بہت سے نامور حضرات جاہلیت اور بے دینی کی طرف پلٹ گئے تھے۔ جنھوں نے اہلبیت رسول کو ستایا، قید و بند میں رکھا اور شہید کیا۔ یہ ایسے حقائق ہیں کہ جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی انکار کیا جاسکتا ہے۔

بنی امیہ خود کو دوسروں سے برتر اور دوسروں کو اپنا غلام سمجھتے تھے عالم یہ تھا اگر کوئی اموی عرب پیدل چل رہا ہوتا ہو اور کوئی غیر عرب سواری سے جا رہا ہوتا تو کیا مجال کہ وہ آگے بڑھ جائے، اس اموی کو گھرتک پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مؤمن، جانثار اور اصحاب میں حضرات حمزہ، عمار، یاسر، ابوذر، سلمان، مقداد، بلال وغیرہ تھے، جو بہت زیادہ مشکلوں کو برداشت کر رہے تھے۔ حجاز اور جزیرۃ العرب سے جو دور تھے، وہ قریش و انصار کے علاوہ دوسرے لوگ تھے، وہاں اسلام خاص طور سے تشیع زیادہ پھیلا۔ مثال کے طور پر عراق، مصر، ایران، یمن، شام...

شیعہ حکومتیں

اموی دور ختم ہوتے ہی بعض شیعہ حکومتیں وجود میں آئیں، منجملہ عراق میں بنی حمدان کی حکومت، ایران میں آل بویہ کی حکومت، شمال میں زید یہ اور علویہ حکومتیں، شمالی افریقہ میں ادرسی حکومت، یہ سب شیعہ حکمران تھے۔ اس کے بعد فاطمیین مصر کی حکومت کا سلسلہ رہا، جنوب ہند میں بہمنی سلاطین شیعہ حکمران تھے۔ ہندوستان کے شمال میں شاہان اودھ۔ اور جنوب کی گولکنڈہ، بیجاپور اور مرشد آباد جیسے علاقوں میں نویں ہجری سے لیکر بارہویں صدی ہجری تک شیعہ حکومتیں برسر اقتدار رہی ہیں، گورکانیان کی حکومت میں بھی زیادہ تر شیعہ دانشمند حضرات کی شمولیت تھی۔

﴿۱۷۳﴾

جنوب ہندوستان حیدرآباد، یا علی گڑھ اور علی پور... جو امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے نام نامی سے موسوم کیا گیا ہے، یہ سب زندہ ثبوت ہیں کہ تشیع بیرون حجاز اور جزیرۃ العرب میں زیادہ پنپ، پھل اور پھول رہا تھا، چونکہ بنی امیہ شروع ہی سے تشیع کے خلاف تھے اور ہر جگہ شیعوں کے آثار کو مٹایا اور برباد کیا جا رہا تھا۔

سلطنت اودھ

سلطنت اودھ؛ دہلی کی مغلیہ سلطنت کے بعد جو نیم آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں ان میں سے ایک سلطنت اودھ بھی تھی۔ اودھ کی ریاست بھی سلطنت دہلی کی بالادستی قبول کرتی تھی۔ شجاع الدولہ (۱۷۵۴ء تا ۱۷۷۵ء) وزیر سلطنت کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ شجاع الدولہ کے بعد اودھ کی ریاست پر انگریزی دباؤ بڑھ گیا اور نوابان اودھ انگریزوں کے احکام کے آگے بے بس ہو گئے۔

شجاع الدولہ کے زمانہ تک اودھ کا دارالحکومت فیض آباد تھا۔ اس کے بیٹے آصف الدولہ نے نے لکھنؤ کو دارالحکومت بنایا اور آخر تک اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔

نوابان اودھ نے (۱۷۲۲ء تا ۱۸۵۶ء) حکومت کی، جو امیر سعادت خان ۱۷۲۳ء سے شروع ہو کر، صفدر جنگ، آصف الدولہ، شجاع الدولہ، حافظ رحمت خان، سعادت علی خان، غازی الدین حیدر، محمد علی شاہ، آخر میں واجد علی شاہ ۱۸۵۶ء تا ۱۸۵۷ء پر تمام ہوئی (۱) تمام خطہ عالم کی مانند اودھ بھی انگریزوں کی ماتحتی میں رہنے کی وجہ سے یہ حکومتیں مستقل اور دیر پا ثابت نہ ہوئیں اور اپنی تمام تر خصوصیت کے باوجود انگریزوں کے فتنے کے سبب سلطنت اودھ کا سقوط ہو گیا، اگرچہ یہ سلطنت بڑی منظم اور دوسری قوموں کے اتحاد، میل جول سے تشکیل پاتی تھیں۔ ہر قوم کی شمولیت ہوتی تھی، ہر مسلک کو رسمیت ملی تھی۔ شاہان اودھ خود دیگر مذاہب کے مراسم میں شریک ہوتے تھے۔

﴿۱۷۴﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

مصر کی فاطمی حکومت

مقریزی نے لکھا ہے: فتح مصر کے اوائل سے ہی شیعہ بلکہ بعض موالی اہل بیت کی شرکت دیکھی جاسکتی ہے۔ جن میں مقداد بن اسود، ابو ذر، ابوالیوب انصاری جیسے نمایاں صحابی کرام کو دیکھا جاسکتا ہے اور عمار یا سر بھی عہد عثمان میں مصر آئے تھے۔ مقریزی کے مطابق پہلا قیام عصر عباسی میں علی بن محمد، فرزند نفس زکیہ کا تھا، جنہوں نے لوگوں کو اپنے پدر اور عم محترم کے مقاصد کی دعوت دی (۱)

حالانکہ مصر کے ابتدائی زمانہ سے عمرو عاص اس کے بعد عقبہ بن ابی سفیان، عقبہ بن عامر اور مسلمہ بن مخلد نے ۴۳ ق سے ۴۹ ق تک مصر کی بانگ ڈور سنبھالی۔ یہاں تک کہ سعید بن یزید ۶۲ ق میں مصر کا حاکم ہوا۔ امویوں کے زمانے تک بحران اور لوگوں کے ساتھ خیانت نا انصافی کا غلبہ رہا۔ انھیں زمانے میں گرانی بہت بڑھ گئی تھی اتنی زیادہ افزائش اور اقتصادی حالات کی ابتری پہلی مرتبہ ذکر کی جاتی ہے (۲)

اس کے بعد سے بنی عباس کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ بہر حال مروان حمار (۱۲۷-۱۳۲ ق) کیوجہ سے امویوں کے خلاف بحران میں شدت پیدا ہوئی۔ آخر میں وہ صالح بن علی عباسی کے ہاتھوں قتل ہوا اور امویوں کا دور اقتدار ختم ہو گیا۔ صلاح الدین نے فاطمیان پر غلبہ پانے کے بعد جب تمام حالات پر کنٹرول پالیا تو آثار تشیع اور فاطمیان کو مٹانا شروع کر دیا، صلاح الدین نے ذی الحجہ ۵۶۵ میں حکم دیا تاکہ اذان سے حی علی خیر العمل کو نکال دیا جائے اور اس کی جگہ خلفاء راشدین پھر عباسیوں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

خلیفہ فاطمی میں المعز کی شکست کے بعد اس کے گھر کو شافعی مذہب کا مدرسہ بنایا گیا، فاطمی محل کو اسپتال میں تبدیل کر دیا گیا۔ شیعہ مراکز میں سنی مذہب کی تبلیغ کے لئے علما کو بھیجا گیا۔ فاطمی سلطنت پر قبضہ کے بعد قاہرہ کے سب سے بڑے اسماعیلی کتابخانہ کو جلا دیا گیا۔ عاشورا جو اہل بیت رسول کی مظلومیت کا دن ہے، اس دن کو مصر کے لوگ حزن و غم کا دن مناتے تھے، لیکن مقریزی کے بقول وہ خوشی و شادمانی کے دن میں تبدیل کر دیا گیا (۳)

۱۔ فاطمیان در مصر، ص ۷۰۔

۲۔ فاطمیان در مصر، ص ۹۸، ۹۹۔

۳۔ الفتح، ص ۹۹۔

﴿۱۷۵﴾

اس طرح کے واقعات کئی ملک میں انجام دیئے گئے، لیکن عزاداری کی برکت سے یہ ساری سازشیں سیلاب کے خس و خاشاک کی مانند بہ جاتے ہیں۔ آیۃ اللہ محمد علی تسخیری ایرانی عالم کے بقول شمالی افریقہ کے مراکش میں روز عاشورا کو عید کا دن گڑھ لیا گیا تاکہ لوگ نئے کپڑے پہنیں، تاویل میں باتیں بناتے ہیں کہ آج ہی کے دن کشتی نوح زمین پر بیٹھی تھی لہذا جشن مناؤ۔ اندلس میں بھی اسی طرح کے رسم و رواج دیکھنے کو آئے۔

غرض کہ اس طرح کی عداوتیں شیعہ ہونے کی وجہ سے اور ان کی بیداری کی بناء پر ہوتی تھیں۔ بنی حمدان عراق فاطمیین مصر، بہمنی سلاطین جنوب ہند، علوی شمالی افریقہ، زیدیہ اور ادرسی یہ ساری حکومتیں شیعہ تھیں۔ اکثر حکومتیں قدرت مند اور شریعت اسلامیہ کی پابند ہوتی تھیں۔

محمود غزنوی نے ایران کے شہر رے میں سینکڑوں علماء، بزرگ، سادات کو جو اکثر مازندرانی تھے، پھانسی پر چڑھا دیا تھا۔ حلب میں ایک پتھر، جو صخرۃ الدم سے مشہور ہے، یہاں پر کئی ہزار شیعہ علماء کا صلاح الدین کے حکم سے سر قلم کر دیا گیا تھا۔

آپ دیکھیں! زمانہ صفویہ میں خان ازبک اور سلطان عثمانی سب متحد ہو گئے تھے تاکہ صفویہ جو شیعہ حکومت تھی ختم ہو جائے (۱)

فاطمی حکومت میں ایک مدت ۲۹۷ھ سے ۳۶۲ھ تک مغرب میں عبید اللہ المہدی، القائم بامر اللہ ابو القاسم محمد، المنصور باللہ اسماعیل اور المعز لدین اللہ ابو تمیم معد بعنوان خلافت حکومت کی۔

فاطمی حکمران کے دوسرے دور میں ۳۶۲ھ سے ۵۶۷ھ تک ۱۱ خلافتوں نے حکومت کی، جس کی فہرست اس طرح ہے:

المعز لدین اللہ، العزیز باللہ ابو منصور نزار، الحاکم بامر اللہ ابو علی منصور، الظاہر لا عزاز دین اللہ ابو الحسن علی، المستنصر باللہ ابو تمیم معد، المستعلی باللہ ابو القاسم احمد، الآمر باحکام اللہ ابو علی منصور، ابو علی الفضل، الحافظ لدین اللہ ابو میمون عبد المجید، الظافر باعلاء اللہ ابو منصور اسماعیل، الفاتر بنصر اللہ ابو القاسم عیسیٰ اور العاضد لدین اللہ ابو محمد عبد اللہ۔

مرزائے شیرازی اور تنباکو حرمت کا فتویٰ

اس وقت انگریزوں کی حکومت کے عروج کا یہ عالم تھا کہ ان کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا جس جگہ کرہ ارض پر بھی سورج چمکتا ہوتا وہاں ان کی حکومت ہوتی تھی۔ شیعہ مفتی مرزائے شیرازی کے تاریخی فتوے نے ایک مثال قائم کر دی ہے کہ اتنی بڑی حکومت جس میں سورج نہیں ڈوبتا تھا ایک فتوے کے ذریعہ متزلزل کر دیا۔

انگریزوں کے لئے تنباکو کا مسئلہ اتنا اہم نہیں تھا، اس سے زیادہ مہم یہ تھا کہ ان کے اتنے بڑے اقتدار کی جاہ و حشمت اور صولت و عظمت کو ایک فتویٰ نے خاک میں ملا دیا۔ اگرچہ اس کا انگریزوں نے انتقام لیا اور کہا جاتا ہے کہ مرحوم شیخ فضل اللہ نوری کو اسی سلسلہ انتقام میں سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

مرحوم مرزائے محمد تقی شیرازی نے، جو مرزائے دوم سے مشہور ہیں، انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ عثمانی شکست کے بعد ملک کے کسی عالم یا مصلح میں یہ جرأت نہ تھی کہ جو یہ کام کرے۔ اگرچہ عثمانی حکومت میں مشکلیں تھیں۔ اس کے باوجود انگریزوں سے جہاد کرنے کا فتویٰ دیا۔

مرزائے محمد تقی شیرازی، مرحوم سید مصطفیٰ کاشانی جو آیۃ اللہ کاشانی کے والد محترم تھے، طلبہ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسلحہ بدوش انگریزوں سے جہاد کیلئے نکل پڑے تھے۔

اس کے بعد تیل کا بھی مسئلہ پیش آیا لیکن خاص بات کہ جہاں بھی شیعوں نے کوئی اتحاد کا ماحول بنایا، یا حکومت بنائی اس کے مقابلہ میں سب متحد ہو گئے کیونکہ شیعوں کا وجود سیاست و حکومت کے میدان میں یقیناً بہت موثر پائدار کارآمد اور مفید ثابت ہوتا تھا، وجہ یہ تھی کہ سربراہان مملکت چاہے لوگوں کے خوف سے صحیح اسلامی حدود و شرائط کی رعایت کرتے تھے۔

یہاں قدرے شیعہ مسلک کے متعلق بحث ہوئی، اگرچہ عہد حاضر میں کوئی سالم فہم و درک رکھنے والا تاریخ اسلام کا وقت سے مطالعہ کرنے والا صدر اسلام کا کافی حد تک حالات کا جائزہ لے سکتا ہے کہ سامراجی طاقتیں جو اسلام اور اس کے شعائر کو نابود کرنے پر تلی ہوئی ہیں ہر جگہ شیعوں کے آثار اور شعائر کو ختم کر رہے ہیں اگرچہ یہ صدر اسلام سے ہی دیکھا جا رہا ہے، آج بھی اس فرقہ وارانہ تصادم میں زیادہ تر سامراج کا ہاتھ رہا ہے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے ہی اسلام کو سب سے زیادہ نقصان ایسے لوگوں سے پہنچا ہے، آج بھی ایسے ہی

﴿۱۷۷﴾

مسلمانوں کے ساتھ ملکر سامراج مسلمان کشی کر رہا ہے۔ افغانستان کی بربادی ہو یا عراق کی تاراجی، لبنان پر لشکر کشی ہو یا فلسطین کی غارت گری اس میں بڑے منصب کے سربراہ جیسے صدر محمود عباس ابومازن.. مسلمان دشمن، قاتلوں اور ظالموں کا ہم نشین ہم مقصد ہے، یہ سب منافق خود فلسطینی عوام کا خون پی رہے ہیں، امریکہ سے دولت اور حکومت کی ضمانت ملی ہوئی ہے لہذا مسلسل محروم مخلص صدر اسلام کے بعد اہلبیت کے حق میں بھی کفر نفاق کا کچھ کی طرح کا طریقہ کا رہتا چنانچہ آج بھی استعمار مسلمانوں کا قتل ہو رہا ہے، استعمار کے گماشتہ درباری مفتیوں کا مسلسل شیعہ کشی آثار اہلبیت کی بربادی اور شعائر الہی کے انہدام کا فتویٰ آرہا ہے، قاضی شریح جیسے مفتی نے ہی نواسہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔ آج بھی ان کے خاندانی اور سیاسی عناصر موجود ہیں۔ جن کا مشغلہ ابھی تک وہی فتنہ، فساد اور قتل و دہشت ہوا کرتا ہے۔ اب اگر مسلمانوں کے درمیان وارداتیں ہوتی ہیں تو انہیں ظالموں کے دست ظلم اس جرم میں ملوث ہوا کرتے ہیں اور بدنامی اسلام و مسلمان کی ہوتی ہے۔

اسلام خوشی یا غم، خوف یا امن

اسلام سلم سے ماخوذ ہے۔ سلم کے معنی امن و سلامتی اور راحت ہے۔ خداوند عالم سلام ہے، (حشر ۲۳) بہشت امن و سلام کی جگہ ہے، دین کا نام اسلام ہے، جس کی بنیاد ہی امن و سلامتی ہے، دین کی رسالت صلح ہے، اسلام صلح و صفا کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ اب دین کا بنیادی مقصد لوگوں کو ایسے درست اور پر امن راستے کی نشاندہی کرنا ہے، جو لوگوں کو نشاط و راحت فراہم کرتا ہے۔ آج اکیسویں صدی میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ یورپی ممالک کی نسبت اسلامی ملکوں میں خودکشی، بداخلاقی، جنسی بے راہ روی، قتل و غارت اور لوٹ مار نسبتاً بہت کم ہے اور جو بھی ہے وہ بیشتر غریبوں کی مرہون منت ہے۔ سامراج کتنا عظیم سرمایہ اپنی تہذیب و ثقافت اور افکار پھیلانے میں صرف کر رہا ہے جبکہ خود یورپی ملکوں میں مایوسی، حیرانی، سرگردانی، خودکشی، زنا، ہم جنس بازی، لوٹ مار اور قتل و غارت زیادہ ہے اگرچہ میڈیا اور سکیورٹی کے بل بوتے پر ان کو عام نہیں ہونے دیتے ہیں۔ جبکہ اسلام کو تمام مادی مکاتب کے مقابلہ میں ایک خاص ہویت اور خصوصیت حاصل ہے۔

﴿قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (۱)

حق آیا اور باطل گیا یقیناً باطل نابود ہونے والا تھا۔ خدا کا حق کی تائید کرنا تا کہ انسانیت کو نجات دیا جاسکے۔

﴿وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّقَ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ (۲)

اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کی حقانیت کا اثبات کر دے۔

﴿۱۷۹﴾

اس سلسلہ میں امام علی - نے پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانہ بعثت کی یوں توصیف کی ہے:

”أَرْسَلَهُ عَلَى حِينِ فَتْرَةٍ مِنَ الرِّسَالِ وَطَوَّلَ هَجْمَعَمَةٍ مِنَ الْأُمَمِ وَاعْتِزَّامَ مِنَ الْفِتَنِ وَانْتِشَارَ مِنَ الْأُمُورِ... ثَمَرِهَا الْفِتْنَةُ وَطَعَامُهَا الْجِيفَةُ وَشِعَارُهَا الْخَوْفُ وَآثَارُهَا السَّيْفُ“ (۱)

خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو ایسے وقت میں بھیجا کہ نبیوں سے پہلے، قوم طولانی خواب غفلت میں سوئی ہوئی تھی، فتنہ و فساد پورے عالم پر محیط تھا، تمام امور زندگی منتشر اور ایک دوسرے سے پھڑے ہوئے تھے، آتش جنگ چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ دنیا سے نور اور اس کی روشنی جا چکی تھی، قوم ظلمت و تاریکی میں گر چکی تھی، غلو اور غرور عالمگیر ہو چکا تھا، درخت زندگی کے اوراق زرد، ان کی شاخوں پہ کوئی میوہ باقی نہ رہ گیا تھا، نشاط و شادابی لوگوں کی اجتماعی زندگی سے رخت سفر باندھ چکی تھی، آثار ہدایت منہدم ہو چکے تھے، بد بختی و ذلت کی نشانیاں ہر طرف سے سراٹھائے ہوئے تھی، شکل و قیافہ بدنما ہو چکا تھا۔ اس درخت کا شرفتنہ، اس کا طعام مردار جانور، دلوں میں سخت خوف اور ہاتھوں میں شمشیر تھی اور ادھر اسلام کا ہمیشہ باقی رہنے والا ہمہ گیر آئین، رہنما، راہ گشا، معنوی اور مادی مشکلات سے چھٹکارا دینے والا، سعادت و خوشحالی بخشنے والا، دنیوی اور دینی معاشرہ پر مشتمل بہترین آئیڈیل اور مدینہ فاضلہ کی لا جواب مثال ہے۔

امام خمینی نے سوویت یونین، کمیونسٹ کے صدر میخائیل گورباچوف کو لکھا تھا: آپ کی اصل مشکل مالکیت، آزادی اور اقتصادی امکانات نہیں بلکہ تمام تر پریشانیوں کا منبع خداوند عالم کی ذات پر یقین نہ رکھنا ہے۔ یہ وہی مشکل ہے کہ جس نے اہل مغرب کو تباہ و برباد کیا ہے۔ امام خمینی نے پیشین گوئی کی تھی کہ جس قوم کا اعتقاد اللہ کی ذات پر نہیں ہوگا تو اس کو ایک نہ ایک دن تباہی و گمراہی کے گڈھے میں گرنا ہی ہے۔ کہا تھا کہ اس کے بعد کمیونسٹ کو تاریخی عجائب خانوں میں تلاش کرنا پڑے گا کیونکہ یہ انسان کی اصل ضرورت کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔

اب جب کہ ساری چیزوں کی بازگشت ذات باری تعالیٰ تھی ہر قوم و قبیلہ کا ہدف معین تھا، ہر شخص کو اپنی کامیابی کے بارے میں فقط یہ تشویش ہوتی کہ ہم اس سعادت اور رضائے الہی کو کیسے حاصل کریں۔

دینی افکار سے جنگ

ہادیان دین کی خصوصیتوں میں سے ایک بنیادی خصوصیت معاشرہ کے لوگوں میں علم و معارف، عدل اور مساوات کا اقامہ کرنا ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو راحت و امنیت بہم پہنچ سکے۔ سامراج اپنی تمام تر طاقت اور وسائل سے مداخلت کر کے انقلاب و تحریک اور کودتا کے ذریعہ لوگوں کے ذہنوں سے دینی افکار اور خدائی اصول چھین لینا چاہتا ہے۔ اسی لئے ہر ملک میں نفوذ بڑھا کر بانگ ڈور اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔

الجزائر: میں جس وقت انقلاب کامیاب ہوا، ملک کا پہلا صدر احمد بن بلا ہوا، ایک ہی دو سال میں بو مدین جو فوج کا جنرل تھا اس کے خلاف بغاوت کروادی، بو مدین برسر کار تھا اس کے مرنے کے بعد شاذلی بن جدید صدر ہوا وہ بھی فوجی تھا۔

امریکہ: اپنی ڈموکراسی کی ہر جگہ تاکید اور تشہیر کرتا ہے۔

الجزائر میں اس کا بہت اصرار تھا، ڈموکراسی برقرار کرو!

امریکہ نے شاذلی بن جدید کو دعوت دی، ریگن سے واشنگٹن کے ہوائی ہاؤس میں ملاقات کی، مشترک انٹرویو دیا، لوگوں کی آزادی کے لئے میسر کا انتخاب برگزار کروایا، ہر جگہ الیکشن میں ”جہہ نجات اسلامی“ نامی پارٹی کامیاب ہوئی۔ امریکہ فوری طور پر خود آگیا اور صاف صاف لفظوں میں کہا ہم ڈموکراسی کے رواج سے اس طرح کا نتیجہ نہیں چاہتے تھے۔ بعض امریکی نظریہ پردازوں نے کہا ہمارا مقصد سکولر حکومت ہے اور اگر اس ڈموکراسی سے حاصل کیا گیا نتیجہ دینی اور اسلامی حکومت ہے تو نتیجہ کو قبول نہیں کرتے ہیں لہذا ڈائریکٹ مداخلت کی، یہاں تک کہ کودتا کرائی اور آقا عباس مدنی اور آقا بلحاج اور دوسرے ”جہہ نجات اسلامی“ کے سرکردہ افراد کو گرفتار اور قید

کر دیا گیا، اس وقت سے آج تک وہاں پر قتل و خونریزی کرا کے ان کی نسل کشی کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ غریبوں کی ڈموکراسی جیسی حکومت کی مثال ہے!

جس میں ایک لاکھ قتل عام ہوا، جرم فقط یہ کہ لوگ اسلامی نظام چاہتے ہیں، بس!

یہی واقعہ شیلی میں آئندہ پراور و نزنوئلا میں چاوز پر تکرار ہو چکا تھا۔

امریکہ، انگلینڈ، پیرس سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں، یہ سب نہیں چاہتے کہ کہیں پر اسلامی حکومت
قائم رہے اور پائدار ہو سکے۔

ترکیہ میں اسی طرح کا سفید کودتا کرایا گیا۔

اربان کو بھی اور آگے کی سوچھی، لائیک حکومت بنی، جسکو آتا توک نے بنایا تھا، جب وہاں صدر مملکت کے
عنوان سے وزارت عظمیٰ کے مکان میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، وزیر اعظم کے کارمند، دیگر وزراء اور بڑے
بڑے ڈپلومیٹ سیاسی لوگوں نے پیچھے کھڑے ہو کر نماز جماعت ادا کی، آخر کار جنرل آیا اور ان کو درخواست
کر دیا۔ امریکی نظریہ پردازوں نے کہا:

تمام اسلامی ملک ٹرورزم اور دہشت گرد ہیں، علاوہ ایک ملک جو اچھا ہے وہ ہے ترکیہ، کیوں؟
چونکہ ترکیہ کا جنرل امریکہ کا فرمانبردار تھا، جب بھی امریکہ چاہتا لوگوں کی حکومت کو گرا دیتا تھا۔

سوڈان کو دیکھ لیجئے

امریکہ کا مطیع نہ ہونے پر کون سی بلا اور سختی میں گرفتار نہیں ہوا۔ اقتصادی محاصرہ، لوگوں کو کودتا کیلئے تحریک
کرنا، آخر میں دوا کے کارخانہ پر بمباری کر کے پورے کارخانہ کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

جنوب کے باغیوں کو تحریک کرنا، اتریرہ کو سوڈان کے بارڈر پر صف آرائی کی تحریک، مصر کو سوڈان کے شمالی
حصہ پر قبضہ جمانے کی تحریک اور اس طرح کے سیکڑوں مشکل آفریں کاموں کی تحریک کرنا شامل ہے، کیوں؟
سوڈان چاہتا ہے اپنی معلومات کے مطابق شریعت کو ملک اور ملت پر حاکم بنائے۔

جہاد مقدس یا دُخواہی

انسان فطری طور پر پر امن اور حیات بخش ایک دین یا ایک طریقے پر پیدا ہوا ہے جو لوگوں میں حقوق اور مساوات چاہتا ہے۔ عدم مساوات نا انصافی، ظلم و سرکشی جیسے کام انسان اپنی فطرت سے ہٹ کر انجام دیتا ہے۔ دنیاوی جنگوں کے اسباب و علل مختلف ہوتے ہیں، عام طور پر سلاطین اور فاتحین کی جنگوں میں لڑنے کا طریقہ، اپنے مقاصد تک پہنچنے کا سلیقہ اور اسلام کے اصول جنگ میں بنیادی فرق ہے۔

انبیاء، وائمہ رحمت خدا ہوتے ہیں، ان پر خواہشات غالب نہیں آتی وہ ہمیشہ باوقار کرامت کیساتھ اپنے غیض و غضب کو مہار کئے ہوتے ہیں، جب تک امکان میں ہوتا ہے اسلحہ نہیں اٹھاتے، اگر اٹھایا بھی تو جہاں تک ممکن ہوتا ہے کسی کو قتل نہیں کرتے، معاف کر دیتے ہیں۔ اگر ممکن نہ ہو تو مقصد جنگ کو پہلے بیان کر دیتے تھے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ

أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ﴾ (۱)

بیشک جنہوں نے کفر اور روگردانی کی انھیں یہ پیغام دیدیا جائے کہ یقیناً اللہ کا تم پر غصہ ہونا اس سے بہت زیادہ ہے جو تم خود سے غصہ ہوتے تھے، جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے پھر تو کفر کرنے لگتے تھے۔
 رہ گیا جنگ کی ایک خاص شرط ہوتی ہے۔ خاص طور سے ظہور اسلام میں شرائط بڑے سخت تھے، دشمن قدرتمند تھے، فتنہ و فساد اور ہجوم برپا کرنے کی خاطر اسلام کی کمین میں پناہ گزیں تھے۔

﴿۱۸۳﴾

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (۱)

اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ جائیں تو ان میں میل ملاپ کر دیا کرو پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اگر لوٹ آئے پھر انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اگر دو جماعتوں میں نا اتفاقی ہو جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ہمیشہ کیلئے دشمنی، عناد، قتل و غارت اور فتنہ و فساد پھیلایا جائے! نہیں بلکہ معاملات کو رفع دفع کر کے زندگی کو از سر نو بحال کیا جائے۔

”اللَّهُ أَلَّهٌ فِي الْجِهَادِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسَّيِّئَاتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلَيْكُمْ بِالتَّوَّاصِلِ وَالتَّبَادُلِ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّدَابُرَ وَالتَّقَاطُعَ“

خدا کیلئے اس کی راہ میں اپنی جان، زبان اور مال سے جہاد کرو، ایک دوسرے کے ساتھ میل محبت اور عفو و بخشش کرو، زہار ایک دوسرے سے جدا نہ ہو، دوستی و محبت ختم نہ کرو، امر بالمعروف اور نہی از منکر ترک مت کرو (۲)

امیر المومنین امام الموحدین علی بن ابیطالب جنگ سے متعلق بیان فرماتے ہیں: جنگ میں

(۱) قومی تعصب سے پرہیز

(۲) آغاز جنگ سے پرہیز

(۳) تشدد و فساد سے پرہیز

کرنا ضروری ہے۔

﴿۱۸۲﴾..... سیرت نبی ﷺ میں سیاست

دنیا کا نظام جنگ اس کے برعکس ہوتا ہے، ان جنگوں میں اپنا غیض و غضب اور خود غرضی، ملک گیری اور دینی خصوصیات کو ختم کرنا ہوتا ہے لہذا رحمت و عفو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی وجہ سے پہلی فرصت میں اسلحہ اٹھالیا جاتا ہے، جہاں تک ممکن ہوتا ہے قتل و غارت کرتے ہیں اور اختتام جنگ پر مغلوب جماعت کو اسیر بنا لیتے ہیں (۱) ظالم و جابر حکمرانوں کی یہی تاریخ رہی ہے، جیسا کہ عہد حاضر میں سب سے بڑے ظالم اور جارج اسرائیل اور اس کی حمایت کرنے والے مستکبر ممالک ہیں۔ جن کا بنیادی مقصد قتل و غارت اور فتنہ و فساد کو بڑھاوا دیکر دوسروں پر حکومت کرنا ہے۔

ہر زمانہ میں ایسے ملوک رہے ہیں، جنہوں نے قوموں پر ظلم ڈھایا، قرآن نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذْ دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَ

جَعَلُوا أَعْزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَالِكَ يَفْعَلُونَ﴾ (۲)

ملکہ سباً نے کہا جب بادشاہ یا حکمران کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تہس نہس اور ویران کر دیتے ہیں، وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔

ملکہ سباً بلیقیس کی زبانی پتہ چلتا ہے کہ عموماً بادشاہ اور حکمران جماعت ایک دوسرے ملکوں پر حملہ کر کے قوم کو برباد اور ناموس کی آبروریزی کرتے تھے لیکن اس کے مقابل حق کی حکمرانی جس میں کسی کی حق تلفی وغیرہ نہیں، سب کو ان کے حقوق بہم پہنچانا ہی حکومت کی اہم ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس کے لئے باطل سے دفاع کی طاقت اور حق و داد خواہی کے نفاذ کی قدرت بہر حال ہونی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ جس وقت قریش پر غالب آئے اور فتح مکہ سے جزیرۃ العرب کو اپنی خدائی قدرت سے غلبہ پالیا تو مغلوب (شکست خوردہ) لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ آزاد ہو (۳)

جنگ احد میں پیغمبر اسلام کو بڑا صدمہ پہنچا، نفرین کی باری آگئی لیکن چہرہ مبارک سے آنحضرت نے خون

صاف کرتے ہوئے ہاتھوں کو بلند کر لیا اور بارگاہِ احَدِیْت میں فرمایا:

”خدا یا میری قوم کی ہدایت فرما“ (۱)

امام علیؑ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں:

”میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، پروردگار میری امت کو بخش دے، وہ نادان اور جاہل ہیں“ (۲)

اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی اور دینی جنگوں میں بنیادی فرق ہے۔

اسلام میں ”جہاد“ قیام امن کیلئے ہوتا ہے نہ کہ دہشت گردی یا خونریزی پھیلانے کیلئے۔ حالانکہ اسلام دشمن جماعتوں کا کہنا ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو جہاد کا حکم دیکر انھیں آتش جنگ میں جھونک دیتا ہے۔ ان کی یہ فکر کم علمی یا تعصب کی وجہ سے ہے۔ اسلام کا مقصد جنگ سے دہشت پھیلانے کا نہیں جہاد کے ذریعہ امن و سلامتی اور انصاف عام کرنا ہے، دنیا سے فساد، خونریزی، لوٹ مار، ظلم و تشدد، بے جا امن مانی اور شر پسندوں کی دھاندلی کو ختم اور روک تھام کرنا ہے۔ کیا اسلام میں محارب کو مجرم نہیں مانا جاتا ہے؟ یہی تو دہشت گردی ہوئی اسکا بھی حکم ہے ۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ اور اس کے حامی ممالک نے باقاعدہ طور پر دہشت گردی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جس بہانے سے دنیا بھر میں خصوصاً عالم اسلام میں دہشت، قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا ہے...

دنیا کے امن و انصاف پسند لوگ غور کریں کہ امریکہ و برطانیہ اور دیگر ممالک نے کس جواز کی بناء پر دیگر ملکوں پر حملہ کیا، کتنی بڑی ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ یقیناً یوروپین ممالک کے حالات کو سامنے رکھ کر ہر منصف مزاج نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جو آج یہ سب امن کے دعویدار بنے ہیں، دراصل یہ خود ہی دہشت گرد ہیں اور رہا اسلامی دہشت گردی کا سوال تو اس کا اسلام سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ یہ محض الزام ہے، ایک فریب ہے جو مغرب کی طرف سے عوام الناس کو ورغلا یا جاتا ہے تاکہ خود ان کا اپنا حقیقی بھیا تک چہرہ بے نقاب نہ ہو جائے (۳)

۱۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار ج ۲۰/۹۶۔

۲۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار ج ۱۰/۳۰۔

۳۔ یوسف رامپوری، روزنامہ راشتریہ سہارا، ۲۸ جولائی ۲۰۰۲۔

دہشت گردی یا جہاد مقدس

تشدد کی ایک اور مثال

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ﴾ (۱)

کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے یا کہ تم لوگ ہماری ملت کی طرف لوٹ آؤ، ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ہی غارت کر دیں گے، جن ظالموں کا مطالبہ یہ تھا کہ خدائی نمائندے اپنی رسالت اور لوگوں کی حمایت سے دست بردار ہو کر ظالم اور کافر کی اطاعت کر لیں۔

رسول کو اذیت کا سامنا

ابن اسحاق سے نقل ہے ابو لہب کی بیوی ام جمیل حمالۃ الحطب نے جب سنا کہ میرے، اور شوہر کے لئے قرآن میں آیت نازل ہوئی ہے تو وہ ایک پتھر لئے ہوئے رسول خدا ﷺ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی، رسول اکرم ﷺ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے تھے، ابو بکر بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی سلب کر لی اور اپنے رسول کی حفاظت فرمائی (۲) پتہ چلا کہ رسول اکرم کو یہ ساری تکالیف اسلام و قرآن کے احکام کی تبلیغ میں اٹھانی پڑی ہے۔

۱۔ سورہ ابراہیم: آیت ۱۳۔

۲۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویۃ، ج ۲/۸۔

عذاب کی خبر دو

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَ

يَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر اور روگردانی کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور جو لوگ عدل و انصاف کی بات کہتے ہیں انھیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں، اے نبی! انہیں دردناک عذاب کی خبر دیجئے (۱)

دہشت اور وحشت

اس میں شک نہیں کہ قرآن میں بڑے عبرتناک قصے بیان ہوئے ہیں، ان میں ایک قصہ فرعون کے بارے میں مشہور ہے کہ جب فرعون نے قوم سے کہا کہ میری اجازت سے پہلے تم اس پر ایمان لے آئے؟

یقیناً یہی تمہارا وہ بڑا سردار ہے جس نے تم سب کو جادو سکھایا ہے، سو تمہیں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا، قسم ہے میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں الٹا کر کے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا (۲)

اس سے پتہ چلتا ہے دشمنان حق نے ہمیشہ انبیاء اور خدا کے نیک بندوں پر رعب و دہشت پھیلانے کا ایک طریقہ اپنا رکھا تھا تا کہ اس سے اپنے پست مقاصد کو حاصل کر سکیں منجملہ یہ کہ انبیاء اپنی تبلیغی ذمہ داری کو ترک کر دیں اور لوگوں کو بھی رسولوں کی حمایت سے دور کر دیں۔ اس طرح اگر لوگ اپنے نبیوں اور اماموں سے جدا ہو گئے تو اسلامی مقاصد ناکام ہو جائیں گے۔

قرآن میں دہشت گردی کی سزا

اسلام نے دہشت گردی کے حکم کو عام اور اس کے خطرات سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے۔ دہشت گرد کو لفظ محارب سے یاد کیا ہے، جو بڑا جرم ہے چنانچہ جو بھی اس کا مرتکب ہوگا، وہ دہشت گرد شمار ہوگا اس کی شریعت میں سزا معین ہے

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۲۱۔

۲۔ سورہ شعراء، آیت ۴۹۔

﴿۱۸۸﴾.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

أَنَّمَا جَزَاؤُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا
أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ
فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ .

جو اللہ اس کے رسول سے جنگ کریں اور زمین پر فساد برپا کریں ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے،
یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ اور پیر مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے۔
یہ ان کی دنیوی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم ہے (۱)

یہ ایک عام حکم ہے، مسلمان ہو یا غیر، اگر مرتکب ہوا پھر تو حدود اسلامی کا مستحق ہے۔ اس میں منظم اور مسلح کوئی
جماعت، جماعت ہو جو حکومت کے خلاف کوئی کارروائی کرے، یا صحرا و بیابان اور راستوں پر بیٹھے ہوں اور اچانک
قافلوں پر حملے کر دیں یا یرغمال بنالیں یا آبروریزی کریں۔ غرض رہزنی، قتل، لوٹ مار، ہتک حرمت، خوف زدہ
کرنا، قانون کی خلاف ورزی کرنا، جرم کا مرتکب ہونا اور دیگر فساد شامل ہیں جن کی بناء پر اسلام نے اس کی سخت
سزا معین کی ہے۔ اس کو خدا، رسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے تاکہ یہ سلسلہ موقوف ہو جائے لیکن اس کا یہ
مطلب بھی نہیں ہے کہ افراط و تفریط کا حق کسی کو حاصل ہو۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ المستشار عبدالحلیم الجندی مصری
نے اپنی کتاب الامام الصادق کے باب،، علی خلفائے راشدین کے دور میں،، لکھا ہے کہ ایک خاتون نے اقرار زنا
کیا، حضرت عمر نے رجم کا حکم دیدیا، امیر المومنین امام علی ابن ابیطالب آئے فرمایا شاید اس کے پاس کوئی عذر
ہو، ابھی سزا مت دو۔ پوچھنے پر بتایا کہ اس امر میں وہ شخص شریک ہے کہ جس کے اونٹ، دودھ اور پانی سب تھا،
میرے پاس یہ سب نہ تھا۔ جب پیاس لگی تو پانی پینا چاہا، اس نے روکا تاکہ میں اپنا نفس اس کے حوالے کر دوں،
تین مرتبہ یہی واقعہ ہوا کہ اس نے مجھے پانی نہیں پینے دیا یہاں تک کہ جب پیاس حد سے بڑھی کہ میری روح جسم
سے نکل جائے گی تو میں نے چند قطروں کے عوض اس کو اجازت دیدی جس کا یہ نتیجہ ہے۔ امام علی مانع ہوئے اور کہا
اللہ نے نہیں فرمایا۔ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ؟ حرام کام کی انجام دہی پر مجبور کیا گیا تو ظالم نہیں ہوگا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کو منافقین کا سامنا

اسلام میں منافقت اس وقت ظاہر ہوئی جب پیغمبر اسلام بڑی جاہ و حشمت کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ منجملہ عبداللہ بن ابی نے دیکھا کہ اب تو ہماری سیادت اور ریاست ہاتھ سے نکل گئی، تو آنحضرت سے بغض و عناد کرنا شروع اور آخری عمر تک باقی رہا۔ مقابلہ کرنے سے عاجز تھے اس کے باوجود خاموش نہ بیٹھے بلکہ جدید طریقہ اختیار کیا کہ ظاہری طور پر رسول اللہ کے ہمراہ ہو گئے اور رسول اللہ کی وصف صحابیت سے فائدہ اٹھایا، نئے سادہ لوح مسلمان سمجھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ، اسلام و قرآن اور رسول کی حفاظت میں سرگرم ہیں۔ سب سے خطرناک حالت منافقین کی یہ تھی کہ مسلمانوں کے ہمراہ جنگوں میں شرکت کریں مگر شک و تردید میں ڈالتے تھے۔ قرآن میں بارہا منافقین کی وصف بیان ہو چکی تھی کہ اگر ان پر اعتماد کرو گے تو خیانت کریں گے، کلام کریں گے تو جھوٹ، عہد و پیمان کرتے ہیں تو وعدہ وفا نہیں کرتے۔

انھیں لوگوں نے احادیث نبوی کی جمع آوری اور اس کی تدوین کے بہانے رسول اللہ کی خاص حدیثوں کو جو فضائل اہل بیت اور حضرت علیؑ کی وصایت و فضیلت کے بارے میں تھی، اکثر ضائع کر دیا اور ولایت، امامت و خلافت میں ہمیشہ کے لیے ابہام و اشکال پیدا کر کے اس کی معنویت و حقیقت کو چھپایا۔ علم و فضل اور جملہ کمالات کے باوجود امام کو خانہ نشین ہونا پڑا، پچیس سال کے عرصہ میں جب حالات مساعد نہ رہے، مختلف مقامات سے شخصیتوں بزرگوں نے اصرار کیا کہ اب کوئی نہیں ہے جو اسلامی خلافت کی بانگ ڈور سنبھال سکے۔ امام نے زبردستی قبول فرمایا تو اپنی کوتاہیوں کو امام کی گردن پر ڈالنا چاہا اور امام کی درست سیاست و عدالت سے گریز کیا۔

ابوسفیان سردار فتنہ و فساد نے شروع ہی سے عجیب و غریب اور منافقانہ رویہ اختیار کیا، جس وقت ابو بکر نے

سیرت نبی ﷺ میں سیاست.....

اقتدار سنبھالا اور غصب خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تھا تو ابوسفیان نے اختلاف ایجاد کرنے کی غرض سے امام علیؑ کے پاس آیا اور قیام کی دعوت دی تاکہ ابوبکر اور امام کے درمیان جنگ و اختلاف سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے، اس کی سیاست سے کوئی دوسرا متاثر ہو سکتا تھا لیکن امام علیؑ فتح مکہ کے وقت اس کی بدنیتی دیکھ چکے تھے، اس کی سیاست سے بخوبی آگاہ تھے لہذا بیعت قبول نہ کی۔ یہی شخص جب قبر حضرت حمزہؑ پر آیا تو اپنا پیر قبر پر مارتے ہوئے کہتا ہے:

”اے حمزہ! جس اسلام کی خاطر کل تک تم لوگ لڑ رہے تھے، آج وہ ایک گیند کی طرح میرے فرزندوں کے اختیار میں ہے“ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے تین مخالف افراد کے بارے میں حکم فرمایا:

حضور مدینہ پہنچے تو مخالفین کی ایک جماعت نے مخالفت کی کعب بن مالک، مرارة بن الریح، ہلال بن امیہ تو رسول اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ”ان تینوں میں کسی سے کلام نہ کرنا“

عمار کو منحرف جماعت نے قتل کیا، جس کی رسول اسلام ﷺ پہلے خبر دے چکے تھے:

”إِنَّمَا تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَّةُ“ (۳)

”اے عمار! تمہیں ایک گمراہ اور باغی گروہ قتل کرے گا“

وہ منحرف جماعت معاویہ اور اس کے پیروکاروں کی تھی، جب عمرو عاص اور معاویہ کے سامنے اس کی تائید میں بزرگوں نے بیان دیا اور یقین ہو گیا کہ وہ گمراہ اور لعنتی جماعت ہماری ہی ہے تو کہا ہماری فوج نے عمار کو قتل ضرور کیا ہے لیکن ان کو میدان میں لانے والے علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔

ابوسفیان جیسے طلقاء اور اس کے ہمراہیوں کا سابقہ، ان لوگوں کی اسلام اور پیغمبر اسلام سے جنگ و عداوت

۱۔ ابن ہشام: سیرۃ النبویہ، محقق (۱) مصطفیٰ آل ابراہیم، عبد الحفیظ شیبی ج ۴، ص ۱۸۵۔

۲۔ المستنار عبد الحکیم الجندی: امام جعفر الصادق: میں تقریباً یہی نقل کیا ہے۔ دیگر کتب تاریخ اور سیرت میں مختلف طریقوں سے یہ روایت ذکر ہوئی ہے۔ ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص ۱۱۰۔ میں ذکر کیا ہے۔

نیز بنی امیہ خاندان کا دقت سے مطالعہ کرنے سے سارے حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

عہد عثمان میں فاصلہ ہو جانے سے اب منافقت نے کچھ زیادہ ہی سراٹھایا اور امیر المومنین حضرت علیؓ کو منافقین کے غلط پروپگنڈہ کا زبردست سامنا کرنا پڑا۔ امام علیؓ کی بے نظیر حکومت کا استحکام دیکھ کر منافقین نے قتل عثمان کا امام پر جھوٹا الزام لگایا اور خون خواہی کے بہانے بغاوت کا علم سردار منافقین معاویہ نے بلند کیا، جو خون خواہی کا حق دار بھی نہیں تھا۔ عہد خلافت میں معاویہ کو گزشتہ خلیفہ نے شام کا گورنر بنا کر قدرت مند بنایا تھا۔ جس نے شیطانی سیاست کا اتحاذا کیا، امام علیؓ جیسے مولود کعبہ، رسول ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، آنحضرت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے، معصوم عن الخطا، مجاہد فی سبیل اللہ کو نعوذ باللہ نازیبا القاب سے یاد کیا اور معاویہ جو عرب کا بڑا امکار اور منافقوں کا سردار تھا مسلمان کا امیر کہلایا، یہ تاریخ کا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

ہاشم بن عتبہ کہتا ہے، میں نے:

”معاویہ کے لشکر میں ایک جوان کو دیکھا جو بڑے نشاط، امنگ و جذبہ اور ولولہ سے لڑ رہا تھا“ جب اس سے پوچھا: اتنے جذبہ و نشاط سے لڑنے کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا: چاہتا ہوں کہ ایسے شخص کو قتل کر دوں جو نماز نہیں پڑھتا ہے“ مراد امیر المومنین امام علیؓ تھے، جنہوں نے نماز کا اقامہ کیا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے (۲)

منافقین اتنے جسور ہو گئے تھے کہ امام پر لعن کرنا نماز کا جز بنالیا تھا اور عبادت بغیر اس کے قبول نہیں سمجھی جاتی، ایسا بھیانک ماحول معاویہ کے قلمرو میں رواج پا رہا تھا۔

جب امام کی مظلومانہ شہادت مسجد کوفہ میں ہوئی، تو معاویہ کی منافقانہ سیاست کا منہ توڑ جواب بن گئی۔ اس سے بڑھ کر مظلومیت کیا ہو سکتی ہے کہ بعد شہادت امام علیؓ کو جائے نامعلوم دفن کیا گیا، جس سے معاویہ اور گروہ منافقین کے غیر انسانی سلوک کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

بنی امیہ سے عمر بن عبدالعزیز بھی تھے کہ جنہوں نے اپنی خلافت کے دوران صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ

۱۔ قاموس الرجال ج ۱۰/ ص ۸۹۔

۲۔ تاریخ طبری ج ۶/ ۶۵۵۲۔

﴿۱۹۲﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

خلافت وزعامت میرے اجداد کا حق نہیں تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے سب و شتم جیسی بدعت کو بھی بند کروایا۔ غرض اس طرح کے واقعات سے انسان بخوبی درک کر سکتا ہے کہ اسلام کا حامی و ہمدرد کون تھا، دنیا طلب اور مفاد پرست لوگوں نے پوری انسانیت کو خاک و خون میں ملا دیا ہے!

معاویہ نے جنگ جمل میں جب ہزیمت اور ذلت کے سوا کچھ نہ دیکھا، جنگ صفین جیسا معرکہ بھڑکایا، دیکھا شکست یقینی ہے تو لشکر علی ابن ابیطالبؑ میں نفوذ پیدا کیا اور قرآن کا غلط فائدہ اٹھایا اور فوجیوں نے قرآن کو نیزوں پر بلند کر دیا۔ کتنے نادان اور جاہل تھے کہ قرآن جن کی شان میں نازل ہوا ہو، جو آیتوں کا روشن اور بہترین مصداق ہو، جو بولتا ہوا قرآن ہو، اس کے قتل کی سازش رچی جائے اور حکم کے مسئلہ میں بھی امام علیؑ کی باتوں پر توجہ نہ کی گئی۔ ابو موسیٰ اشعری کو منتخب کیا جس نے امام کو حکومت سے معزول کر دیا اور جھٹ پٹ عمرو عاص نے معاویہ بن ابوسفیان کو شاطرانہ اور عیارانہ طور سے مسلمانوں کا حاکم منصوب کر دیا۔ اسی سیاست نے خوارج کو جنم دیا جس جماعت نے امام کو محکوم و مجبور کرنا چاہا۔

مکر و فریب کے ڈرامے سے حرقوص بن زہیر سردار ہوا، یہی شخص تھا کہ جب حنین میں جنگی غنائم تقسیم ہو رہے تھے تو ہمارے پیغمبر اکرم ﷺ پر اعتراض کیا اور کہا تھا:

”اَعْدِلْ يَا مُحَمَّدُ..“ اے محمد! عدالت سے کام لیجئے!!

آنحضرت نے جواب دیا: مجھ سے زیادہ عدل و انصاف کرنے والا کون ہے؟

مسلمان اٹھے کہ اس بدتمیز و گستاخ کو اس کے کیفر کردار تک پہنچا دیں لیکن آنحضرت نے فرمایا:

اسے چھوڑ دو! کیونکہ اس کے پیروکار ہوں گے جو اتنی عبادت کرنے والے ہوں گے کہ تم اپنی عبادتوں کو اس

کی نسبت ناچیز شمار کرو گے لیکن وہ ان عبادتوں کے باوجود دین سے خارج ہو جائیں گے (۱) اسی طرح سورہ توبہ میں آیت ۷۲ میں آیا ہے: یہ منافق اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں، انھوں نے نہیں کہا ہے حالانکہ انھوں نے کفر کہا ہے اور اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔ اس آیت میں رسول کیساتھ گستاخی کی، استفسار کیا گیا تو منکر ہو گئے۔

مرسل اعظم ﷺ کے قتل کا فتنہ

اب انھیں منافقین نے منصوبہ بنایا، حبیب خدا محمد مصطفیٰ ﷺ پر راتوں رات چالیس اہل قبائل کیساتھ حملہ کر دیا گیا تاکہ آنحضرت کو شہید کر ڈالیں، رسول اللہ کے لئے ابو جہل نے قریش سے کہا:

دیکھا! ہمارے دین میں عیب لگاتا، ہمارے بزرگوں کا مذاق اڑاتا، ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے، لہذا میں نے اللہ سے عہد کیا کہ کل جسوقت وہ سجدہ میں جائیں گے، میں اس کے سر پر پتھر مار دوں گا، دوسرے دن صبح ہوتے ہی ابو جہل نے پتھر لیا اور جب رسول اللہ نماز پڑھنے لگے، قریش اطراف میں بیٹھے کہ ابو جہل کیا کرتا ہے؟ جیسے ہی سجدہ میں گئے ابو جہل نے پتھر اٹھایا، پتھر کا اٹھانا تھا کہ ابو جہل کا ہاتھ شل ہو گیا اور پتھر ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا (۱)

امام علیؑ نے فرمایا: قوم نے قریش سے چاہا کہ ہمارے نبی کو قتل اور ہماری جڑ کو ختم کر دیں، اور اس سلسلہ میں بڑی تدبیر کی اور جو چاہا ہمارے ساتھ کیا اور ہم سے خوشحال زندگی چھین لیا، ہم کو خوف و وحشت میں مبتلا کیا اور صعب العبور پہاڑوں کو طے کرنے پر مجبور کیا (۲) یہ ہے محارب اور دہشت گردی کی مثال۔ دوسری جانب امام علی جو محافظ رسول ہیں۔ امام نے اس جملے میں لیلۃ السمیت کا اشارہ کیا ہے، چالیس مختلف قوم و قبیلہ کے افراد رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن امام علیؑ آنحضرت کی جگہ سوئے اور پیغمبر اکرم ﷺ ہجرت کر گئے، اس وقت امام علی کی شان میں آیت نازل ہوئی: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ﴾ (۳)

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱/ ۱۷۷۔

۲۔ نہج البلاغہ نامہ ۹/ ص ۳۸۷۔ حاشیہ پر اس واقعہ کا اشارہ کیا گیا ہے۔

۳۔ سورۃ بقرہ، آیت ۲۰۷۔

﴿۱۹۴﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

واقعہ کی تفسیر یہ ہے کہ لیلۃ المہدیت کو چالیس افراد مختلف خاندان سے پیغمبر کی جان کو پڑ گئے کہ امام علی - کو اپنی جگہ سلایا اور پیغمبر ہجرت کر گئے۔ جس کے بعد پیغمبر اپنے گھر والوں کے ساتھ سخت تپش والے درہ میں چلے گئے بے آب و گیاہ شعب ابیطالب میں تین سال محاصرہ میں بسر کیا، یہاں تک جبریل آئے اور قریش کے ساتھ جو عہد و پیمان ہوا تھا اس کو دیمک کے کھا جانے کی خبر دی سوائے ”بِسْمِکَ اللّٰهُمَّ“ اور محاصرہ ختم ہوا۔ آگے فرماتے ہیں:

غرض اللہ کا مصمم ارادہ تھا کہ توحیدی معاشرہ اور اس کے حدود و امتیازات کی حفاظت ہمارے ذریعہ سے ہو... اس کے علاوہ بھی رسول اللہ کو آئے دن ڈراتے دھمکاتے رہتے تھے جس کے سبب آنحضرت کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا پڑا۔ صدر اسلام میں جو ایمان لاتے انھیں شکنجہ دیا جاتا تھا، قتل کر دیا جاتا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے نمائندہ کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں، جیسے جناب یاسر، جناب سمیہ اور حضرت بلال وغیرہم۔

وفات رسول کے بعد در انحالیکہ جنازہ رسول دفن نہیں ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ کی وصیت اور تاکید کو بھلا دیا گیا۔ واقعہ غدیر جو لاکھوں مسلمانوں کے درمیان پیغمبر نے نہایت صاف لفظوں میں علی ابن ابی طالب - کی جانشینی کا اعلان کیا تھا، جس امر میں مفاد پرست لوگوں نے اختلاف کر لیا (۱)

جب تک آنحضرت باحیات تھے، قبائل عرب اور دیگر قوم و قبیلہ کی عداوتیں چھپی ہوئی تھیں لیکن بعد از رحلت رسول اعظم ﷺ شیطانی سیاست سامنے آئی، قریش نے بنی ہاشم سے انحراف کر لیا، دوسرے قبائل بھی جدا ہونے لگے، مدینہ انصار کا شہر تھا چاہا کہ انھیں کے درمیان سے کوئی خلافت کے لئے اٹھ کھڑا ہو (۲)

سیفہ کے جلسہ میں سعد بن عبادہ انصاری بھی نامزد و عویدار تھا لیکن بعض لوگوں کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے ان کا نام حذف کر دیا گیا تھا (۳)

۱۔ غدیر خم میں حاضر مسلمانوں کی تعداد ۹۰ ہزار سے ۱۲۰ ہزار تھی۔ حوالہ: عبدالحسین امینی، الغدیر ج ۱/۹۱۔

۲۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الطبری، ج ۲/۲۵۵-۳۶۰۔

۳۔ دیکھئے: طبری، تاریخ الطبری ج ۲/۳۵۹۔

خوف و ہراس پیدا کرنا

مرسل اعظم ﷺ کے حالات میں بہت سے واقعات ہیں جو اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ابو جہل و ابوسفیان اور ان کے ہمراہیوں نے رسول خدا کو بڑی اذیت پہنچائی، سب کچھ سن کر رسول خدا، وہاں سے افسردہ دل گھر واپس آ گئے، آنحضرت کے جانے پر ابو جہل نے حاضرین سے کہا: اے جماعت قریش جیسا کہ مشاہدہ کیا محمد بن عبد اللہ ﷺ نے تمہارے کام سے مخالفت کی ہے؟ تمہارے دین میں عیب جوئی کی، آباء و اجداد کو ناسزا کہا، بزرگوں کو سفیہ اور دیوانہ کہا، تمہارے خداؤں کی بدگوئی سے باز نہیں آتے لہذا میں اپنے سے عہد کرتا ہوں کل بہت بڑا پتھر جتنا اٹھا سکوں گا لیکر جاؤں گا اور محمد ﷺ جیسے ہی سجدہ میں جائیں انکے سر پر مار دوں گا، جب میں یہ کام کروں تو تم بنی ہاشم سے میری مدد کرو گے یا مجھے تنہا چھوڑ دو گے؟ حاضرین نے کہا خدا کی قسم تم کو تنہا نہیں چھوڑیں گے جو عزم و ارادہ کیا ہے انجام دیں گے۔

دوسرا دن آیا، شب میں ابو جہل نے بہت بڑا پتھر اٹھایا اور جہاں کہا تھا انتظار رسول میں بیٹھ گیا، رسول بھی اپنے معمول کے مطابق مسجد الحرام میں نماز کیلئے تشریف لاتے ہیں۔

دوسری جانب قریش ابو جہل کی قاتلانہ حرکت دیکھنے مسجد میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ مشغول نماز ہوئے، یہاں تک کہ سجدہ میں گئے، ابو جہل نے پتھر اٹھایا، آنحضرت کی طرف آیا نزدیک ہوتے ہوئے لوگوں نے دیکھا، پتھر اسکے ہاتھ میں تھا، چند لمحہ میں دیکھا رنگ اڑا ہوا، بدن میں لرزہ، وحشت زدہ پیچھے ہٹا، واپس آیا پتھر کوزمین پر پھینکا۔ کئی شخص قریش کے دوڑے کہا اے اباحکم کیا ہوا اور یہ کیا حال ہے؟ کہا جیسا کہ رات میں کہا تھا میں نے پتھر کو اٹھایا کہ سر پر ماروں جیسے نزدیک ہوا دیکھا ایک شتر زغرانہ ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا، خدا کی قسم ایسا بڑا سا اونٹ تیز دانتوں والا ابھی تک نہیں دیکھا تھا، منہ کھولے میرے سر کو پکڑ لیا تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ فقط بت پرستی سے مبارزہ تھا بلکہ نفس پرستی، جہل پرستی، خود پرستی، ہٹ دھرمی، دہشت گردی سب سے مبارزہ اور جہاد کیا۔

امام علیؓ اور آپ کے حامیوں کو آپ سے جدا کرنے نیز ان پر رعب و وحشت بڑھانے کیلئے بدوی بن اسلم کا قبیلہ جو مدینہ میں تھا، بڑے شاطرانہ انداز میں پولیس کے بھیس میں معرکہ میں اتر آیا تھا، جس کے بارے میں حضرت

﴿۱۹۶﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

عمر نے کہا جب تک اسلم کا طائفہ معرکہ میں نہیں آیا تھا کامیابی کی کوئی امید بر نہیں آئی تھی (۱)
ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:

ایک دن رسول خدا ﷺ نے امام علیؑ کے بازو پر ہاتھ رکھا اور رونے لگے، پوچھنے پر بتایا:
(اے ابا الحسن!) اس قوم کے دل میں تم سے جو کینہ متعلق ہے اس سبب سے میں رو رہا ہوں، اس کینہ کو ابھی
آشکار نہیں کرتے لیکن میرے بعد ظاہر کریں گے (۲)

آل رسول ﷺ پر بھیانابہجوم

یزید بن معاویہ نے جناب مسلم بن عقیل اور ہانی کو بعد شہادت ان کی لاش کو بازار کوفہ میں تشہیر کر کے شام بھیجا اور
دمشق کے دروازہ پر ان کے سر کو آویزاں کر دیا گیا۔

اسی طرح جناب زید بن علی بن حسین کو شہید کر کے ناک اور کان کاٹ کر سولی پر لٹکایا گیا تھا اور پانچ سال تک
جنازہ سولی پر پڑا رہا، اس کے بعد جنازہ کو نذر آتش کر دیا گیا۔

یحییٰ بن زید کو کئی سال تک سولی پر آویزاں کر رکھا تھا، چنانچہ اس طرح کے ہزاروں واقعات ملتے ہیں کہ جس
کا اصل سبب لوگوں میں خوف و ہراس، دہشت اور قہر و غلبہ سے حکومت کو تحفظ دینا، ساتھ ہی لوگوں کو دین حق سے
دور اور غافل بنادینا تھا۔

اہل کوفہ نے امام حسینؑ کو بیشمار خطوط لکھے تاکہ لوگ امام وقت کی قیادت میں زندگی بسر کر سکیں، امام نے
حضرت مسلم بن عقیل کو نزدیک سے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا تاکہ امام وہاں جانے کا ارادہ مصمم
کر سکیں۔ جناب مسلم ہزاروں مشکلوں کے باوجود کوفہ پہنچے اور اٹھارہ ہزار افراد نے بیعت کی، امام کو خط لکھا لیکن
نعمان بن بشیر جو معاویہ و یزید کی جانب سے کوفہ کا فرمانروا تھا، اس کے بارے میں کچھ افراد جیسے عبداللہ بن مسلم
حضری، عمارۃ بن عقبہ، عمر بن سعد بن ابی وقاص.. نے یزید لعنہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ نعمان نہایت ڈرپوک اور

ناتواں شخص ہے لہذا کسی قدر تمندوبے باک شخص کو جناب مسلم کے کچنے کیلئے بھیج دے۔

یزید نے مشورہ کر کے عبید اللہ جو نہایت ظالم سفاک اور خونخوار وحشی درندہ تھا، بصرہ کی گورنری کیساتھ کوفہ کا بھی گورنر منصوب کر دیا اور اسکو کوفہ بھیجا، وہاں پہنچتے ہی لوگوں میں خوف و دہشت کا ماحول پیدا کر دیا اور پیغام دیا:

”فَتَطْلَبُ ابْنِ عَقِيلٍ طَلَبَ الْخِزْرَةِ حَتَّى تَثْقِفَهُ فَتَوَثَّقَهُ أَوْ تَقْتُلَهُ أَوْ تَنْفِيهِ، وَالسَّلَامُ،“ (۱)

مسلم ابن عقیل کو مارنے کیلئے ایسا درہ تلاش کرو جس سے غالب آ جاؤ اور قید کر لو یا پھر قتل یا جلا وطن کر دو۔

عبید اللہ بن زیاد شب کی تاریکی میں مخفیانہ طور پر کوفہ میں داخل ہوا، لوگوں میں افواہ پھیلانی گئی کہ امام حسینؑ کوفہ پہنچنے والے ہیں۔ چنانچہ عبید اللہ بن زیاد جب داخل کوفہ ہوا تو چہرہ ڈھانپے ہوئے تھا، اب نہ پوچھئے صبح ہوتے ہی پہلے خطاب میں لوگوں سے گویا ہوتا ہے:

”سَوَطِي وَ سَيْفِي عَلَى مَنْ تَرَكَ أَمْرِي وَ خَالَفَ عَهْدِي ، فَلَيْتَ أَمْرَاءَ عَلَى نَفْسِهِ،“

میرا تازیانہ اور تلوار اس کے لئے ہے جس نے میرے حکم اور عہد و پیمان سے سرپیچی کی، جو بھی اپنی جان بچانا چاہتا ہے، مسلم کی بیعت کرنے سے پرہیز کرے۔

ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو جو بڑے شجاع اور مؤمن شخص تھے، بلایا اور کہا مسلم کو ہمارے حوالہ کر دو، انھوں نے انکار کیا جس کی وجہ سے انھیں شہید کر دیا گیا۔ لوگوں نے ابن زیاد کے قصر کا محاصرہ کیا تو لوگوں میں خوف اور وحشت پھیلانے کیلئے محمد بن اشعث، کثیر بن شہاب، قعقاع ذہلی، شبث بن ربیع جیسوں کو بھیجا تا کہ ڈر سے لوگ جناب مسلم کی حمایت سے باز آ جائیں۔ نیز عام اعلان کروایا دیا تھا کہ

”اے لوگو! اپنے گھروں اور زندگی کی طرف واپس چلے جاؤ اور شر و فساد میں جلدی نہ کرو، اپنے آپ کو قتل کے خطرہ میں نہ ڈالو کیونکہ بہت جلد شام سے لشکر یزید پہنچنے والا ہے اور امیر بن زیاد نے خدا سے عہد کیا ہے کہ اگر تم مسلم کی حمایت سے دستبردار نہیں ہوتے تو تمہارا وظیفہ بیت المال سے کٹ جائے گا، جنگجو فوجیوں کو شام تک

۱. شیخ مفید، ارشاد، ص ۲۰۶۔

﴿۱۹۸﴾.....سیرت نبی ﷺ میں سیاست

متفرق کر دیں گے اور مجرموں کو گرفتار کر کے جائے نامعلوم لیجایا جائیگا اور فراریوں کو سزا دی جائے گی تاکہ مخالفت کی کوئی ہمت نہ کر سکے اور ہر شخص سخت قید و بند اور عذاب میں ہوگا (۱)

جس وقت لوگوں نے ان اشتعال انگیز اور تہدید آمیز پروپگنڈہ کو سنا، متفرق ہو گئے، خواتین نے آکر اپنے بیٹے، بھائیوں کا ہاتھ یہ کہتے ہوئے پکڑا، واپس چلو! یہ سارے لوگ جناب مسلم کی حمایت میں کافی ہیں۔ مردوں نے آکر اپنے بھائی اور بیٹوں کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے لے گئے ”شام سے لشکر یزید آنے والا ہے تمہیں جنگ اور فساد سے کیا لینا دینا ہے، اپنی زندگی اور کاموں میں واپس چلو“ (۲)

چنانچہ مجمع کائی کی طرح چھٹا، چاہنے والے متفرق ہونے لگے اور حضرت مسلم کے ساتھ اٹھارہ ہزار کا مجمع کم ہوتے ہوتے، نماز مغرب تک ۳۰ لوگ باقی بچے اور بعد مغرب وہ سب بھی واپس چلے گئے۔

دوسرے دن لوگوں کے قتل عام سے شہر کے لوگوں میں خوف و ہراس اور دہشت کا ماحول پیدا کیا گیا، لوگ قتل و غارت گری اور فتنہ کے ڈر سے خاموش اپنے گھروں میں سہم کر بیٹھ گئے۔

یزیدی نمائندوں نے اہل کوفہ کو فریب سے نہ ہٹایا ہوتا، اہل کوفہ بھی دشمنوں کی تہدید اور قتل کے خوف سے اپنے گھروں میں نہ بیٹھ گئے ہوتے تو جناب مسلم ابن عقیلؓ اور ان کی حمایت کرنے والے شہید نہ ہوتے اور امام حسینؓ پر کربلا میں جو مظالم ڈھائے گئے، ایسا بھیانک المیہ پیش نہ آتا کہ نواسہ رسول اور ان کی اولاد کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔

۱۔ شیخ مفید، ارشاد ص ۲۱۱۔

۲۔ شیخ مفید، ارشاد ص ۲۱۱۔

اسلام کے خلاف منصوبہ

۲۰ ویں صدی کے اوائل سے ملکوں سامراج کے خلاف میں جوش و خروش کی حرکت پیدا ہوئی ہے، یہ آزادی و حریت کا فلک شگاف نعرہ نہ فقط اسلامی ملکوں بلکہ غیر اسلامی ملکوں سے ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھ رہی ہے۔ استعمار جو ابھی تک مخفیانہ طور پر اسلام کے خلاف سازشیں کر رہا تھا، وہ اسلام کی الہام بخش حق و عدالت کی تحریکوں سے خوف زدہ ہے۔ اس سے نجات پانے کے لئے غرب کمیونسٹ کے ساتھ ہو گیا تھا، یہود و نصاریٰ دونوں بڑی طاقتوں نے ملکر قچی کی طرح اسلام پسند اور حق پرست کی چھٹائی اور صفائی کر رہے ہیں۔ اسلامی تحریکوں سے اپنا کینہ جو دراصل اسلام سے رکھتے ہیں، اس کے انتقام کیلئے اس حد تک پہنچ گئے کہ کہتے ہیں:

امریکہ کے سابق صدر نے کہا:

”باوجودیکہ میں کمیونسٹ کا مخالف ہوں لیکن اگر میری مملکت کمیونسٹ ہو جائے تو میں اس سے زیادہ خوش ہوں گا بہ نسبت اس کے کہ میری مملکت کے لوگ مسلمان ہو جائیں“

دوسری جگہ پر کہا ہے:

”ایسی جگہوں پر جہاں اسلام قدرت مند دکھائی دے تو ایسے مقامات کو پسپا کر دینا چاہئے“ (۱)

منجملہ سازشوں کے ایک صہیونی حکومت کی تشکیل بھی اسلام سے انتقام کا نتیجہ ہے جیسا کہ غرب کی ساری کارگردی کا محور اور اسلامی ملکوں میں تشیت، تقسیم، تعصب و غیرہ سب کچھ اس لئے تھا تا کہ استعمار کے خلاف جہان

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

اسلام کی بیداری کا انتقام لیا جائے، لہذا شرق و غرب کے مشترکہ اتحاد نے جہان اسلام کے قلب میں ناسور کی طرح اسرائیل کو لے آئے، روز بروز اپنے خونچام مضبوط کرتے جا رہے ہیں، یہ بعض اسلامی ملک کے منافق حکام کی خیانت کا نتیجہ ہے ورنہ حضرت امام خمینی کے بقول سارے اسلامی ملک ایک ایک بالٹی پانی اسرائیل پر ڈال دیں تو مٹھی بھر اسرائیلی بہہ جائے۔

سامراج نے عالم اسلام کی بعض مشکل اور کمزوری سے فائدہ اٹھایا چنانچہ اسلامی ملک پسماندگی اور مشکلات میں ہمیشہ کی طرح گرفتار ہوئے جا رہے ہیں جس سے وہ خود اپنے علمی اور مالی ذخائر، اقتصادی، سیاسی، جغرافیائی موقعیت اور معنوی قدرت کے باوجود غرب کے غلام ہیں۔ اگرچہ اسلامی منطق اور معنوی طاقت کے مقابلہ میں ہزاروں سال کی سخت عداوت اور مخالفت کے باوجود بھی ساری متحدہ طاقتیں لرز رہی ہیں۔ آج بھی ان کا سب سے بڑا سرمایہ اسلام کی بربادی اور مسلمانوں کی سرکوبی کیلئے صرف ہوتا ہے۔

یہ طاقتیں کتنی ہی متحد ہو جائیں، اسلام کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں، ہاں وقتی طور پر ظلم و بربریت پھیلا سکتی ہیں، آج بھی غربی متحدہ محاذ مختلف اسلامی اقتدار پر حملہ کرنے سے باز نہیں آتا، سلمان رشدی جیسے مزدوروں سے قرآن اور اسلامی شخصیتوں کی توہین کرائی پھر ڈنمارک میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی اہانت جیسا حادثہ ایسے وقت میں رونما ہوتا ہے جبکہ آزادی بیان، حقوق بشر اور ڈموکراسی کا بانگ دہل اعلان کرنے والوں کے سامنے ہولوکاسٹ (ہٹلر کے ذریعہ یہودیوں کا ایک ساتھ قتل کر دیا جانا) کا واقعہ برملا ہونے لگا تھا۔

عہد علی ابن ابیطالبؑ کے سیاسی بحران

امام العارفین امیر المومنین مرتضیٰ علیؑ کے حریف خلفاء جن کی کارستانیوں کے سبب اسلامی معاشرہ روز بروز مشکلوں سے دوچار ہوتا گیا۔ گزشتہ چھوٹ یا منصوبے کے تحت معاویہ بن سفیان نے کسی مکرو فریب اور سازش کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اسی وجہ سے امام نے پہلا کام یہ کیا کہ معاویہ کو حکومت شام سے برکنار کر دیا تاکہ دوسرے امور میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

اگر امام علیؑ نے معاویہ کی حکومت کو رسمی قرار دیدیا ہوتا تو یقیناً اسلامی اور آسمانی حکومت کے نفع میں تمام نہ ہوتا لہذا معاویہ کی حکومت کو رسمیت نہیں دی۔ معاویہ سابق سیاستوں کی بنا پر جسور اور خاندان رسول کا سخت ترین دشمن ہو گیا تھا لہذا جرم کا مرتکب ہوتا گیا اور خاص طور سے عثمان کے عہد خلافت سے ہی شام اور دیگر قبائلی حکومتوں میں ”منافع مشترک کی حفاظت“ کرنے کے سبب گہرے اثر و رسوخ اور روابط بنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے کسی خلیفہ کے لئے اس حکومت کو بدلنا آسان کام نہیں تھا۔ معاویہ اور دیگر اہل سیاست کو پتہ تھا امام علیؑ کو تھوڑی سی فرصت مل گئی تو رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ اور تکمیل کا مقصد پائدار اور مستحکم ہو جائے گا، جس کی حاکمیت کو بشریت گلے لگا لے گی۔ حیات دنیوی و معنوی ممزوج ہو کر سماجی زندگی نمونہ بہشت بن جائے گی۔ حقیقی اسلام کی بنیادیں پائدار ہو جائیں گی جس کے بعد اموی حکومت کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں رہ جائے گا اسی سیاست کی بنیاد پر اہل دین و دنیا دینداروں کا استحصال کر رہے تھے، وہ لوگوں پر واضح ہو جاتا، اس کے علاوہ امام - کو جن عناصر کا سامنا کرنا پڑا، وہ چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱. امت کا اصول و معارف سے دور اور بدعت کی ترویج

۲. معاویہ کی حکومت کے جملہ امور پر مخفیانہ حالات کا جائزہ

۳. طرفداروں اور حامیوں کا متضاد نظریہ کا ہونا، جیسا کہ معلوم ہے

جس طرح دیکھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فتح مکہ کے بعد ابھی اصول آسمانی کی تعلیم، ترویج و تنظیم میں مصروف تھے، ابھی کوئی عملہ منظم کرنے اور منصوبہ بندی میں مصروف تھے کہ وسیع پیمانہ پر یہ سب کام انجام دیں، با اثر لوگوں نے خاندان پیغمبر پر ہجوم اور اطراف و جوانب جیسی زمینوں پر قبضہ اور ملکوں کو فتح کرنے کی طرف ساری توجہ مبذول ہو گئی۔ سرمایہ دار، رفاہ طلب، اہل مقام جاہ و مقام، دوسروں پر ظلم و ستم اور جاہلیت کے منصوبوں کو بڑھاوا دینے لگے۔ دوبارہ جاہلی عادات طبقاتی نظام جیسے عناصر بڑھے، عربوں کی حکمرانی سے عجم ناخوش ہوئے، معارف اسلامی، سیاسی اور اقتصادی بحران سے دوچار ہونا پڑا، خاص طور سے پچیس سال کا عرصہ سنت و حقیقت اور بدعت میں تشخیص نہ دی جاسکی۔ تاویل و توجیہ اور ناروا باتوں کو عام کیا جانے لگا اور دھیرے دھیرے خلفاء کے اچھے برے کرتوتوں کو سنت کا نام دیا جانے لگا۔ سنت رسول اللہ ﷺ اور آنحضرت کی اصل تحریک کو ناکام بنایا گیا۔

﴿۲۰۲﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

ابن ابی الحدید کا اظہار تعجب

ابن ابی الحدید نے اپنی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ کیونکر امام علیؑ کو بعد از رحلت رسول قتل نہیں کیا گیا؟ اس کی دو وجہ سمجھ میں آئی ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ابھی اسلام کی فتوحات کے سبب بڑی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے جس میں نئے نئے مسائل درپیش تھے جو علی ابن ابیطالبؑ کے علاوہ کوئی دوسرا حل کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ آنحضرت شب و روز نئے رونما مسائل اور حوادث کا جواب دیتے تھے۔ جس کا اعتراف امام کے سب سے بڑے حریف عمر نے کیا ہے ”کہ اگر ابوالحسن علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا“

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ عمر بن خطاب امام علیؑ سے بہت ڈرتے تھے۔ وہ ہر اس امر جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی کوئی وصیت ہوتی تھی یعنی اس کے بارے میں آنحضرت کی پیشین گوئی معلوم ہوتی تھی تو اس کو بڑی بے باکی، شاطرانہ انداز میں انجام دیتے کیونکہ یقین تھا کہ امام علیؑ فرمان رسول اللہ ﷺ کے خلاف کچھ انجام نہیں دے سکتے ہیں لیکن جس امر کے بارے میں کوئی وصیت معلوم نہیں ہوتی تھی تو نہایت خوفزدہ رہتے کہ ایسا نہ ہو کہ امام علیؑ سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔

سامراجی طلسم توڑنا ہوگا

﴿ اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی. فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لِّیْنَا لَعَلَّہٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ﴾ (۱)

اے موسیٰ! تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سرکشی کی ہے، اس کو نرمی سے سمجھاؤ، شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

پیغمبر اسلام اور اصلاح مفاسد

﴿ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفُضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ... ﴾ (۲)

اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔
اس آیت سے چند مطلب کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) نرمی اور اخلاق سے گفتگو کرنا خداوند عالم کی بہترین نعمت ہے جس میں یہ وصف نہ ہو تو وہ اس عطا سے محروم ہوگا (۲) سخت دل افراد لوگوں سے قریب ہو کر ان کی خدمت نہیں کر سکتے (۳) درست ادارت اور قیادت لوگوں کے ساتھ الطاف و مہربانی اور درگزر کے ساتھ ہی ممکن ہے (۴) رائے مشورہ کرنے سے لوگوں میں انجام و اتحاد اور میل محبت کی فضا بحال ہوتی ہے۔

۱۔ سورہ طہ، آیت ۴۳، ۴۴۔

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔

﴿۲۰۲﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

آنحضرت صاحب خلق عظیم تھے، جو دعوت اسلام کے لئے ضروری تھا، اگر یہ نرمی اور ملائمت نہ ہوتی تو لوگ آپ کے قریب نہ بھٹکتے۔

ہجرت کے نویں سال میں جب ”طی“ جیسا سرکش قبیلہ سپاہ اسلام سے مغلوب ہو چکا تھا، اس قبیلہ کا معروف ”عدی بن حاتم“ شام فرار کر گیا تھا تو اس کی بہن ”سفانہ“ کو لشکر اسلام نے اسیر کر لیا اور دیگر تمام اسیروں کے ساتھ مدینہ النبی میں مسجد کے قریب ایک مکان میں رکھا گیا۔ ایک روز جب رسول اعظم ﷺ اسیروں کا معائنہ کرنے گئے، سفانہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور کہا:

اے محمد! میرے باپ حاتم طائی دنیا سے کوچ کر گئے، میرے سرپرست عدی نے راہ فرار اختیار کر لی۔ اگر مناسب سمجھئے تو مجھے آزاد کر دیجئے تاکہ قبیلہ عرب کی بدگوئی سے امان میں رہوں۔ میرے باپ نے غلاموں کو آزاد کیا، پڑوسیوں کی نگہبانی فرمائی، لوگوں کو کھانا دیا، آشکار سلام کرتے، سخت اور ناگوار حالات میں لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے سفانہ سے فرمایا:

”يَا جَارِيَةُ هَذِهِ صِفَةُ الْمُؤْمِنِينَ حَقًّا، لَوْ كَانَ أَبُوكَ مُسْلِمًا لَتَرَحَمْنَا عَلَيْهِ“

اے بیٹی! یہ تو درحقیقت مومنین کے اوصاف ہیں، اگر تیرا باپ مسلمان تھا تو ہمیں اس پر رحم والطف اور احسان کرنا چاہئے، اس کے بعد فرمایا کہ اس بچی کو آزاد کر دو کیونکہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو دوست رکھتا تھا (۱) اسلام میں اس کام کی مذمت ہوئی ہے مگر جب یہ کام اجتماعی امور میں سرایت کر جائے اور وہاں پر طریقہ کار کوئی مسالمت آمیز نہ رہ جائے۔

اگر طاغوت کے دائرہ اقتدار میں اصلاح اور مسالمت کی تدریجی صورت ممکن ہو جب بھی پیغمبروں کا طریقہ کار سخت نہیں ہوتا ہے بلکہ اصلاح اگر فساد کی جڑ کا سد باب نہیں کرتا تب بھی گفتگو کا دروازہ بند نہیں ہوتا ہے۔ جیسے فرعون کے لئے اللہ سبحانہ نے فرمایا: ہم نے خود اس کو اور اس کے جملہ ہمراہیوں کو غرق در آب کر دیا۔

﴿فَاَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيعًا﴾ (۲)

﴿۲۰۵﴾

فرعون کی ہلاکت کے بعد اس کا جسد پانی میں چھوڑ دینے کیلئے کہا تا کہ آئندہ ایک تاریخی عبرت بن جائے۔
”لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَ آيَةً“

قرآن کی روشنی میں اگر کوئی طائفہ اصلاح و ہدایت کے راستے پر نہ چلیں اور اصلاح طلب نہ ہوں، جنگ و قتل پر اٹھ کھڑے ہو جائیں تو وہ بھی مفسد ہیں اور ان سے سختی سے پنپنا چاہئے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدُوا الْكَفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ..﴾ (۱)

اے نبی! کفار و منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کا برتاؤ کرو۔

پرامن معاشرہ کو کوئی آسیب پہنچے تو سختی سے پنپنا ہوگا لیکن وہ برتاؤ قانون کے دائرہ میں ہونا چاہئے۔

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾ (۲)

اس کا مطلب ظلم و فساد اور تشدد جو مفسد کی جڑ اور سیدھی راہ سے ہٹانے والے ہیں، ان کے مقابلہ میں ایک ایک فرد کا وظیفہ بنتا ہے کہ حق کی حاکمیت اور اسلامی حکومت کیلئے حتی المقدور کوشش کریں، بغیر شک و تردید ایسے انسان کی اللہ نصرت فرمائے گا۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَلَوْلَادِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا﴾ (۳)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان ناتواں مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جہاد نہیں کرتے؟ جو لوگ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اس ظالم بستیوں سے ہمیں نجات دے اور ہم کو اپنے پاس سے مشمول نصرت و مدد قرار دے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء، ائمہ اور اولیاء اللہ نے اپنے اپنے فرائض و وقت کے ظلم و ستم اور بے عدالتی کے خلاف

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۷۳۔

۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۳۔

﴿۲۰۶﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

قیام کیا ہے کیونکہ ان حضرات کا مقصد حق و عدالت کا قیام اور انسانوں کو تمام انحرافات سے نجات دلانا تھا، جو لوگوں کیلئے عزت و شرف کا نمونہ اور ان کا کردار قیامت تک زندہ رہے گا۔

آج بھی عالم انسانیت کو امام حسینؑ، آپ کے اصحاب و انصار جیسے لوگوں کی ضرورت ہے۔ معرکہ کربلا حق و عدالت اور انسانی کرامت سے دفاع کا کامل نمونہ ہے۔ تحریک انبیاء کی آخری راہ اور قرآنی آیات کا عملی مصداق ہے۔ جس کی پیروی اہل حق و انصاف پر ضروری ہے۔ کبھی بھی قلت تعداد کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔ امام حسین نے اس کا عملی نمونہ پیش کر دیا ہے۔ اس کی تائید حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ فرماتے ہیں:

”يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَسْتَوْحِشُوا فِي طَرِيقِ الْهُدَى لِقَلَّةِ أَهْلِهِ“

اے لوگو! راہ ہدایت میں اہل حق اور ہدایت کی قلت و کمی سے نہ ڈرو (۱)

اس سلسلہ میں امام خمینی نے امام متقین امیر المومنینؑ کے راستہ کی پیروی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں تمام اہل عالم سے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر یہ جہانخوار ہمارے دین کے مقابلہ میں قیام کرنا چاہتے ہیں تو میں تمام دنیا کے مقابلہ میں قیام کروں گا اور ان کی نابود کی بغیر نہیں بیٹھوں گا، یا تو سب آزاد ہو جائیں گے یا وہ عظیم آزادی جو شہادت سے حاصل ہوتی ہے، نصیب ہو جائے گی (۲)

بغیر اسلحہ کی جنگ (none violence)

گذشتہ صدی سے استعمار کی سازش سب پر ظاہر ہو چکی ہے، اب اس بات کو ہر شخص جو مغربی میڈیا کی سازشوں سے آشنا ہے، یقیناً بخوبی درک کر سکتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ منصوبہ بندی نہیں کی جا رہی ہے، اندھا دھند سرمایہ صرف کر کے اسلام اور اس کی پیروی کرنے والوں کی غلط نمائش کی جا رہی ہے، ابھی تک امریکہ، لندن، جرمن کے اہل ظلم و جور اپنے فوجی قوت کے بل بوتے پر دوسرے ملکوں پر لشکر کشی، بغاوت اور کودتا کے ذریعہ لوٹ مار کرتے تھے، اب اسلام اور اس کی پیروی کرنے والوں کو فروکش کرنے کیلئے میڈل ایسٹ میں اپنے جھوٹ، مکر و

﴿۲۰۷﴾

فریب اور ظالمانہ کاموں سے بہت بڑی تعداد میں فوجیں اتار کر قیمتی ذخائر پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے، ستم بالائے ستم، خود ہی اسلامی نام نہاد ظالم حکام کی بھرپور حمایت کر رہے ہیں، خود ہی ناجائز اسلحوں سے مسلمانوں کو مسلح کیا، انھیں آپس میں لڑایا اور فوراً بعد افغانستان اور عراق دونوں ملکوں پر یکے بعد دیگرے لشکر کشی اور اسلحوں کے زور پر بانگ ڈور سنبھال لیا۔ فلسطین کے نہتے مسلمانوں کی جدید قسم کے اسلحوں سے نسل کشی کی، ان کے شہروں کو منہدم اور مسمار کیا، مسلمانوں کو بیدار اور متحد پایا تو ملک میں تفرقہ ڈلوایا، ملک کی حکمران جماعت کو تقسیم کر دیا۔ لبنان پر تجاوز کیا وہ تو کہئے اس ملک کی حزب اللہ جیسی دلیر فوج اور بے لوث قیادت نے جدید اسلحوں سے لیٹ اسرائیلی فوجوں کو مار بھگایا پھر بھی بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ سور یہ کو آئے دن ڈراتے دھمکاتے رہتے ہیں اور دیگر اسلامی ملکوں کی سیاستوں پر سینسر کی ایسی سکیورٹی بیٹھائی ہوئی ہے کہ وہ صحیح بات کہنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ آج حقوق بشر کے عالمی مصلح ہونے کا ڈھینڈھورا پیٹا جا رہا ہے جبکہ اس سے حقیقت کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے ہر اس جگہ جہاں استعمار کو نقصان پہنچتا ہے، یا اپنے مفاد کیلئے احتمالی خطرات محسوس کرتے ہیں، ان کو دہشت گرد کہہ کر کچل دیتے ہیں۔ اس آمریت میں ہر وہ حکومت تعاون کرتی ہے، جس کا سپوٹ خود وہاں کی قوم نہیں کرتی اور انھیں اپنی قوم و ملت کی سچائی پر اعتماد نہیں ہوتا ہے لہذا حکومت بڑے سے بڑے عالمی پیمانہ کے دہشت گردوں، ظالموں اور قاتلوں کا سہارا لیکر اپنے ملک اور قوم سے خیانت کرتے ہیں۔ اسلام نے جہاد کا جو اصول بتایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقط اپنے تحفظ کے لئے دفاعی جنگ کا حکم ہے، نہ کہ کسی پر تجاوز اور لشکر کشی کا حکم ہے۔

امام علیؑ حضرت رسول اللہ ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

جنگ میں دشمن پر زہر کا استعمال نہ کرو، بوڑھے بچوں، سیویلیں اور غیر مسلح افراد سے جنگ نہ کرو۔ غرضکہ اہل اسلام نے انسانی کرامت، عزت اور عظمت کی بہت زیادہ تاکید کی ہے، امامؑ فرماتے ہیں:

”اَنِّیْ اُکْرَهُ لَکُمْ اَنْ تَکُوْنُوْا سَبَابِیْن“ (۱)

تمہارے لئے برا بھلا کہنا مجھے ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

اسطرح جب عبدالرحمن ابن ملجم مرادی ملعون نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر کے زخمی کر دیا تھا تو امامؑ فرماتے ہیں:

﴿۲۰۸﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

”إِيَّاكُمْ وَالْمُثَلَّةَ“ (۱)

ہرگز جسم کو مثلہ نہیں کرنا چاہئے، جنازہ کو پامال اور ٹکڑے کرنے سے پرہیز کرو۔

دوسری جگہ عدالت کے سلسلہ سے امامؑ فرماتے ہیں:

یہ بات اس وقت کہی جبکہ لوگوں نے بتایا اے امام معاویہ بہت زیادہ مال و ثروت لوگوں میں تقسیم کر رہا ہے،

آپ بیت المال کو عدالت سے تقسیم کرنے کی بات چھوڑ دیں، جواب میں امامؑ نے فرمایا تھا:

”أَتَأْمُرُونِي أَنْ أَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ فَيَمْنُ وَلَيْتَ عَلَيْهِ..“

چاہتے ہو کہ اپنی حکومت کے لوگوں پر ظلم و جور کے ذریعہ کامیابی حاصل کروں (۲)

ہم یہاں پر جہاد کی چند قسم کو ذکر کرتے ہیں۔

تاکہ قدرے روشن ہو جائے کہ مخالفین کا پروپیگنڈہ غلط ہے۔ جہاد ہر ملک و ملت کی عزت و قار اور حفاظت کی

ضامن ہے۔ ہر طرح کی ہزیمت، ذلت اور شکست سے نجات دیتا ہے، مقابل میں کوئی بھی ہو، جہاد کے زیر سایہ

ہر شخص آسودہ خاطر ہوتا ہے۔

جہاد کے پانچ مقامات کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) جب حدود اسلام اور اراضی مسلمین پر کفار ہجوم اور حملہ کریں۔

(۲) مسلمانوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کے مقابلہ میں ہو۔

(۳) ایسے مسلمانوں کی مدد کرنا جو کافروں سے جنگ میں گرفتار ہوں۔

(۴) ایسے کفار سے جو مسلمانوں کی سرزمین پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں ان مظلوموں کی شکست کا خوف ہے۔

(۵) کفار کو اسلام کی دعوت دیں (اس قسم میں امام معصوم کے وجود کی شرط بتائی گئی ہے) اور اسلام کی خوبیوں

کو سنیں تو آمادہ جنگ نہ ہو جائیں یعنی اگر وہ نہ چاہیں تو ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرنا چاہئے۔

اس سے زیادہ صلح کی تاکید کیا ہو سکتی ہے۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ ۱/۴۷۔

۳۔ نہج البلاغہ، ۱۲۶ ص ۲۳۸۔

”وَلَا تَدْفَعَنَّ صَلَاحًا دَعَاكَ إِلَيْهِ عَدُوٌّكَ وَلِلَّهِ فِيهِ رِضَىٰ فَأَنَّ فِي الصُّلْحِ دَعَةً لِّجُنُودِكَ وَرَاحَةً مِّنْ هُمُومِكَ وَ أَمْنًا لِّبِلَادِكَ“ (۱)

اس صلح کی دعوت کا انکار نہ کرنا جس کی پیش کش دشمن کی طرف سے ہوئی ہو، اس میں اللہ کی رضامندی ہے جس میں فوجیوں کو آرام و سکون مل جاتا ہے اور تمہارے نفس کو بھی راحت و طمانیت مل جاتی ہے اور شہروں میں بھی امن و امان کی فضا بحال ہو جاتی ہے۔

”إِيَّاكَ وَالِدِمَاءَ وَ سَفْكَهَا بِغَيْرِ حِلِّهَا، فَإِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ أَذْنَىٰ لِّنِقْمَةٍ...“

خبردار ناحق کسی پر تجاوز، خون ریزی، سفاکیت سے بچو کیونکہ اس سے زیادہ کسی اور چیز میں ہزیمت و ذلت اور رسوائی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فیصلوں کا آغاز ایسے لوگوں سے کرے گا جنہوں نے کسی کا خون ناحق بہایا ہے (۲)

ہاں جب اس سے کوئی چھٹکارہ نہ ہو پھر ایک حکم خدا سمجھتے ہوئے، اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اور جہاد دنیاوی اعتبار سے مضبوط زرہ اور مستحکم سپر ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ قوم اور ملک کا تحفظ ہوتا ہے اور اسی سے بہشت کا راستہ بھی نکلتا ہے۔

فَإِنَّ الْجِهَادَ بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، فَتَحَهُ اللَّهُ لِمَخَاصِيهِ أَوْلِيَائِهِ وَهُوَ لِبَاسُ التَّقْوَىٰ.

قرآن میں فردی اور اجتماعی اصطلاح کا بار بار ذکر آیا ہے۔

فردی اصطلاح میں نرمی و ملائمت کی تاکید و تجویز کی گئی ہے جس کی مثال جناب موسیٰ علیہ السلام فرعون کی داستان ہے کہ جناب موسیٰ کو حکم ہوا کہ اگر مسالمت آمیز طریقہ سے کوئی مسئلہ حل ہو جائے تو کسی سختی، تندی، توہین اور جنگ و جدال کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۵۳۔

۲۔ نہج البلاغہ، مکتوب ۵۳۔

تبشیر و تکفیر

سارے جہان کے لوگوں کو اعتقاد اور اعمال کے لحاظ سے تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) شرقی بلاک

اس بلاک کے لوگوں کا کافی حصہ مادیوں کا ہے، جس میں بیسویں صدی کے بعد نمایاں فرق دکھائی دیا ہے، ان لوگوں کا اعتقاد، دین والوہیت اور رسالت سے یکسرے خالی ہے لہذا سیاست کے معنی و مفہوم کا رابطہ بھی دین سے جدا ہے۔ اس میں لوگوں کا بھی کسی پر تکیہ کرنا درست نہیں کیونکہ سب آپس میں مساوی اور جب ان پر کوئی کسی سے بڑا نہیں تو ظاہر ہے کسی کو کسی پر حکومت کا حق حاصل نہیں ہے۔

(۲) غربی بلاک

غریبوں کا نظریہ بہر حال عیسوی، موسوی دین سے اور خدا کے تصور سے بالکل خالی نہیں ہے بلکہ اکثر و بیشتر لوگ کسی نہ کسی دین و آئین پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن خاص بات یہ کہ ان کا کہنا ہے کہ سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی دین فقط چند اعتقادی امور پر ہی نظارت رکھتا ہے۔

ان کا نظریہ فرعون وقت کی طرح ملکوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا اور اس ملک کے لوگوں کو نوکر، مزدور اور ان کے ذخائر کا اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ہڑپنا (اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی) کا مطلب یہی تو ہوا کہ تمہیں اپنے معاملہ میں کوئی فیصلہ کا حق نہیں ہے۔

۳) اسلامی بلاک

اسلامی نظریہ بہر حال دین سے معنون ہے، عیسائی اور یہودی دین سے الگ اسلام کی ایک جداگانہ خصوصیت ہے وہ یہ کہ ان کے اعتقاد، اخلاق، احکام حیات میں اجتہاد و فقاہت کے ساتھ سیاست بھی ہے، اس دین کا مقصد انسانیت کو دنیوی منافع سے فائدہ پہنچاتے ہوئے اس جہان آخرت میں سعادت و کمال کے درجہ تک پہنچانا ہے۔ اگر اصل دین عیسوی اور موسوی میں کوئی تضاد نہیں تھا لیکن بعد میں بر بناء سیاست عیسائیوں اور یہودیوں نے تحریف کر دیا ہے۔

انسانوں کی تقسیم بندی

اسی طرح دنیا میں بسنے والے انسانوں کی بھی تین قسم ہے۔

(۱) انسانوں کی پہلی قسم جو ہدایت یافتہ اور صالح، اہل ولایت و صاحبان معرفت ہیں۔ یہی لوگ نعمت و جنت کے مستحق ہیں (۲) دوسری قسم منحرف اور گمراہ لوگوں کی ہے، جو ہدایت و نعمت کے بجائے گمراہی و ہلاکت کے اسباب فراہم کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ حیران و پریشان رہتے ہیں (۳) قسم معذب اور مغضوب لوگوں کی ہے جو خدائی ولایت اور ہدایت سے دور ہوتے رہتے ہیں۔ یہ صورت امت رسول میں صدر اسلام سے ہی پیش آچکی ہے۔ پہلی قسم جو بعد رسول امیر المومنین علی بن ابیطالب کی ولایت اور امامت پر جمع ہو گئے۔ دوسری قسم جو اس ولایت کے بارے میں متحیر اور سرگرداں رہے، پائنداری اور وقت سے کام نہیں لیا چنانچہ انھیں معرفت نہیں ہو سکی۔ تیسری قسم مخالفوں اور دشمنوں کی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے افراد خاندان، ائمہ معصومین کی محبت کے بجائے ان سے دشمنی و کدورت رکھتے ہیں۔ اس تقسیم کو سورہ حمد سے استخراج کیا جاسکتا ہے۔

دین کی ضرورت

ابتداء خلقت سے لوگوں نے دین و اعتقاد اور عبادات کے تحت زندگی بسر کی ہے، چنانچہ آج بھی اطراف و اکناف عالم میں بسنے والوں انسان تین مکتب فکر یا اعتقاد میں بٹے ہوئے ہیں:

۱. پہلی قسم وہ ہے جن کا کوئی دین یا اعتقاد ہی نہیں ہے، اگر دین بمعنی مذہب مانیں۔

۲. دوسری قسم کے لوگ دین و آئین کے معتقد ضرور ہیں لیکن مکمل اسکی پیروی نہیں کرتے ہیں۔

۳. تیسری قسم وہ ہے جو دین کا اعتقاد بھی رکھتے ہیں اور اس کی تعلیمات پر عمل بھی کرتے ہیں۔

اب دیکھنا ہے کیا دین کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟ اگر دین ہے تو یہ دین کیا ہے؟ دین یعنی دیانت، جو انسان کو متدین بنادے اور کسی چیز کا معتقد و متعبد ہونا جو علم و عمل اور عزم سے تکامل کی جانب آگے بڑھائے (۱) فکر و عقیدہ کی اصلاح کرنا (۲) انسان کے اخلاقی، جسمانی و مالی اصول کی تربیت کرنا (۳) معاشرہ کے افراد سے حسن معاشرت رکھنا (۴) دین یعنی چند عمل کے انجام دینے اور چند رزائل چیزوں سے پرہیز کا نام ہے۔ جو نظم اور فطرت کے مطابق مطلوب و مرغوب زندگی کو مہیا کرتا ہے۔ اگر برہان و نظم کو دیکھئے اس میں بڑی حکمتیں ہیں، جب دنیا میں کوئی چیز عبث نہیں ہیں تو یہ کائنات کیا بے مقصد پیدا کی گئی ہے؟ اب سوال ہے کہ پھر کس نے پیدا کیا ہے؟

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾ (۱)

اللہ ہی خالق اور پروردگار ہے، اس نے پیدا کیا ہے، اور انسانوں کو ہدایت کی۔

سب سے پہلے جہاں ماں باپ کا بھی کوئی اختیار نہ تھا، اسی ذات نے پیدا ہونے سے پہلے عالم کون و طبیعت

﴿۲۱۳﴾

میں پرورش کی پھر عالم وجود میں آ جانے پر ماں باپ کے ذریعہ تربیت کی اور دھیرے دھیرے رشد و کمال کی طرف انسان بڑھتا گیا، اعضاء و جوارح مضبوط ہوتے گئے، مربی اور معلم نے اس کی تربیت و تعلیم کا بیڑا اٹھایا یعنی جیسے بچہ میں صلاحیت بڑھتی گئی، مربی کا پہلے سے بہتر انتظام ہوتا رہا کیونکہ وہ عادل و حکیم ہے، عدالت کا تقاضہ تھا کہ ہر کسی کو اس کے ظرف کے مطابق ہی عطا کرے جس کی جتنی قدرت و صلاحیت ہوتی ہے، یہی حکمت ہے، یعنی کوئی بھی فعل عبث اور مصلحت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اگر کوئی قرآن و دین کی بات نہ بھی مانے تو بہر حال روزانہ اپنی زندگی میں ہر کام کو کسی نہ کسی غرض و مصلحت کی بنا پر کرتا ہے، اس کو ہر حال میں تسلیم کرنا ہی پڑے گا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی انسان کسی فعل کو بغیر کسی مقصد کے انجام دیتا ہے؟

انسان پانی پیتا ہے اس میں بھی مقصد رفع تشنگی ہے۔ کبھی فعل میں مقصد ہوتا ہے اور کبھی فاعل میں، کبھی بھی یہ امر دو حال سے خالی نہیں ہوتا، یا تو فعل میں نقص ہوتا ہے یا خود فاعل میں۔ دنیا کے تمام امور کا یہی حال ہے۔ ہر کام کی ایک آخری غایت ضرور ہوتی ہے سارے انسانوں کا حال یہی ہے کہ عیش، راحت ورفاہ میں زندگی بسر کریں۔ یہاں سے وہ لوگ جن کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، آخرت پر ایمان اور اعتقاد نہیں ہے پھر ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟

اب اگر مال دنیا زیادہ ہونے یا مادی وسائل کا زیادہ ہونا ہی راحت اور سعادت کا راستہ ہے تو بھلا بتائیں کہ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر کے، روس نے افغانستان میں قدم جما کر، پیرس نے افریقہ کے ملک پر حکومت کر کے، امریکہ نے میڈل ایسٹ کے عربی ملکوں کو آپس میں لڑایا، قبضہ کیا اور لوٹ مار کیا تباہیاں مچائیں اور اسرائیل جیسے سرکش، ظالم و غاصب کی بھرپور حمایت کی، فلسطین کے نہتے لوگوں کا قتل عام کرایا پھر بھی کیا ان سب کو راحت و سکون حاصل ہوا، یا حرص و ہوس کی شدت بڑھتی جا رہی ہے اور جرائم بھی رو با فزائش ہیں؟ ہیر و شیمار جس پوالمکیٹ نے کیمیائی بم مارا، بے شمار لوگوں کے قتل عام کی خبر سنی تو وہ دیوانہ ہو گیا اور اسی اضطراب میں مر گیا۔ معلوم ہوا کہ اگر انسان اظہار نہ بھی کرے لیکن اس کا وجدان خود گواہی دیتا ہے کہ انسان کے اندر ایک تدین، ایک طاقت ہے جس سے کسی لمحہ بھی انسان متاثر ہو سکتا ہے۔ اگر عقل سلیم سے کام لیتا ہے تو ہدایت بھی پاتا ہے۔ یہی دین اور وجدان کا کام ہے، جو بھٹکتے ہوئے کو عقلانیت، کرامت اور درست حیات کے راستہ پر لگا دیتا ہے۔

آزادی کے دورا ہے پر

انسان آزاد ہے چاہے کسی دین کو قبول کرے یا قبول نہ کرے۔ اسلام نے کسی کو مجبور نہیں کیا ہے، اگر کسی فرد نے اسلام قبول کیا تو اسے بھی حکم ہوتا ہے، دقت و فکر کر لو پھر کوئی فیصلہ کرو، زہار ہر کسی کی پیروی مت کرنے لگے۔

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرٌ وَإِمَّا كَفُورًا﴾ (۱)

حق اور بھلائی کے راستہ کے ساتھ اللہ نے باطل اور برائی کے راستہ کا بھی تعارف کرا دیا ہے، اب اگر آپ چاہیں تو حق کے راستہ کو اختیار کریں یا چاہیں تو باطل کے راستہ کو قبول کریں۔

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ (۲)

اعلان کر دو یہ حق، تمہارے رب کی طرف سے ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے۔ کیا انسان کیلئے صرف خوراک و پوشاک کافی ہے؟

مادی وسائل سے لبریز ہونے کے باوجود بھی نفسیاتی طور پر وہ آسودہ نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے قرآنی تہذیب و ادب نے انسان کو دو حصہ میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ آخرت کی طرف تامل رکھنے والے لوگ۔

۲۔ آخرت سے گریز کرنے والے لوگ۔

﴿۲۱۵﴾

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَذْخُورًا. وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا﴾ (۱)

جو صرف اس فانی دنیا کا فائدہ فوری طور پر چاہتے ہیں، اسے ہم یہاں جس قدر بھی چاہتے ہیں دیتے اور اس کے لئے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جہاں وہ بری حالت میں دھتکارا ہوا داخل ہوگا اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور جیسی کوشش اس کے لئے ہونی چاہیے وہ کرتا بھی ہو اور وہ با ایمان بھی ہو، تو وہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی کوششوں کی اللہ قدر دانی کرتا ہے۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي الْحَرْثِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ﴾ (۲)

جس کا ارادہ آخرت کی کھیتی کا ہوتا ہے ہم اسے اس کی کھیتی میں ترقی دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کی طلب رکھتا ہو ہم اسے اس میں سے ہی کچھ دے دیں گے اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ جیسا کہ انسان کا پورا سٹم ہی دو عنصر سے ترکیب پایا ہے۔ ابن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

”أَنَّ اللَّهَ رَكَّبَ الْمَلَائِكَةَ مِنَ الْعَقْلِ بِلا شَهْوَةٍ وَالْبَهَائِمَ مِنَ الشَّهْوَةِ بِلا عَقْلِ وَبَنَى آدَمَ مِنْ كِلَيْهِمَا فَمَنْ غَلَبَ عَقْلُهُ عَلَى الشَّهْوَةِ فَهُوَ أَعْلَىٰ مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَمَنْ غَلَبَ شَهْوَتُهُ عَلَى عَقْلِهِ فَهُوَ أَدْنَىٰ مِنَ الْبَهَائِمِ“

اللہ نے ملائکہ کو عقل سے بغیر شہوت کے خلق کیا، جانوروں کو شہوت سے بغیر عقل کے خلق کیا اور آدَم کو دونوں سے (شہوت اور عقل) سے بنایا ہے لہذا جو اپنی عقل کو شہوت پر غلبہ دے وہ ملائکہ سے افضل و بہتر ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غلبہ دیا تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

یہ حدیث شریف کا آخر حصہ آیت قرآنی سے ملتا ہے: ﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّ هُمْ أَضْلُ﴾ (۳)

۱۔ سورہ اسراء، آیت ۱۸، ۱۹۔

۲۔ سورہ شوریٰ، آیت ۲۰۔

۳۔ سورہ اعراف، آیت ۱۷۹۔

آزادی اور آشتی

اسلام صلح و آشتی رحمت و امنیت اور آزادی کا دین ہے نہ کوئی جبر ہے اور نہ ہی کوئی زبردستی ہے، ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ رہ گیا جن اصول و افکار اور اعتقاد کا ذکر ملتا ہے اس میں عقل عملی کی ارتقاء نیز انسانی فلاح و بہبودی کا لحاظ کرتے ہوئے مکمل آزادی کے ساتھ پورے طور پر انتخاب کا حق دیا گیا ہے۔

﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾

اگرچہ یہ اصول عین فطرت اور خاص مصلحت کے حامل ہیں۔ یہ بھی طے ہے کہ جب تک کسی مذہب و مسلک اور اس کے اصول و افکار کے انتخاب میں آزاد فضا نہ ہو تو گویا انسان خود مختار نہ ہوگا اور نہ ہی اس کے دل کی گہرائی تک وہ نفوذ کر سکتا ہے۔ اسلام کی دعوت جو پیار و محبت سے لبریز، علم و حکمت سے مملو، نصیحت و ہدایت کی فضا سے ہموار، طمانیت و امنیت سے سرشار، عقل و منطق کی روشنی سے آراستہ اور اتحاد و اتفاق جیسی نعمت سے مزین ہے۔ پھر یہی سب انسانیت کو کمال کی جانب بڑھانے میں معاون ہیں۔

صدر اسلام کے حالات میں سید امیر علی کے بقول سیمون اسکف بزرگ نے یہ جملہ کہا ہے:

جب سے خداوند عالم نے اعراب کو سلطنت عطا کی، نہ یہ کہ وہ مسیحی آئین پر حملہ نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس ہمارے دین میں ہماری مدد کرتے ہیں، ہمارے خدا، مقدسات کا احترام کرتے ہیں اور کلیسا و صومعہ کو ہدیہ دیتے ہیں (۱)

﴿۲۱۷﴾

یقیناً یہ تدین اور عقل سے کام لینے کا فائدہ ہے۔ انسانیت اور اخلاق کے اعتبار سے مسلمان اور غیر مسلمان قانون کی نظر میں برابر تھے، عدل و انصاف کے پروردگار امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَنْ كَانَ لَهُ ذِمَّتُنَا فَذِمَّتُهُ كَذِمِّنَا“

اہل ذمہ کا خون ہمارے خون کی مانند محفوظ ہے۔

اگر کسی اہل ذمہ پر کوئی مسلمان دست درازی کرے، اس کی ہتک حرمت کرے، یا قتل و غارت گری کرے تو شخص مسلمان مجرم اور محکوم ہوگا، جس امر کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جائز کرنے کی تاکید فرماتے تھے وہ اصل توحید کا مسئلہ تھا جو دنیا کے ہر کسی صاحب اعتقاد کے اندر فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ اس امر کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بہترین اخلاق و حسن عمل کی تصدیق اور تائید حاصل کر لی تھی۔

جمہوریت اور حریت

کسی بھی معاشرہ کی شادابی، نشاط اور کامیابی میں چار چیزیں نہایت مؤثر ہیں:

(۱) وسیع زمین، اس کی آبادکاری

(۲) اس زمین پر بسنے والی آبادی

(۳) انسان کی دینی و فکری آزادی

(۴) نظم اور انجام کا معقول انتظام

اللہ تعالیٰ نے روز اول سے کرہ ارض جیسی طویل و عریض زمین کو وجود بخشا ہے تاکہ صحیح طرح سے استفادہ اور نگہداشت کی جاسکے، اس پر بسنے والے افراد کی تعداد بھی ہر ملک میں خواستہ یا نحواستہ طور پر قابل ملاحظہ ہے، جس نے بڑے بڑے حکمرانوں کو تشویش میں ڈال رکھا ہے، لگتا ہے وہی ان کے رازق و مالک ہیں، ہر ملک کے حکام اپنے طور سے منصوبہ چلا رہے ہیں تاکہ آبادی میں کمی اور کنٹرول کر سکیں۔ ہمارا یہاں پر یہ موضوع نہیں ہے، ممکن ہے ہمدردی کا جنبہ پایا جاتا ہو۔

اعتقاد کا تعلق اگرچہ انسانی ضمیر سے ہے پھر بھی سیاسی اور سماجی جماعت بڑی حد تک دخالت رکھتی ہے اور سیاست کے تحت نسلوں کا ملیا میٹ کر دیتی ہے۔ آپ حبیب خدا کی بات میں تھوڑا سا غور کر لیجئے:

”كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ“

ہر پیدا ہونے والا بچہ فطری طور پر دین اسلام (یعنی انیت، سالمیت اور راہ اعتدال) پر پیدا ہوتا ہے، رہ گیا ان کے ماں باپ (خاص تربیت اور تعلیم کے ذریعہ) یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔

﴿۲۱۹﴾

مادی دنیا ہی سب کچھ ہے! فطرت کی چوری اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے جو سیاست دشمن اسلام نے اتحاد کی ہے وہ یہ کہ ظاہری طور پر یہودی، نصرانی بھی نہ بنیں، انھیں اسلام کے لباس میں ہی رہنے دیں، رہ گیا دھیرے دھیرے ان کے بنیادی عقائد اس کی دینی ہویت و حساسیت اور بیداری کو ختم کر دیا جائے، ان کے ذہنوں کو اتنا ماڈرن بنا دیا جائے تاکہ وہ مادی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھیں چنانچہ اسلام کی معنوی شناخت اور التفات کی ہر ممکن سرت کر رہے ہیں، یہ بھی فطرت تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔ اگرچہ خدا کا تصور ایک فطری امر ہے، لوگوں سے چھینا نہیں جاسکتا ہے، مدت مدید سے دشمن اپنی اس خصمانہ سازش پر حیران و پشیمان رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قوم مختلف جماعتوں، مختلف خیالوں میں بٹی ہوئی ہے، مسلمانوں کو اہل سیاست عقائد کے جنجال میں الجھا کر ضرور تنگ کرتے رہے ہیں، نتیجہ میں بڑی تعداد میں مسلمان گمراہیوں کے آتش کدہ پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

باقی بچتا ہے معاشرہ کا نظم و انسجام اور سکیورٹی کا مسئلہ، جو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، یہی شعبہ ملک کے داخلی بیرونی اور صنف حکام کے محافظ ہیں، جس کے انحراف سے پورے شہروں، ملکوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے ان سب نظام کے بغیر زندگی مشکل ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں میں کون اور کس سسٹم کے تحت ان سب کو منظم اور ادارہ کر سکتا ہے؟

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾ (۱)

ہم زبور میں پسند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔

وراثت کی حیثیت سے ولایت اور حکومت کے عہدہ پر ہمیشہ صالح افراد ہی سزاوار رہے ہیں۔ جو عین عقل کا تقاضا بھی ہے۔ ہر زمانہ میں یہی دیکھا بھی گیا ہے۔ ان حضرات انبیاء کی سرشت میں آشتی ہمدردی اور نیکی رچی بسی تھی۔ سیرت رسول اسلام ﷺ اور امیر المومنین علیہ السلام میں یہی دیکھا گیا کہ کبھی بھی ان حضرات نے اپنی بیعت منوانے پر کسی کو مجبور نہیں کیا ہے، یہ قوم کے اہل علم و معرفت تھے کہ رسالت و امامت کے ہاتھوں بیعت کی خاطر اپنے دست بیعت بڑھاتے تھے، کہیں بھی ان حضرات نے کسی سے اپنی بات منوانے میں کوئی زبردستی نہیں کی ہے

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

بلکہ جہاں ضرورت ہوئی ہے انھوں نے لوگوں کی دستگیری ضرور کی ہے، چاہے مدد لینے والا ان حضرات کا دشمن ہی کیوں نہ رہا ہو۔ یہاں ہم انسانی حریت اور وجدان کے محافظ امام علیؑ کا ایک جملہ نقل کرتے ہیں:

”إِنِّي لَمْ أُرِدِ النَّاسَ حَتَّى أَرَادُونِي وَلَمْ أَبَايْغُهُمْ حَتَّى بَايَعُونِي“ (۱)

میں نے حکومت یا ولایت کو نہیں چاہا، یہاں تک لوگ خود میرے پاس آئے، میں نے ان کی بیعت کیلئے ہاتھ نہیں بڑھایا ہے مگر لوگوں نے اپنی مرضی سے میری بیعت کی ہے۔

کوئی انسان صبح آفرینش سے آخری لمحہ حیات تک کوئی ایسی مثال لا سکتا ہے جیسی مثال ہمارے امام علیؑ نے قائم کی ہے۔ جہاں تک آزادی کا ذکر آیا ہے، امام نے ہر جگہ زر، زور اور تزویر سے پرہیز کیا ہے۔ فریب، مکاری، حرص، شاطرانہ تحریک اور کسی طرح کی بھی بغاوت کو باطل قرار دیا ہے۔

طلحہ اور زبیر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”وَإِنَّ الْعَامَّةَ لَمْ تَبَايَعْنِي لِسُلْطَانٍ غَالِبٍ وَلَا لِعَرَضٍ خَاصِرٍ“ (۲)

عوام الناس نے میری بیعت نہ تو کسی خوف کی بناء پر کی ہے اور نہ ہی متاع دنیا کے حصول میں۔

”وَلَا تَقُولَنَّ إِنِّي مُؤَمَّرٌ أَمْرٌ فَأُطَاعُ فَإِنَّ ذَلِكَ إِذْغَالٌ فِي الْقَلْبِ، وَمَنْهَكَةٌ لِلدِّينِ“ (۳)

امام علیؑ نے جناب مالک اشتر سے فرمایا:

لوگوں سے مت کہو! مجھے حکم دیا گیا ہے، میں بھی تمہیں اسکا حکم دیتا ہوں لہذا پیروی کرنی چاہئے (۴)

یہ ایک نفی حکومت ”Absolutism“ ہے کیونکہ اس طرح کی خود نمائی دل کو فاسد اور دین کو پڑ مردہ اور نعمت کو زائل کر دیتی ہے۔

میں نے اس مجمع کے اژدحام میں خوب غور و فکر کر کے دیکھا کہ اگر تمہاری درخواست کو قبول نہ کروں، تم کسی

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۴۔

۲۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۴۔

۳۔ نہج البلاغہ، نامہ ۵۳۔

۴۔ محمد دشتی: حاشہ نہج البلاغہ ص ۵۶۷۔

﴿۲۲۱﴾

ایسے کو نہیں پاسکتے جو تمہارے اجتماعی امور میں خوب سمجھ کر علم و عدالت اور حقیقت کے ساتھ حکومت کرے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر تمہاری حکومت و خلافت کو قبول کر لوں اس صورت میں میری منزلت و فضیلت اور میرا حق ثابت ہو جائے تو یہ عمل اس سے بہتر ہے کہ دوسروں کی حکومت میں رہوں اور میرا مقام و فضل اور حق نامعلوم اور پوشیدہ رہے، اس لحاظ سے میں اپنے ہاتھ کو بڑھا کر بیعت لینے کو تیار و حاضر ہو گیا۔

امام علیؑ فرماتے ہیں: اے گروہ مہاجرین، و انصار اور اصحاب رسول اللہ ﷺ!

تم سب میری پیروی کرو! کیا تم سب نے میری بیعت نہیں کی ہے؟

کیا میں نے تم سب سے عہد و پیمان نہیں لیا کہ ہمیشہ میری حکومت میں ثابت قدم اور پابرجا رہو اور میرے اوامر کی اطاعت کرو گے اور تم لوگ دل کی سچائی اور گہرائی کے ساتھ اسلام سے خارج ہو جانے والوں اور قانون قرآن کے خلاف عمل کرنے والوں سے میرے ہمراہ جنگ اور جہاد کرو گے؟

جو عہد و پیمان میں نے لیا، کیا وہ خدا سے معاہدہ اور محکم ترین پیمان نہ تھا جو کہ بیشتر افراد و اشخاص سے لیا جاتا ہے؟ کیا تم نے اس عہد و پیمان کو قبول نہیں کیا تھا؟ کیا ان عہدوں میں خدا و رسول کو گواہ نہیں بنایا تھا؟ کیا ان معاملات میں تم سب سے بعض کو بعض کا گواہ نہیں قرار دیا گیا تھا؟ کیا میں نے ان تمام معاملات میں خدا و رسول خدا ﷺ کی سنت کے مطابق عمل نہیں کیا ہے؟

مقام تعجب ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان خلافت کے لئے اٹھ کھڑا ہو!

اور مجھ سے اختلاف اور نزاع کرے پھر میری امامت کا منکر ہو جائے۔ معاویہ کا خیال تھا کہ مقام خلافت کا وہ مجھ سے زیادہ اہل و سزاوار ہے۔ اس مقام پر اس نے خدا و رسول ﷺ پر جرات اور جسارت کی ہے، اپنے دعویٰ پر چھوٹی سے چھوٹی بھی دلیل نہیں رکھتا اور اس خلافت میں اس کا معمولی سا بھی حق نہیں ہے۔

اگر مہاجرین و انصار اور مسلمانوں کے سرداروں سے بیعت ثابت ہوتی ہے تو مہاجرین و انصار سے کسی نے بھی اس کی بیعت نہیں کی ہے۔

یہودی سیاست سے حفاظت

یہودیت کی چند علامتیں

دنیا کی قوموں میں ہر قوم کی کوئی نہ کوئی شناخت ہوتی ہے۔

جناب ابراہیم کی نسل تین بڑی قوموں میں تقسیم ہو گئی، عیسائی، یہودی اور مسلمان۔ جن سب کا دین؛ دین ابراہیمی ہے۔ جناب ابراہیم اور دوسرے نبیوں نے بشریت کو شرک و الحاد سے دور رہنے کا پیغام دیا پھر بھی یہودیوں نے جناب عزیر کو اور عیسائیوں نے جناب عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا مان کر شرک اختیار کیا۔ اسی بنیاد پر عیسائی عقیدہ تثلیث (خدا کے ساتھ روح قدس، جبریل اور حضرت عیسیٰ کی خدائی) کے قائل ہو گئے۔

جناب ابراہیم سے دو نسل چلی، آپ کی شریک حیات جناب ہاجرہ سے جناب اسماعیل پیدا ہوئے، انھیں کی نسل سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور جناب سارہ سے جناب اسحاق دنیا میں آئے، جن کے پوتے یہود ابن یعقوب بن اسحاق کی نسل سے قوم یہود اور نسل بنی اسرائیل وجود میں آئی۔

اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت اختلاف تھا، حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی اصلاح و ہدایت کی بہت کوشش کی لیکن خاص نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا، چنانچہ دھیرے دھیرے اصل دین ہی مسخ ہوتا گیا۔

(۱) یہودی مال کی جمع آوری میں نہایت حریص تھے اور ہیں۔ اس بات کا قرآن سے استناد کرتے ہیں:

اے نبی! آپ ان یہودیوں کو ”دنیاوی زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ حریص پائیں گے۔ ان میں سے

ہر ایک ہزار ہزار سال کی عمر چاہتا ہے...“ (۱)

(۲) نہایت چال باز قوم: وہ چال بازی یا دوغلی پالیسی سے کام لینا چاہتے ہیں... (۲)

(۳) نبیوں کا قتل: ان کے نزدیک پیغمبروں کا قتل ایک معمولی کام تھا، غیر یہود کیساتھ بے رحمی ان کا طرہ امتیاز ہے جسوقت یہودی لوگوں کو اسیر کرتے تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کے سامنے ڈال دیتے تھے۔

(۴) قومی تعصب: یہودیوں میں قومی تعصب اور برتری کا اتنا احساس کہ دوسروں کو حیوانوں سے پست سمجھتے تھے، یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں... (۳)

(۵) اختلاف: جھگڑا، تفرقہ اندازی، جنگ افروزی ان کی خاص عادت ہے۔

(۶) لعنت: کفار بنی اسرائیل پر جناب داؤد اور جناب عیسیٰ کی زبانی لعنت ہوئی ہے کیونکہ وہ نافرمانی اور حد سے تجاوز کر گئے تھے (۴)

ربا اور سود خوری: ربا اور سود خوری ان کا بہترین مشغلہ تھا جبکہ خدا نے اس سے منع کیا ہے (۵)

ایسا ظالمانہ طور طریقہ اپنایا جو کسی دین و آئین میں نہیں، انھوں نے مفاد پرست مسلمانوں کو ہم شریک بنالیا، بنی امیہ نے بھی بالکل وہی کردار نبھایا۔ آج بھی بہت سے اسلامی ملکوں کے سربراہ وہی طریقہ اپنائے ہوئے ہیں۔ ابو جہل اور ابوسفیان جو ہمیشہ پیغمبر اسلام ﷺ کے جانی دشمن اور سخت مخالف تھے، جنھوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا، ظلم و ستم میں یہودیوں سے بھی آگے بڑھ گئے، ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ اسلام کی صحیح شکل و صورت مسخ ہو جائے، چنانچہ اپنی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے میں سرگرم رہے اور اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت، شان و شوکت پر قبضہ جمائے رکھا جس کے ذریعہ روز بروز باطل سیاست استوار ہوتی گئی۔

۱۔ استفادہ از: سورہ بقرہ آیت، ۹۶۔

۲۔ استفادہ از: سورہ نساء آیت، ۱۴۱۔

۳۔ استفادہ از: سورہ مائدہ آیت، ۱۸۔

۴۔ استفادہ از: سورہ مائدہ آیت، ۷۸۔

۵۔ استفادہ از: سورہ نساء آیت، ۱۶۱۔

سیرت نبی ﷺ میں سیاست

آپ دقت فرمائیں! جب خلافت کے عہدے کو امام علیؑ نے اسلام و امت کی خیر خواہی کیلئے قبول فرمایا تو ان ہی لوگوں نے آپ کے مقابلہ میں علم بغاوت بلند کیا یہاں تک کہ معاویہ نے بارہا، امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے خلاف بغاوت اور لشکر کشی کی، امام کے خلاف ہر سو پرو پگنڈہ کیا گیا، حقوق کو پامال کیا، آخر کار امام علیؑ جیسا عدالت الہی کا مظہر حق و انصاف کے میزان کو اسی دنیا میں رہنے نہیں دیا۔ پھر امام حسنؑ کو شہید کروادیا، اور آخر میں فرزند رسول امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے یزید جیسے بد کردار کو مسلمانوں کا خلیفہ بنا دیا اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ اس فاسق و فاجر کی بیعت کریں۔ یہ سیاست ابوسفیان سے چلی آرہی تھی جس کی انتہا یزید پر ہوئی لیکن اس اہرمن کو امام حسینؑ نے معرکہ کربلا میں ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔

واقعہ کربلا کی تیاری میں تاریخی ثبوت، حکمراں جماعت اور ان کی منصوبہ بندیوں کا دقت سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کربلا جیسا حادثہ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہی پس منظر تھا:

اب تلک منظر سے ہٹ کر ظلم کرتے تھے یزید
اک یزید آیا سر منظر تو پس منظر کھلا

عیسائیوں کی غلط منطق

یہ لوگ خود اپنے آئین مسیح کی درست پیروی نہیں کرتے ہیں۔ اس قوم نے اپنا شعار ضرور بنا رکھا ہے کہ ہم حقوق بشر کے پاسبان ہیں اور اسی بہانے دنیا کے ممالک پر اپنے منافع کی خاطر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ ان سے اگر سوال کیا جائے دیگر ممالک پر جو ظلم، نا انصافی اور قتل و غارت گری کر رہے ہو، یہ بتاؤ اگر حضرت مسیح موجود ہوتے، اور تم لوگوں نے افغانستان، عراق، فلسطین اور لبنان میں جو قتل و غارت اور قیامت برپا کر رکھی ہے، کیا اس سے راضی ہوتے؟ آج حضرت مسیح ان تین امر میں کس کا انتخاب کرتے؟

(۱) خاموش رہ کر تمہارے قتل و غارت کا تماشا دیکھتے (۲) یا تمہارے ظلم میں تمہاری مدد کرتے (۳) یا پھر ان عراقی افغانی فلسطینی اور لبنانی مظلوموں کی مدد کرتے؟ یقیناً حضرت مسیح ان مظلوموں کی مدد کرتے۔

اگر یہ لوگ بھی حضرت مسیح کی سچی پیروی کرنے والے ہوتے تو تیسرے امر کا انتخاب کرتے اور ہرگز ان مظلوم قوموں پر ظلم و زیادتی اور قتل و غارت کو دیکھ کر خاموش نہ بیٹھتے۔

تمام ادیان پر غلبہ

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۱)

اس آیت میں نبی کریم کی رسالت عامہ کا ذکر ہوا ہے کہ آپ کو پوری نوع انسانی کا رہنما، خوشخبری سنانے اور نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسری آیت میں ہے کہ آپ کہہ دیجئے، میں تم سب کیلئے اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ (۲)

اسلام کسی خاص جماعت یا گروہ کیلئے نہیں آیا ہے اور حقیقت میں ہوا بھی کچھ ایسا ہی کہ صرف جزیرۃ العرب کے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ دیگر اقوام عالم نے بھی اسلام کو گلے لگایا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (۳)

اس طرح کی اور بھی آیتیں ہیں جو اسلام کی ایک عالمی قیادت اور حکومت پر دلالت اور اشارہ کرتی ہیں۔ پچھلی بحث سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ ”اسلام“ صلح و امنیت، حسن معاشرت، ہدایت و عدالت اور درست منطق و تعلیمات کے سبب دوسرے ادیان پر غالب آیا ہے، چنانچہ اگر اہل انصاف دقت کریں تو اسلام کی بہت بڑی کامیابی اور اق تاریخ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں منجملہ یہ کہ عیسائیت نے صدیوں سال تک خود کو چھپائے رکھا۔

۱۔ سورہ سبأ، آیت ۲۸۔

۲۔ سورہ اعراف، آیت ۱۵۸۔

۳۔ سورہ توبہ، آیت ۳۳۔

﴿۲۲۶﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

کفار و مشرکین کی بت پرستی اور دیگر سیاسی ہتھکنڈوں سے فائدہ اٹھایا پھر بھی آج تک اسلام کے مقابل کوئی منظم آئین پر پائدار نہ رہ سکے اس کے مقابلہ میں رسول اسلام ﷺ نے اپنی حیات کے آخری حصہ میں اسلام کی تبلیغ کی اور چند سالوں میں لاکھوں دلوں میں اسلام ایسا نفوذ کر گیا کہ ہر چند کفر و شرک اور منافقت نے ان دلوں میں تزلزل پیدا کرنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوئی اور اسلام سرزمین عرب سے بڑھ کر قیصر و کسری اور شرق و غرب عالم پر چھاتا گیا۔ چند ایسے اسباب جنکی وجہ سے اسلام کی تبلیغ میں رسول اعظم ﷺ کا پیام مؤثر ثابت ہوا ہے:

۱. جناب ابوطالبؓ کی حمایت

محسن اسلام جناب ابوطالب کی رسول اللہ ﷺ سے شدید الفت و محبت اور حمایت، اس بات کی تائید میں معروف قصیدہ کا شعر ملاحظہ فرمائیں:

”وَأَبْيَضُ يَسْتَسْقِي الْغَمَامَ بِوَجْهِهِ
ثَمَالَ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلْزَّامِلِ“

آنحضرت کے چہرہ مبارک کی سفیدی کی برکت سے لوگ طلب باران کرتے اور وہ یتیموں، بیواؤں کے طہاء و پنا گاہ ہیں (۱)

روایت میں ہے کہ بعد ہجرت مدینہ میں قحط پڑا، لوگوں نے رسول اعظم ﷺ سے خشک سالی کی شکایت کی، حضور منبر پر جلوہ افروز ہوئے، دعا فرمائی بغیر فاصلہ اتنی بارش ہوئی کہ کثرت باران اور سیلاب کے خوف کی شکایت ہوئی۔ آنحضرت نے دست مبارک بلند کئے اور فرمایا، بارالہا ہم پر اور ہمارے اطراف میں باران رحمت نازل فرما۔ یہ کہنا تھا کہ بادل چھٹا اور پھر اطراف شہر حلقہ وار بارش کرتا ہوا چلا گیا۔

اس وقت رسول خدا ﷺ نے فرمایا: آج ابوطالب ہوتے اس ماجرا کو دیکھ کر نہایت خوش ہوتے، جس پر کچھ اصحاب نے کہا گویا اس شعر سے ابوطالب کو یاد کر رہے ہیں کہا، ہاں ابوطالب کو یاد کر رہا ہوں (۲)

۱۔ ابن ہشام: سیرہ النبی ج ۱، ص ۲۷۲۔ (سید ہاشم رسولی: زندگانی)

پیامبر اسلام: ص ۷۰۔۱

۲۔ حوالہ مذکور ص ۷۵۔۱

۲. دعوت کا طریقہ کار

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (۱)
اپنے اللہ کی جانب حکمت اور اچھی باتوں کے ذریعہ لوگوں کو بلاؤ اور ان سے بہترین طریقہ سے گفتگو کرو۔
۳. مبلغین کا اعزام

سرکار رسالت نے تشکیل حکومت کے بعد بعض جگہوں میں اپنے مبلغ بھیجے۔ جن میں حبشہ، لبنان، مصر اور یمن قابل ذکر ہیں

۴. اخلاق و کردار پیغمبر اکرم ﷺ

حضور کا مقصد بعثت ہی اخلاق انسانی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔ اسلام کی تبلیغ و ترویج میں اخلاق و کردار رسول نہایت مؤثر رہا ہے۔

۵. قرآن جیسی معجزہ نما کتاب

جونبوت کی صداقت کی گواہ، بے مثل و بے نظیر ایسی کتاب کہ جس کے ایک سورے کا دنیا جواب لانے سے قاصر ہو، جس میں بعثت رسول اعظم سے پہلے کی غیبی باتوں کا ذکر، گزشتہ اور آئندہ قصص و حوادث کی خبر، ماوراء طبعیت کا بیان موجود ہو، ایران و روم کے غلبہ کی خبر اور اسی طرح سے رونما ہونا، اکثر لوگوں کی مخالفت کے باوجود تحریف سے محفوظ اور مرسل اعظم کا ذات خدا پر اعتماد اور قرآنی آئین پر عمل کرنا۔ آج بھی دنیا نے استعمار کے مظالم کو دیکھا کہ عوام الناس کے حقوق کو پامال اور شہروں کو تاراج کیا۔ عدل و انصاف اور امنیت کے نام پر ملکوں اور قوموں کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے، یہ سب ایسی صورت میں ہے کہ اسلام کے قانون پر اہل مملکت عمل نہیں کر رہے ہیں، زیادہ تر اسلامی ممالک سامراج کی خوشنودی اور مسلمانوں کی سرکوبی کیلئے کام کر رہے ہیں، اس کے باوجود دنیا بھر کے لوگ سیلاب کی طرح اسلامی تعلیمات کی جانب متوجہ ہیں اور اگر بڑی بڑی طاقتیں رکاوٹ پیدا نہ کریں پھر ساری دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے۔ انشاء اللہ ان تمام بغض و عداوت اور قتل و غارت کے باوجود عنقریب سامراجی سازشیں ناکام ہو جائیں گیں۔ وعدہ حق پورا ہو جائیگا اور ہر گوشہ و کنار عالم میں دین مصطفیٰ ہوگا جس کو آنحضرت کے آخری جانشین امام بقیہ (عج) اللہ ادا فرمائیں گے۔

دانشوروں کا نظریہ

آج غربی دانشوروں کی تحقیقات اس فکر پر مرکوز ہو رہی ہیں کہ تمام عالم ایک قانون اور حکومت کے تحت کنٹرول اور کنڈکٹ کیا جائے۔ اسلام نے ہزاروں سال قبل اس نظریہ کو بیان کیا تھا، جو ان دانشوروں کے بقول تمام مسائل کے حل کے ساتھ لائق اجرا بھی ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہاں پر چند نظریات کا ذکر کیا جائے تاکہ بحث اچھی طرح روشن ہو جائے کانٹ امانوئل جرمن کا معروف فلسفی کہتا ہے:

”نظم کائنات کیلئے عالمی پیمانہ پر ایک قانون وضع ہونے کو شرط جانا گیا ہے“

اس کے بقول: ”کائنات کا نظم و ضبط عالمی قانون کے منظم کرنے پر منحصر ہے، اسی بات کو اہل مذہب نے بتایا ہے اور یہ وہی بات ہے جو نبیوں نے قدیم زمانہ سے اس کے محقق ہونے کو تلاش کیا ہے اور حتی المقدور کوشش کی ہے کہ وہ تاریکیوں میں روشنی دے سکیں“ (۱)

ہاں! اللہ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے:

لوگوں میں جو ایمان والے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ظہور امام قائم کے وقت زمین پر اپنا خلیفہ بنائے، جیسا کہ گذشتہ امتوں میں صالح نبیوں کو خلیفہ بنایا اور اپنے پسندیدہ دین کو سب پر غلبہ دیا نیز مومنین کو دشمنوں کے خوف و ہراس سے مکمل امان عطا کیا۔

چنانچہ وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی کو بھی شریک قرار نہ دیں اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے تو ایسے لوگ یقیناً فاسق و فاجر ہیں (۱)

حضرت امام مہدی (عج) کی عالمی حکومت کے بارے میں فرمایا ہے:

”اپنے نبی کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ دین حق کو تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے“ (۲)

گنجی شافعی معتقد ہے کہ بیان شدہ آیت حضرت مہدی (امام زمانہ عج اللہ فرجہ الشریف) کی ایک عالمی حکومت کے بارے میں ہیں (۳)

(فوکویاما) (Foucalt Yama)

جاپان کے محقق جو امریکہ کے دراصل رہنے والے ہیں، معتقد ہیں کہ تاریخ ا۔ بے کمال کی طرف بڑھ رہی ہے جو کمال معنوی اور مادی دونوں کی حامل ہے۔ جب آخری زمانہ آجائے گا تو معنوی اور ذاتی کمال حاصل ہوگا، اسکے نظریہ کے مطابق ایک عالمی حکومت آخری زمانہ کی ایک ضروریات ہے۔

(فوکویاما) نظریہ کے مطابق، لیبرال ڈموکراسی اپنے انتہائے بلندی پر پہنچنے کے بعد اسکو اپنے کچھ بنیادی اصول سے ہٹنا ہوگا (۴)

(ہاروارڈ) یونیورسٹی کے ایٹمی شخص اور وائسٹوٹوئی ٹکنالوژی ماسایو نے اعلان کیا کہ دنیا ۲۰۰۰ عیسوی سے پہلے تک ایٹمی جنگ سے مغلوب تھی مگر دینا کے سبھی مملکت میں اپنی ملی حاکمیت کو چھوڑ کر ایک عالمی حکومت تشکیل دیں لیکن ایسی حکومت کا تشکیل پانا دور حاضر میں ممکن نہیں لگتا (۵)

۱۔ سورہ نور، آیت ۵۵۔

۲۔ سورہ توبہ، آیت ۳۳۔

۳۔ گنجی شافعی: البیان فی اخبار صاحب الزمان، تحقیق محمد ہادی امینی ص ۵۵۔

۴۔ بعض رائٹر: جامعہ اینڈیل اسلامی و مہانی تمدن غرب، ص ۲۹۶/۲۹۴۔

۵۔ آیہ اللہ لطف اللہ صافی گلپایگانی: امامت و مہدویت۔ یہ دانشمندوں کی پیش بینی کا ملا بجا تھی کیونکہ اقوام متحدہ (انرژوی شعبہ) کی تلاش باعث ہوئی کہ تیسری جنگ جہانی واقع نہ ہو مگر ابھی یہ احتمال ہے۔

﴿۲۳۰﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

(نیو کولوماکیا ولی) (Niccolo Machiavelli) اعتقاد رکھتا ہے کہ نئی جمہوریت کی تاسیس یا قوانین منظم کرنے کے لئے کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے، ایک امر اور بھی لازم ہے وہ یہ کہ ایک شخص کے ہاتھ سے انجام پائے اور اس کلی قانون کو قبول کرنا چاہئے کیونکہ ایک بادشاہی جمہوری ملک کے ساتھ ہرگز ممکن نہیں ہے یا بہت کم ممکن ہے کہ شروع سے اچھا نظام رکھتا ہو یا پہلے کے قانون کا مل طریقہ سے بدل جائے مگر صرف تنہا ایک شخص کے ذریعہ ایک قدرت کو اپنے اختیار میں رکھتا ہو اور وہ یہ کوشش کرے کہ غیر محدود طاقت حاصل کرے (۱)

(آرنولڈ ٹوین بی) (Toynbee Humbe)

نسل بشریت کو نجات پانے کے لئے ایک عالمی حکومت کو ضروری جانا ہے اور کہتا ہے: بشریت کی حفاظت کرنے کا تنہا راستہ ایک عالمی حکومت کی تشکیل اور ایٹمی اسلحوں کے پھیلاؤ سے روک تھام کرنا ہے (۲)

(اڈوارڈ ہامبر) (Edward Humbe) بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ اس زمانہ میں دنیا کے غیر مطلوب حالات سے نجات حاصل کرنا اور صلح و صفا اور امنیت برقرار رکھنے کیلئے متحد اور قدرتمند قوموں کی ضرورت ہے۔

ابھی دسیوں لاکھ لوگ مظلوم، فقر اور نا امیدیوں کی کشمکش میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور نئے خطرات و مشکلات انسان کو گھیرے ہوئے ہیں، اس پرانے اور نئے مسائل کے مقابلہ کیلئے خاص طور سے صلح برقرار کرنے کیلئے متحد اور قدرتمند قوموں کی ضرورت ہے۔ حکومتوں کو چاہئے کہ اپنی حاکمیت کے دعوے کو چھوڑے اور دنیا کو ایک عالمی پیمانہ کی حکومت کی نظر سے دیکھیں (۳)

(زیو) یونان کا ایک فلسفی ہے جس نے ۳۵۰ سال قبل مسیح زندگی کی ہے، کہتا ہے:

بشر کی نجات و سعادت کا صرف ایک واحد راستہ ہے جو ایک نظام کی پیروی کرنے والا ہے (۴)

۱۔ نیو کولوماکیا ولی: گفتار ہا، محمد حسن لطفی کا ترجمہ، ص ۶۶-۶۵۔

۲۔ شعبان علی لامی: قدیس، ص ۲۵۳، روزنامہ اطلاعات شمارہ ۱۱۶۱۔

۳۔ حوالہ سابق، ص ۲۵۴۔

۴۔ انتقال فصائل، تخصص، ص ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹،

(پلوٹاک، ۶۴/۱۲۰ء) یونانی مؤرخ اور مصنف لکھتا ہے:

”لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ایک عالمی اجتماع سماج بنائیں اور قانون واحد کی پیروی کریں تاکہ سعادت حاصل ہو“ (۱۵)

”توماس کامپلا“ اپنے مدینہ فاضلہ میں ”ملک خورشید“ کے نام متضاد مساوات معاشرہ کے ضمن میں برابری کے عنوان سے یعنی کام میں برابری، حقوق میں برابری، زندگی میں برابری... کو عالمی سیاسی سطح پر عدالت درست و نادرست کی بنیاد پر بیان کیا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے مشہور دانشمند بشریت کو مشکلوں و سختیوں سے نجات دینے اور مادی و معنوی بے سروسامانی کو مختلف برداشت کیساتھ ذکر کیا ہے، رہ گیا اکثریت نے سعادت مند زندگی بسر کرنے کیلئے مناسب اور ایک عالمی حکومت کے زیر سایہ ہونے کی تاکید کی ہے۔

آج بہت وسیع تبدیلی کی تحریک دنیا میں چل پڑی ہے اور دانشمند حضرات بشریت کی نجات کیلئے ایک عالمی حکومت پر یقین رکھتے ہیں کہ آج کے عالمی حالات باقی نہیں رہ سکتے اور آج بشریت دورا ہے پر پہنچ چکی ہے۔ دانشمندوں کی توجہ خاص طور سے معنوی اور عالمی واحد حکومت کی طرف ہونے سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ جو مادی علوم و دانش کے علمبردار ہیں اور دور حاضر کے تمدن، حکومتوں سے ناامید و مایوس ہو چکے ہیں۔ آج آزادی کے جھوٹے منادی اور بشر دوستی کے نکلے حامی دنیا کے محروم اور کمزور لوگوں کو ظالم کے ظلم و استبداد سے چھٹکارا دلا سکیں۔

آج کے خونخوار استکبار نے کمزوروں پر ظلم و ستم کرنے میں فرعون و حجاج اور ہٹلر کو بھی پیچھے کر دیا ہے۔ بنی آدم کو کرامت انسانی اور شرافت نفسانی سے خالی کر دیا ہے۔ جس کی افغانستان و عراق زندہ دلیل ہے۔

ڈاکٹر کارل (Dr. Korel) لکھتا ہے:

مشینری تمدن جو چلا ہوا ہے، یہ جیتنے کے لائق نہیں ہے کیونکہ زوال کی طرف جا رہا ہے۔ علوم کی خوبیوں نے بے جان مادہ کو لیکر بشر کو اس طرح سے حیرت زدہ کر دیا ہے کہ انسان خود کو بھول گیا ہے کہ اس کی روح و بدن ایسے مقدس قوانین کی پیروی کرتے ہیں جو ستاروں کے قوانین کی طرح بدلتے نہیں ہیں، جس سے کسی کو کوئی خطرہ اور

﴿۲۳۲﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

نقصان نہیں ہے، یہ کسی کو پامال نہیں کر سکتے لہذا ایسے روابط کی جانکاری جو انسان دنیا والوں کو آپس میں ملاتے ہیں اسی طرح علم و دانش کے روابط میں دقت نظر کرنا چاہئے کیونکہ ہر چیز کی انسان شناخت کر کے پیش کرے خواہ وہ انحطاط ہو یا ہمارے تمدن کی خوبیاں، یہاں تک کہ کائنات کے ستاروں کی عظمت بھی ختم ہو جاتی ہے (۱)

”کنٹ ڈوٹوئی“ (Licknet Douthoie) بھی آج کے مادی تمدن کی ترقی سے شکوہ کرتا ہے اور معتقد ہے کہ آج کے حالات میں، انسان کی اصل مشکل کا حل تلاش کرنے کیلئے کوئی دقت نہیں کی جا رہی ہے، آگے کہتا ہے:

”تمدن اتنی تیزی میں ترقی کر رہا ہے کہ تمام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے اور دوسری حقیقی مشکل کو حل کرنے کیلئے وقت نہیں بچتا ہے۔ نئے اختراعات کا جلوہ جو ۱۸۸۰ء کے بعد سے مسلسل واقع ہو رہا ہے، لوگ بچے کی طرح جو پہلی بار سرکس دیکھنے جاتے ہیں اور اپنے خواب و خوراک کو بھول جاتا ہے، اسی طرح مجذوب بنالیا ہے۔ ظاہری نمائش واقعی ہو گئی ہے اور حقیقی اہمیت جو ان نئے ستاروں کے مقابل دکھائی دے رہی تھی دوسرے رتبہ میں پہنچ گئی ہے۔

بہت سے صاحب نظر اس غلط طریقے سے باخبر تھے اور خطرے کا اعلان کر دیا تھا لیکن کوئی توجہ نہیں کر رہا ہے کیونکہ عجیب و غریب بت آ گیا تھا اور خاص بت پرستی جو نئی چیزوں کی ستائش کے لائق ہے لوگ اس پر پابند ہو گئے ہیں، دنیا بدلتی جا رہی ہے اور اپنے کل کے لباس کو زیادہ فاخرہ لباس سے بدل لیا اور بنی آدم علم کے بے حد و حساب طاقت پر مسلط ہو گئے ہیں۔ اور خیر خواہ اہل علم کے پند و نصائح کو گوش گزار نہیں کرتے (۲)

بیشک یہی تمدن آج بھی دنیا پر غالب ہے، جو انسان کی فطری طبیعت سے ہماہنگ نہیں ہے کیونکہ یہ تمدن حیوانیت کے تقاضہ کو پورا کرتا ہے اور معنویات سے غافل بنا دیا ہے، اسی وجہ سے یہ تمدن اپنے سارے فروغ اور پروپگنڈہ کے باوجود انسان کو خوش بخت نہیں بنا سکا ہے، یہ تمدن سماج کے دردمندوں کا علاج نہیں کر سکتا ہے اور سعادت و کامیابی کو فراہم نہیں کر سکتا ہے۔

۱۔ گفتار فلسفی، اخلاق، ج ۲، ص ۳۶۔

۲۔ سابق حوالہ ص ۱۹۔

﴿۲۳۳﴾

البتہ مکمل ناامیدی کے باوجود اس طرح کی نمائندگی کے خطرات سے آگاہی رکھیں اور دانشمند، خیر خواہ محروم و کمزور لوگوں کے ہم آواز رہیں تاکہ قافلہ بشری کو معنویات کی طرف ہدایت کریں، جس سے وہ لوگ اپنی سعادت و خوشنہی تک پہنچنے کیلئے آسمانی رہبروں سے فائدہ اٹھائیں۔ وہ تحریک پر برکت ہے کہ جو آج کی نسل کو راہ راست کی طرف ہدایت کرتی ہے اور ان لوگوں کو گمراہی کی تاریکیوں میں گم ہونے سے رہائی دلاتی ہے اور عام لوگوں کی فکر کو ایک عالمی حکومت کی قبولیت کیلئے امید بخشتی ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ غیر مسلم دانشمندوں کے ان نظریات کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جو ایک عالمی حکومت کے بارے میں وہ کہہ رہے ہیں، یہ وہی ایک عالمی حکومت ہے، جس کا مسلمان اور خاص طور سے شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ وہ حکومت جس کا سارے دانشمندوں نے اشارہ کیا ہے، نہ تو وجود میں آنے والی ہے اور اگر وجود میں آجائے تو اس کے اجرا کی کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ بالفرض اگر ایسی حکومت ایک دن تاسیس پائے تو ساری عالمی تنظیمیں بے اثر و بے خاصیت ہو جائیں گیں اور کبھی بھی کمال و سعادت تک نہیں پہنچ سکے گی کیونکہ ایک عالمی حکومت اس وقت انسانوں کیلئے مفید اور نفع بخش ہوگی جبکہ مکتب الہی پر مبنی ہو اور ایک صالح، خیر خواہ، عدالت کو پھیلانے والا، خطاؤں سے پاک ہو، دوسرے لفظوں میں ان کے درمیان امام معصوم ہو اور وہ حکومت عدل کو توسیع دینے والے امام زمانہ - ہونگے جیسا کہ خداوند عالم نے اس حکومت کے محقق ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ سورہ توبہ آیت ۳۳- اس کے علاوہ اور آیتیں ہیں جو عالمی حکومت بنانے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

یہ آیت خاص طور سے عہد حاضر میں امام زمانہ بقیۃ اللہ کی حکومت سے متعلق ہے، جس کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ اس عالم گیر حکومت اللہ پر ایمان رکھنے، اور اس کے رسول سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کی راہ میں جہاد و کوشش کرنے والے ہوں گے۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت سے ڈرنے والے نہیں ہوں گے۔ اس حکومت میں عدل و انصاف اور مساوات ہوگا اور اس کو ادارہ کرنے کا طریقہ کار الہی دستور پر مبنی ہوگا قرآن و حدیث کی روشنی میں رسول ﷺ اور دیگر ائمہ معصومین کی عملی سیرت کا نفاذ ہوگا۔ اگرچہ عہد رسول میں منافقین نے یہ حکومت پائدار نہیں رہنے دی اور وہ دین سے پھر گئے۔

﴿ ۲۳۴ ﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

قائم آل محمد کی حکومت و نیابت

ہر انقلاب، تحریک اور مکتب فکر کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے، جیسا کہ کچھ حد تک بحث ہوئی، اور بہت سارے دانشمند حضرات کے نظریہ کا مطالعہ کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جسوقت سے دنیا وجود میں آئی ہے کسی بھی تحریک انقلاب اور اس کی بنیادی فکر باقی نہیں رہ پاتی کیونکہ اس کی کوئی دائمی فکر، مستقل منصوبہ نہیں ہوتا اسوجہ سے عالمی حکومت ادارہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، چنانچہ جب تک غلط سیاست، دولت اور اسلحوں کی طاقت ہوتی ہے وہ حکومت رہتی ہے اور جیسے ہی زور و جلال ختم ہوا سارا کھیل درہم برہم ہوا۔ جو مکتب فکر اللہ نے اپنے رسولوں کو دیا ہے تاکہ اس کا نفاذ ہو اور عوام تک ابلاغ کریں چونکہ اس میں مستقل ایک فکر ہے، قیام ہے، اور حیات ہے۔ اگر نظام میں ایک استوار محکم دائمی توحیدی فکر نہ ہو جن قوانین کی بنیاد پر قیام باقی رہتا ہے تو وہ تحریک یا مکتب بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنزَلْنَا إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ۔
(۱) اے اہل کتاب! تم توحیدی اصل نہیں رکھتے ہو جس سے آسمانی کتاب توریت انجیل اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے نازل ہوئی ہے اقامہ کر سکو۔ اگرچہ یہ آیہ کریمہ اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن اس کا مضمون مسلمانوں کو بھی شامل ہوتا ہے۔ اگر مسلمان چاہیں قرآن کریم کا اقامہ (اجرائے احکام) کریں تو انھیں چاہئے قائم ہوں تاکہ اس توحیدی مکتب کے اقامہ کی طاقت رکھ سکیں کیونکہ یا انسان قائم، استوار و اور طیار رکھتا ہوگا، اگر نہیں رکھتا ہوگا یا نہیں رکھتا ہوگا تو قائم ہی نہیں ہے۔ اگر قائم نہیں تو اقامہ کی قدرت بھی نہیں ہوگی ہمارے امام معصوم نے بھی قرآن کا اقامہ اسی شیء پر کیا ہے۔

آیہ اللہ جوادی آملی کے بقول: ائمہ معصومین نے قرآن کریم کا اقامہ کیا ہے:

أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ أَقَمْتَ الصَّلَاةَ وَآتَيْتَ الزَّكَاةَ۔ (۲)

اے مولا امام حسینؑ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے نماز کو قائم کر دیا اور زکات کا حق ادا کر دیا۔

﴿۲۳۵﴾

اقامہ کیا کیونکہ امر کا اقامہ ایک شے پر ہوتا ہے، جو مضبوط و مستقل اور غیر متزلزل فکری پائگاہ رکھتی ہو، امامت رسالت کی نیابت ہے، لہذا نبوت کی طرح،، بحسب عن اللہ،، جہاں بشر کو خدا نے خلق کیا اور تربیت کرتا ہے، وہیں قانون گزار بھی خدا کی طرف سے ہونا چاہئے، اسی وجہ سے امامت میں جو بحث ہے وہ خدا متعلق سے ہے نہ کہ مخلوق خدا سے ہے۔ اور وہ علم کہ جو خدا کے کام سے بحث کرتا ہے، وہ علم کلام ہے۔ جو اپنے امام کو لوگوں کی رائے سے بناتے ہیں وہ انتخابی اور سقیفہ کا امام ہوتا ہے۔ ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ دشمن نے امام معصوم سے پہلے امامت اور ولایت خدا کو میدان سیاست سے باہر کھینچا ہے۔ اللہ پر واجب ہے امام کو معین کرے اور لوگوں پر واجب ہے کہ ولایت امام کو قبول کرے۔ امامت کو اصل میں نبوت کے ساتھ ہے اور فروع میں نماز و روزہ کے ساتھ بھی ہے۔ ولی فقیہ، حاکم شرع جامع الشرائط مجتہد کو دیکھ لیجئے، لوگوں کا منتخب شدہ، وکیل یا نمائندہ نہیں ہے بلکہ لوگوں کا ولی اور نمائندہ حضرت بقیۃ اللہ جو جانشین رسول اللہ ہیں۔

فقیہ جامع الشرائط کا کام فقط فتویٰ دینا، تالیف، ترجمہ اور شرح لکھ دینا نہیں بلکہ سب احکام کو زندہ اور وجود بخش دینا ہے، انبیاء ائمہ صرف مسئلہ بیان کرنے نہیں آئے تھے، نبوت و امامت کی بحث ہے کہ لوگوں کا حکومتی نظام اسلامی ہونا چاہئے۔ یہ ساری ان کی ذمہ داریاں تھیں مگر طاغوت زمانہ نے ان کے ہاتھوں کو باندھ دیا تھا:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ. (۱)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں اور وہ لوگ جو عدل و انصاف کی باتیں کرتے ہیں انھیں بھی قتل کر ڈالتے ہیں، تو اے نبی انھیں دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔ جس اسلام میں حدود، دیات، جنگ و صلح ہے تو اس کا کوئی مجری بھی تو ہوگا۔ ان حدود و قصاص وغیرہ کا اجرا لوگوں سے نہیں ہوگا، اگر لوگ قوانین الہی کے مجری ہوں گے پھر تو قیام اور قائم کا وجود اور نصب بے معنی ہوگا۔ لہذا قانون خدا کا ایک مجری ہوگا، جو معصوم ہوگا اور ان کی عدم موجودگی میں مجری ولی معصوم ہوگا۔

منابع کتب

- ۱۔ قرآن کریم
- ۲۔ سید رضی: نہج البلاغہ (وکتوبات اور کلمات قصار کا مجموعہ)
- ۳۔ حافظ عاکف سعید، عراق: سرزمین انبیاء، فرید بک ڈپولمیٹڈ ۲۰۰۳ء، دہلی ہند۔
- ۴۔ اخبار: کیہان، بروز چہار شنبہ ۱۷ آبان مطابق ۸ نومبر ۲۰۰۶ء، ایران۔
- ۵۔ عزیز برنی سفرنامہ ایران اور المیہ ہندوستان: روزنامہ راشتریہ سہارا، ۱۱ لکھنؤ ۱۶ مارچ ۲۰۰۷ء جمعہ۔
- ۶۔ قرآن کریم: ترجمہ و تفسیر، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، سعودی عرب۔
- ۷۔ دنیا دہشت گرد کے سائے میں ہفت روزہ ”آغاز صبح“ دہلی کی دستاویزی پیشکش، سن اشاعت ۲۰۰۱ء۔
- ۸۔ محمدی ری شہری: منتخب میزان الحکمتہ، تلخیص سید حمید حسینی قم، دار الحدیث، چاپ اول ۱۴۲۲ق۔
- ۹۔ سیاست خارجی: سال ہفتم، تابستان و پاییز ۱۳۷۲، شمارہ ۲ و ۳، قم ایران۔
- ۱۰۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، ج ۱ ص ۳۵۲ طبع جدیدۃ التراث العربی لبنان۔
- ۱۱۔ استاد جعفر سبحانی: فروغ ابدیت، طبع قم ایران۔
- ۱۲۔ نامہ ہاوپیا نہای سیاسی حضرت محمد و اسناد صدر اسلام، تحقیق و گردآوری و رندہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ ترجمہ ڈاکٹر سید محمد حسینی، ص ۲۵۰ چاپ دوم سروش تہران ۱۳۷۷ء۔
- ۱۳۔ عبدالکریم مشتاق: یار رسول اور غار ثور، مطبع زم زم پرنٹرس، طبع اول، دہلی ہند۔
- ۱۴۔ ابن ہشام: السیرۃ النبویہ، دار القلم، بیروت لبنان۔
- ۱۵۔ حضرت امام خمینی: روح اللہ: صحیفہ نور، قم ایران۔
- ۱۶۔ تاریخ سیاسی اسلام ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، ترجمہ ابوالقاسم پایندہ، انتشار جاویدان، طبع ۱۳۷۳، ۸، ۱۳۷۳۔
- ۱۷۔ لغت نامہ دہخدا، مادہ سیاست، مہانی خدادادی، ایران۔

- ۱۸۔ غلام احمد پرویز: لغات القرآن، ناشر طلوع اسلام ٹرسٹ گلبرگ ۱۱/ لاہور پاکستان، ۱۹۹۸۔
- ۱۹۔ فرہنگ فارسی عمید: حسن عمید، مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران ۱۳۸۱ ش۔
- ۲۰۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، طاول زیر اہتمام دانشگاه پنجاب لاہور پاکستان۔
- ۲۱۔ ہانس ور۔ فرہنگ معاصر (عربی فارسی) ISBN 964-312.550.5۔
- ۲۲۔ (۲) علامہ ابن منظور (۶۳۰-۷۱۱ھ) لسان العرب (مادہ سوس) طبع ۱۲۹۱ھ، ۱۴۰۸ھ بیروت۔
- ۲۳۔ (القاموس المحیط) (مادہ سوس)۔
- ۲۴۔ (۵) ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا، م ۳۹۵ھ، مقاییس اللغة۔
- ۲۵۔ تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، طدار الکتب العلمیہ اسماعیل نجفی۔
- ۲۶۔ علوم سیاسی، سال ششم، ش ۲۴، زمستان، ۱۳۸۲، قم ایران۔
- ۲۷۔ مجمع البحرین ج ۴، مادہ سوس، لسان العرب۔
- ۲۸۔ محمد محمدی ری شہری، میزان الحکمة، طبع مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۳۶۷ ش۔
- ۲۹۔ مجمع البحرین۔ علامہ کلینی: اصول کافی، کتاب الحجۃ۔
- ۳۰۔ نہج البلاغہ: تالیف سید رضی، شرح و ترجمہ: صحیحی صالح۔
- ۳۱۔ علامہ مرزا حبیب اللہ الہاشمی الخوئی، منہاج البرائۃ فی شرح نہج البلاغہ، موسسہ مطبوعاتی دارالعلم۔
- ۳۲۔ السید محمد کاظم قزوینی، موسوعۃ الامام الصادق علیہ السلام، حاشیہ کتاب، ط ۱۳۱۸ھ۔
- ۳۳۔ شیخ مفید محمد بن محمد بن نعمان م ۴۱۳ھ: الاختصاص، جامعۃ المدرسین، قم، ایران۔
- ۳۴۔ رابرٹ دال، تجزیہ و تحلیل جدید سیاست، ترجمہ حسین ظفریان تہران نشر مترجم ۱۳۶۳۔
- ۳۵۔ عبدالرحمن عالم، بنیادہای علم سیاست، چاپ اول، تہران نشرنی، ایران۔
- ۳۶۔ رم مک ایور، جامعہ و حکومت، ترجمہ ابراہیم علی کنی، بنگاہ ترجمہ و نشر کتاب۔
- ۳۷۔ مورلیس دوورژہ، اصول علم سیاست (ڈاکٹر ابوالفضل شریعت پناہی) طاول داد گستر نشر، ۹۰۳۳۸-۹۶۴۔
- ۳۸۔ عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذر الشامی: الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف ۶۵۶ھ، تحقیق، مصطفیٰ محمد عمارۃ، دار احیاء التراث بیروت طبع ۱۳۸۸ھ۔
- ۳۹۔ ابن شعبہ الحرانی: تحف العقول عن آل الرسول، تحقیق علی اکبر غفاری ۱۴۰۴ھ۔
- ۴۰۔ محمد تقی جعفری: ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، نشر فرہنگ اسلامی، ایران۔
- ۴۱۔ محی حسن درویش، ڈاکٹر امام سلیم، ڈاکٹر عبدالمنعم شوقی، علی فواد احمد، السیاسة الاجتماعية، مکتبۃ القاہرۃ الحدیث، طبع اول ۱۹۶۲۔

- ﴿۲۳۸﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست
- ۴۲۔ حسین جوان آراستہ: مہانی حکومت اسلامی، تبلیغات اسلامی، قم، ایران۔
- ۴۳۔ علوم سیاسی فصلنامہ تخصصی، سال نهم ۱۳۸۵، دانشگاه باقر العلوم، قم ایران۔
- ۴۴۔ افق حوزه سال ۴ شماره ۱۰۸ رقم ایران۔
- ۴۵۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ۔
- ۴۶۔ شبلی و سلیمان ندوی: سیرۃ النبی، طباعت، چہارم۔
- ۴۷۔ علامہ سید محمد حسین طباطبائی تفسیر المیزان، تہران، انتشارات محمدی ۱۳۶۲ھ۔
- ۴۸۔ محمد تقی مصباح یزدی نظریہ سیاسی اسلام ۴۲، مؤسسہ آموزشی امام خمینی ۱۳۷۸ش۔
- ۴۹۔ روح اللہ الموسوی خمینی، ولایت فقیہ، حکومت اسلامی، تہران ط امیر کبیر ۱۳۵۷ش۔
- ۵۰۔ ابو نصر محمد فارابی: احصاء العلوم، ترجمہ حسین خدیو جم، انتشارات بنیاد فرهنگ ایران ۱۳۴۸ش۔
- ۵۱۔ محمد جواد نوروزی: نظام سیاسی اسلام۔
- ۵۲۔ (لغت نامہ دہخدا، فرهنگ معین، مادہ سیاست۔
- ۵۳۔ سعید الخوری شرتونی، اقرب الموارد فی فصح العربیہ والشوارح ۱۴۰۳ھ، مکتبہ آیۃ اللہ العرشی النجفی، قم۔
- ۵۴۔ محمد تقی جعفری، حکمت اصول سیاسی اسلام ص ۴۱ نشر بنیاد نہج البلاغہ ۱۳۶۹ تہران۔
- ۵۵۔ روزنامہ اطلاعات ۴، ۱۰، ۱۳۵۹ش، فارسی تہران، ایران۔
- ۵۶۔ محمد تقی جعفری، حکمت اصول سیاسی اسلام، نشر بنیاد نہج البلاغہ ۱۳۶۹ش تہران۔
- ۵۷۔ عبدالرزاق لاہجی، گوہر مراد، بے تا، تہران اسلامیہ۔
- ۵۸۔ بررسی مسائل کلی امامت، ابراہیم امینی، ط ۸، قم تبلیغات اسلامی ۱۳۶۱ش۔
- ۵۹۔ بحار الانوار: علامہ مجلسی، دار احیاء التراث، بیروت، طباعت، ۱۴۰۳ھ۔
- ۶۰۔ شیخ طوسی: الامالی، تحقیق موسسہ البعثہ، دار الثقافتہ قم ۱۴۱۴ھ۔
- ۶۱۔ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی: حلیۃ الاولیاء، موسسہ الامام المہدی قم ۱۴۰۹ھ۔
- ۶۲۔ علامہ محمد باقر مجلسی: بحار الانوار، موسسہ الوفاء بیروت ۱۴۰۴ھ۔
- ۶۳۔ علامہ ابن شہر آشوب مازندرانی: المناقب، قم ۱۳۷۹ھ۔
- ۶۴۔ محمد بن محمد بن النعمان شیخ مفید ۴۱۳ھ: الاختصاص، جامعۃ المدرسین قم۔
- ۶۵۔ علی بن عثمان راجی طرابلسی ۴۴۹ھ: کنز الفوائد، کنز الفوائد، دار الذخائر، قم ۱۴۱۰ھ۔
- ۶۶۔ علامہ طبری: مجمع البیان۔
- ۶۷۔ اصول کافی، محمد بن یعقوب کلینی: الکافی۔

- ۶۸۔ احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی: م ۳۲۸ھ، العقد الفرید، تحقیق، برکات یوسف ہبود، الا علمی لبنان۔
- ۶۹۔ امام خمینی: کتاب البیع، (بحث فقہی)۔
- ۷۰۔ سید غضنفر علی جعفری فائزی: سیاست خارجی پیامبر اسلام رقم زائر ۱۳۷۸۔ بحوالہ: محمد حمید اللہ حیدر آبادی، الوثائق النبویہ، ترجمہ فارسی۔
- ۷۱۔ محمد جریر الطبری، تاریخ الطبری ردوار المعارف بمصر ۱۹۱۸م۔
- ۷۲۔ دکتر حسین خلیفہ، حجة الاسلام والمسلمین احمد خلیفہ (ناصری): مدیریت در اسلام، دانشگاه آزاد اسلامی واحد قم۔
- ۷۳۔ شہید مرتضیٰ مطہری، امامت و رہبری، مجموعہ آثار، چاپ ۳ تہران، صدر ۱۳۷۵۔
- ۷۴۔ زیر نظر ڈاکٹر صادق آیینہ وند: تاریخ اسلام، ناشر دفتر نشر معارف ط دوم ۱۳۸۲، شاہک ۳۳۹۰۳۰۳۷۷ (۹۶۴۷۰۳۰۳۳۹)۔
- ۷۵۔ سلیم بن قیس: اسرار آل محمد، ترجمہ اسماعیل انصاری، قم انتشارات علامہ، ۱۴۱۳ق۔
- ۷۶۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، قم ۱۴۰۴ق۔
- ۷۷۔ امام خمینی، تہذیب الاصول، مطبعہ دار الفکر۔
- ۷۸۔ علامہ طبری: تاریخ طبری، (تاریخ الامم والملوک الطبری) بیروت۔
- ۷۹۔ مرتضیٰ عسکری: نقش ائمہ در احیای دین، ایران۔
- ۸۰۔ فصلنامہ نہج البلاغہ، فصلنامہ پژوهشی و اطلاع رسانی ۱۰۹، نشر بنیاد نہج البلاغہ بہار ۱۳۸۳ ش ایران۔
- ۸۱۔ فروغ عاشور خطبہ امام سجاد (ع) و تنظیم ہدی عبد الباقی رناشر پیام امام ہادی قم۔
- ۸۲۔ ابوالقاسم پایندہ: نہج الفصاحتہ، جاویدان۔
- ۸۳۔ شیخ عباس قمی: سفینۃ البحار، سنائی۔
- ۸۴۔ فرانسوا توال، ثوبہ پولیتیک شیعہ، ترجمہ علی رضا قاسم آقا، ۱۳۷۵، تہران، نشر آ من، ط، اول۔
- ۸۵۔ فصل نامہ شیعہ شناسی سال اول ش ۱۳۸۲، قم۔
- ۸۶۔ عبد اللہ جوادی آملی، حماسہ و عرفان، ط دوم، ۱۳۷۸، قم ایران۔
- ۸۷۔ محمد بن یعقوب کلینی: اصول کافی تحقیق نجم الدین آملی، تہران مکتبہ الاسلامیہ۔
- ۸۸۔ یوسف رامپوری، روزنامہ راشتریہ سہارا، ۲۸ جولائی ۲۰۰۲، ہندوستان۔
- ۸۹۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ۸۲، م النور للمطبوعات، بیروت لبنان۔
- ۹۰۔ المستنار عبد الحلیم الجندی مصری: امام جعفر الصادق۔
- ۹۱۔ ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۱۱۰۔ ط جدیدۃ التراث بیروت لبنان میں ذکر کیا ہے۔
- ۹۲۔ قاموس الرجال۔

﴿ ۲۴۰ ﴾ سیرت نبی ﷺ میں سیاست

۹۳۔ الدر المنثور۔

۹۴۔ عبدالحسین امینی: الغدیر، دارالکتب العربی ۱۹۷۶م، بیروت۔

۹۵۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الطبری، بیروت الاعلیٰ بی تا۔

۹۶۔ المفید محمد بن محمد نعمان، الجمل، تحقیق علی میرشریفی، قم الاعلامی الاسلامی، ۱۳۷۶ش۔

۹۷۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ ج ۴/۱۰۷۔ قم کتابخانہ آیۃ اللہ العظمیٰ مرثی نجفی، ۱۴۰۲م، قم۔

۹۸۔ مکتب اسلام، ش اول، ۱۳۸۵ش ربیع الاول ۱۴۲۷م، قم۔

۹۹۔ علوم سیاسی: فصلنامہ تخصصی سال نهم، شماره ۳۵، ۱۳۸۵، دانشگاه باقر العلوم ص ۱۴۳، قم۔

۱۰۰۔ سید امیر علی: روح اسلام، ترجمہ ایرج رزاقی، انتشارات آستان قدس رضوی، مشهد۔

۱۰۱۔ ابن ہشام: سیرہ النبی (بقلم سید ہاشم رسولی: شرح حال زندگانی)

۱۰۲۔ پیامبر اسلام: ط اسلامیہ ۱۳۴۸، خیابان ابوذر جمہری تہران، ایران۔

۱۰۳۔ احمد قاضی، زاہدی گلپایگانی: حضرت مہدی کے یاد سے، انتشارات معارف اسلامی، ط اول، ۱۹۸۴۔

۱۰۴۔ گنجی شافعی: البیان فی اخبار صاحب الزمان، تحقیق محمد ہادی امینی بیروت۔

۱۰۵۔ اسلامی و مبانی تمدن غرب: سازمان تبلیغات اسلامی، ۱۹۹۸ء، تہران۔

۱۰۶۔ آیۃ اللہ لطف اللہ صافی گلپایگانی، امامت و مہدویت، پیشین، ط قم، ایران۔

۱۰۷۔ ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ: جلد ۲۔ از ثروت صولت، ناشر اسلامک پبلیکیشنز لاہور پاکستان۔

۱۰۸۔ شعبان علی لامعی، قدیس، انتشارات رامند تہران، بہار ۱۳۸۰، روزنامہ اطلاعات شماره ۱۱۶۱۔

۱۰۹۔ انتظار، فصلنامہ تخصصی امام مہدی (عج) کے مخصوص، شماره ۴، مرکز تخصصی مہدویت، قم۔

۱۱۰۔ محمد بن یعقوب کلینی، الکافی، ج ۱، کتاب الحجۃ باب النص علی امیر المؤمنین، پبلیشر انصاریان قم۔

۱۱۱۔ ابن ہشام: زندگانی پیامبر اسلام، ترجمہ: سیرۃ النبوی۔ قم ایران

۱۱۲۔ ڈاکٹر علی اصغر حلبی: تاریخ نہضت ہای دینی سیاسی، انتشارات زوار، طبع اول ۱۳۸۲ش۔

۱۱۳۔ شیخ راضی آل یاسین: صلح امام حسن - ترجمہ: آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای، تہران نشر فرهنگ اسلامی۔

۱۱۴۔ نیکولوماکیا ولی، گفتار ہا، محمد حسن لطفی کا ترجمہ، شرکت سہامی انتشارات خوارزمی، ۷۷ھق، تہران۔

۱۱۵۔ عبد اللہ ناصری طاہری: فاطمیان در مصر، پڑوہشکدہ حوزہ ودانشگاہ، ۱۳۷۹ش، قم ایران۔

